صفیہ سلطانہ
بحری ڈاکو



صادق حسین صدیقی



دلچسپ، حیرت انگیز اور اسلامی تاریخی

ناول

صفیہ سلطانہ بحری ڈاکو

مصنّف

صادق حسین صدّیقی

جس میں

یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک عیسائی لڑکی جسے بحری ڈاکو اُٹھا لائے تھے مسلمان ہو کر کس مرتبہ کو پہنچی۔ اور اس میں کس قدر اسلامی جوش اور جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس ناول میں ترکی محلسرا کے حسرتناک واقعات اور عیسائیوں کی جنگ کے خونریز حالات اردو زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔

خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئینِ کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان

ایڈمن پاکستان ورچوئل لائبریری



ناول

صفیہ سلطانہ و بحری ڈاکو

پہلا باب

دو دوست

باجوں کی سریلی آوازیں کانوں میں آرہی تھیں۔ دلکش گتیں بج رہی تھیں۔ ایک عالیشان مکان کے سامنے چند خدمتگار زرق برق وردی پہنے نہایت شان سے کھڑے تھے۔ صدر دروازہ کے دونوں طرف کچھ ہٹ کر پانچ پانچ سپاہی ننگی تلواریں ہاتھوں میں لیے کھڑے تھے۔ یہ لوگ آنے والوں کا استقبال کر رہے تھے۔ شہر کے رئیس اور رئیس زادیاں، امیر اور امیر زادیاں نہایت اچھے اور بیش قیمت لباس پہنے گاڑیوں اور گھوڑوں پر سوار آرہے تھے۔ عورتیں اور لڑکیاں قیمتی اور خوش نما زیورات بھی پہنے تھیں۔ سب سفید فام اور اچھی صورت شکل کی تھیں۔ ایک سے ایک برق وش کمان ابرو اور کافر ادا۔ وہ آتیں اور سواریوں سے اتر کر اٹھلاتیں اور مسکراتیں مکان کے اندر چلی جاتیں۔

یہ مکان لب سڑک واقع تھا۔ رہرو آجا رہے تھے۔ بعض بعض باجوں کی سریلی آواز سن کر ٹھٹک بھی جاتے تھے۔ دو نوجوان باتیں کرتے ہوئے آرہے تھے۔ جب وہ اس مکان کے سامنے آئے تو کھڑے ہو گئے۔ ایک نے کہا "کیسا اچھا باجا بج رہا ہے"۔

دوسرا بولا "بھئی روپئے کے کھیل ہیں۔ ان امیروں کو سوائے باجے بجوانے، ناچ

دیکھنے اور گانا سننے کے اور آتا ہی کیا ہے۔"

پہلا۔ سچ کہتے ہو۔ آخر دولت کسی طرح برباد بھی ہو۔

دوسرا۔ اگر یہ بدبخت امیر اس طرح دولت برباد کرنے کی بجائے غریبوں کی مدد کریں۔ تو غریب خوش ہو کر دعائیں بھی دیں۔ خدا بھی راضی رہے۔ اور شہرت بھی ہو۔

پہلا۔ دولت سے کھیلنے والے خدا کو کیا جانیں اور غریبوں کے دکھ درد کو کیا سمجھیں۔ انہیں تو بس یہ آتا ہے کہ ذرا کوئی تقریب ہوئی اور انہوں نے باجے بجوائے، رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرائیں اور شراب کے دور اڑائے۔

یہ دونوں چلے گئے۔ آمد و رفت برابر جاری تھی۔ لوگ آجا رہے تھے۔ رئیسوں کی آمد کا ابھی تک تانتا بندھا ہوا تھا۔ ایک شخص ایک طرف سے اور دوسرا دوسری طرف سے آرہے تھے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔ آخر ایک نے کہا "اوہ یار! بہت عرصہ کے بعد ملے۔ کہیں باہر چلے گئے تھے کیا؟

دوسرا بولا۔ ہاں میں اسپین چلا گیا تھا۔ دو تین روز ہی ہوئے جب آیا ہوں۔ یہ مسٹر اسٹیفن کے یہاں آج کیا ہے۔ کیسے باجے بج رہے ہیں؟"

یہ مکان جس کے اندر باجہ بج رہا تھا۔ ایک بڑے امیر مسٹر اسٹیفن کا تھا۔

پہلا بولا "آج ان کی لڑکی بقو کی سالگرہ ہے"۔

دوسرا۔ بقو کی۔ اب تو بڑی آفت کا پرکالہ ہو گئی ہوگی۔ چار برس ہوئے میں نے جب دیکھا تھا۔ نہایت ہی خوبصورت تھی۔

پہلا۔ اب تو نکھر کر گل تر ہو گئی ہے۔ میں نے تو ایسی حسین لڑکی دیکھی نہیں اور میں نے ہی کیا کہنے والے تو یہ کہتے ہیں کہ لندن اور پیرس میں بھی ایسی گل اندام، شعلہ رو اور پری چہرہ کوئی لڑکی نہیں ہے۔ جو اس آفت روزگار کو ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے فریفتہ ہو جاتا ہے کئی شہزادے آئے اور مفتوں ہو گئے۔ تمام یورپ میں اس کے حسن کی شہرت ہے۔

دوسرے پر کنپٹی پر انگلی رکھ کر کچھ دیر سوچ کر کہا۔ اوہ یاد آیا۔ میں نے اسپین میں بھی اس پری وش کا ذکر سنا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ شاہزادہ اسپین اس پر جان دینے لگا ہے۔

مجھے یہ تو خوشی ہوئی تھی کہ میرے وطن میں بھی ایک ایسی حسین لڑکی ہے۔ مجھے یہ تو خوشی ہوئی تھی۔ لیکن یہ نہیں سمجھا تھا کہ مسٹر اسٹیفن کی پری چہرہ بیٹی ہے۔ اس وقت اسے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے۔

پہلا۔ دیکھ لینا۔ وہ تو اکثر سیر کرنے باہر کو نکلتی ہے۔ مشتاقان دید کا ہجوم ہو جاتا ہے مگر وہ کچھ ایسی لاپرواہ سی واقع ہوئی ہے کہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔

دوسرا۔ حسینوں میں یہی بے نیازی ہوتی ہے۔ میرا اشتیاق دید دم بدم بڑھتا ہی جاتا ہے۔ جی چاہتا ہے ابھی دیکھوں۔

پہلا۔ بس تو اوروں کی طرح تم بھی جیتوں سے اپنا سودا کرنے چلے ہو۔ اس ساحرہ کو دیکھ کر اپنے حواس میں رہو تو میرا ذمہ اور پھر آج اسے دیکھنا چاہتے ہو جب کہ وہ ہزار حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگی۔ آج تو اس کا افراد اکو دیکھ بھی دیکھ کر اپنا تقدس کھو بیٹھیں گے۔

دوسرا۔ یار تم نے تو اور میرے دل میں آگ سی لگا دی۔ میں ضرور اس زرقام کو دیکھوں گا۔

پہلا۔ ناممکن ہے۔ کیا جانتے نہیں ہو کہ یہ امیر اور رئیس جو آرہے ہیں ان کے پاس وہ کارڈ ہیں جو انہیں مدعو کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ تمہارے پاس کارڈ نہیں ہے۔ تم کیسے محل کے اندر جا سکتے ہو۔

دوسرا۔ دیکھو کوئی نہ کوئی تدبیر کرتا ہوں۔

پہلا۔ میں چاہتا تھا میرے ساتھ مکان پر چل کر کچھ کھاتے کچھ پیتے۔ اپنی کہتے میری سنتے۔

دوسرا۔ یہ باتیں کل پر اٹھا رکھو۔ یا تو میں کسی سے کارڈ حاصل کرتا ہوں یا کسی کارڈ والے کو دیکھتا ہوں۔ اچھا..................

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کی نظر دو آدمیوں پر پڑی۔ ان میں سے ایک کچھ موٹا بھدے خد و خال کا خونخوار قسم کا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کے دستہ کی بید تھی۔ وہ اوسط درجہ کا لباس پہنے تھا۔ اس کے ساتھ جو دوسرا آدمی تھا۔ وہ لمبا تڑنگا پھرتیلا لیکن کرخت صورت تھا۔ اس وقت وہ ایسا بنا ہوا تھا جیسے تھکا ہوا ہو۔

اس نے ایک جوتہ دوسرے میں دے کر لاٹھی کی نوک پر لٹکا رکھا تھا۔ اور لاٹھی کندھے پر رکھ رکھی تھی۔ موٹے آدمی نے آہستگی سے کہا۔ "مکان کو اچھی طرح سے دیکھ لو۔"

دوسرے نے گہری نظروں سے مکان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "دیکھ لیا" موٹا آدمی بولا نہیں۔ اس کے چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھو۔ سب باتیں سمجھ لو۔ اور جب رات کو۔۔۔۔ ۔۔۔۔ کرخت صورت والے نے کہا: میں سب سمجھتا ہوں۔ آپ جائیے۔"

موٹا آدمی چلا گیا۔ کاندھے پر لٹھیا اور لٹھیا پر جوتے اٹھانے والا مکان کے دوسری طرف روانہ ہوا۔ جو دو آدمی پہلے باتیں کر رہے تھے۔ ان میں وہ جو لعو کو دیکھنے کے لیے بیتاب ہو گیا تھا۔ اس وقت کچھ متعجب اور مضطرب نظر آنے لگا۔ پہلے نے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر کہا۔ کیوں کیا ہوا تمہیں۔ یہ تعجب اور یہ اضطراب کیسا؟"

دوسرے نے ٹالنے کے لیے کہا۔ کچھ نہیں۔ تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو جو لاٹھی پر جوتے لٹکائے جا رہا ہے۔ مجھے اسے دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ لوگ بھی کتنے احمق ہیں کہ پیروں کی حفاظت نہیں کرتے۔ جوتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

پہلا: یہ بات نہیں ہے۔ کوئی اور بات ہے۔ اچھا نہ بتاؤ۔

دوسرے نے ذرا اس کے قریب ہو کر سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔ تم نے اس موٹے خونخوار شخص کو دیکھا ہے۔

پہلا: ہاں دیکھا ہے۔

دوسرا: یہ بحری ڈاکو ہے۔

"بحری ڈاکو ہے" پہلے نے کہا۔ اور اس کی آنکھیں فرط حیرت و خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

باب ۲

ہنری

ہمارا ناول ۱۵۷۲ء سے شروع ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں عیسائیوں کا ایک گروہ تہذیب و انسانیت سے الگ ہو کر سفاکی اور بربریت پر اتر آیا تھا۔ اس گروہ نے شروع میں بحری جہاز فراہم کیے۔ اور ڈاکے ڈالنے لگے۔ یہ ڈاکے سمندر کے اندر ڈالے جاتے۔ جو تجارتی تجارت کا مال لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف روانہ ہوتا۔ اس کا انہیں علم ہو جاتا۔ اور وہ اس کے پیچھے لگ جاتے۔ جب موقع پاتے اچانک حملہ کر کے جہاز کے مسافروں، ملاحوں اور دوسرے لوگوں کو مار ڈالتے اور مال و اسباب اور جہاز پر قبضہ کر لیتے۔ یہ ڈاکو اس قدر سفاک تھے کہ کسی پر رحم نہ کرتے تھے۔ ان کی ہیبت سارے یورپ پر بیٹھ گئی تھی۔ رفتہ رفتہ ان کی طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ بڑی سے بڑی سلطنت ان سے ڈرنے لگی تھی۔ یہ بحری ڈاکو کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ان کا بحری بیڑہ نہایت زبردست ہو گیا تھا۔ اور ان کی جسارت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ سمندر کے علاوہ خشکی پر بھی ڈاکے ڈالنے لگے تھے۔ ان کے پاس ہر ملک کے جھنڈے تھے۔ جب کسی بندرگاہ میں جاتے تو اپنے جہاز پر اس ملک کا جھنڈا نصب کر لیتے۔ جس سے بندرگاہ والوں کو ملک کی تجارت کا دھوکا ہوتا اور شہر میں جا کر ڈاکہ ڈالتے اور رات ہی کو لوٹ لاٹ کر اپنے جہاز کو لے کر چل دیتے۔

اس سے ان کی شہرت اور بڑھ گئی تھی۔ اور عام و خاص ان سے واقف ہو گئے تھے نہ صرف واقف ہو گئے تھے۔ بلکہ اتنا ڈرنے لگے تھے کہ اگر کسی شہر میں یہ مشہور ہو جاتا کہ یہاں کوئی ڈاکو دیکھا گیا ہے تو سارا شہر بے چین ہو جاتا۔ اور زیادہ تر لوگ رات بھر جاگتے رہتے۔ عام طور پر سب سے زیادہ فکر دولت مندوں کو ہوتا۔ کیوں کہ زیادہ تر وہ دولت ہی لوٹتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی عام آدمیوں کو بھی تاخت کرتے۔ اور ان کے اگر کوئی حسین و خوبصورت لڑکی ہوتی۔ تو اسے بھی اڑا لے جاتے تھے۔ یہ لوگ حسین عورتوں کی تجارت بھی کرتے تھے۔ ایک ملک کی پری رو لڑکی کو دوسرے ملک میں لے جا کر فروخت کرنے سے کافی دولت پیدا کر لیتے تھے۔ ان کے پاس ایسے بڑے بڑے اور زبردست جہاز ہو گئے تھے۔ جن کا مقابلہ یورپ کی عام سلطنتیں مل کر بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ صرف ایک ترکی سلطنت ایسی تھی جو تمام سمندر پر چھائی ہوئی تھی اور جس سے بحری قزاق ڈرتے تھے۔

جو دو دوست باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو بحری ڈاکو کا نام سن کر حیران ہو

ہوگیا تھا۔ دیر تک متعجب رہا۔ اس نے کہا تم نے کیسے اسے پہچانا۔" دوسرا بولا۔ "میں فرانس سے اسپین کے جہاز پر آ رہا تھا۔ ایک روز عین دوپہر کے وقت ایک جہاز اسپینی جھنڈا اڑاتا ہوا بیچ سمندر کے ملا۔ جب وہ قریب آیا تو اچانک اس نے حملہ کردیا۔ جن لوگوں نے مقابلہ کیا انہیں مار ڈالا۔ اور جن لوگوں نے رحم کی درخواست کی انہیں گرفتار کرنے لگے۔ میں انجن کے پاس چلا گیا اور ملاحوں کے کپڑے پہن کر کوئلہ جھونکنے لگا۔ یہ موٹا آدمی قزاقوں کا افسر تھا۔ اس نے انجن کے کمرہ میں آکر تمام ملاحوں اور ناخدا کو سمندر میں پھینک دیا۔ میں ڈرا کہ میرا بھی یہی حشر ہوگا۔ چنانچہ میرا بھی نمبر آیا۔ میں نے ان سے کہا۔ میں ملاح نہیں ہوں۔ مجھے زبردستی ملاحوں نے پکڑ لیا تھا۔

موٹے آدمی نے کہا۔ "اسے زنجیریں پہنا دو۔" مجھے زنجیروں میں جکڑ لیا گیا۔ اس جکڑبند سے مجھے ایسی تکلیف ہوئی کہ زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگا۔ ہر چند منت سماجت کی۔ رویا چلایا۔ مگر کسی نے رحم کرنا تو درکنار ہمدردی تک بھی نہ کی۔ کبھی کسی وقت یاد آگیا تو بچا کھچا کھانا دے دیا۔ ورنہ خیر۔

ایک روز بہت موٹا آدمی میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے کہا۔ بدبخت انسان تو زندگی پسند کرتا ہے یا موت۔"

میں نے کہا۔ اس زندگی سے تو موت کو پسند کرتا ہوں۔"

اس نے کہا۔ ہم نے تیرا امتحان لیا تھا۔ تو اس میں کامیاب رہا۔ اگر تیری مرضی ہو تو ہم تجھے اپنے اس گروہ میں شامل کرلیں۔"

مجھے اس گروہ میں اس گروہ والوں سے قلبی نفرت ہوگئی تھی۔ بدبخت انسان تھے۔ مگر انسانوں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتے تھے۔ لیکن اس وقت نفرت ظاہر کرنے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ میں نے جی میں طے کرلیا کہ اس وقت یہ جو کچھ کہے اقرار کرلوں اور موقع ملنے پر فرار ہوجاؤں۔ میں نے کہا۔ میں غیر مستقل مزاج انسان نہیں ہوں۔

بحری افسر:۔ اس کا امتحان ہوگیا ہے۔ ہم تمہیں رہا کرتے ہیں۔ یہ اقرار کرو کہ کسی سے یہ نہ کہو گے کہ ہم نے کوئی جہاز لوٹا ہے یا ہم لٹیرے ہیں قزاق ہیں۔

مجھے حیرت ہوئی کہ انہیں اس وقت کیا خطرہ لاحق ہوا جو مجھ سے یہ اقرار لے رہے ہیں میں نے اقرار کرلیا۔ افسر نے کہا۔ اگر تم نے دغا بازی کی تو تمہارے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں گے۔ تم جانتے ہو کہ تم کیوں زندہ رہ گئے ہو۔" میں نے کہا۔ "نہیں"۔

افسر:۔ تمہارے زندہ رکھنے اور اپنے گروہ میں شامل کرلینے کی یہ وجہ ہے کہ تم ایک دولت مند کے عزیز اور وارث ہو۔ اور ہمیں اس سے دولت حاصل کرنی ہے۔"

مجھے اور بھی تعجب ہوا۔ اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ انہیں مغالطہ ہوا ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میرا کوئی بھی عزیز مالدار نہیں ہے۔ بے اختیار میری زبان سے نکلا۔ کیا تم میرا نام جانتے ہو؟"

اس نے خود کہا۔ "کیوں نہیں جانتے۔ تمہارا نام ہنری ہے۔"

میرے تعجب کی کوئی حد نہ رہی۔ کیونکہ اس نے میرا نام صحیح بتایا تھا۔ اس نے مجھے حیران دیکھ کر کہا۔ حیرت نہ کرو۔ ہمارے لوگ ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ ہمیں اطلاعیں دیتے رہتے ہیں۔ جب تم ہم میں رہو گے تو ہمارے برابر ہی دولتمند ہو جاؤ گے۔"

یہ کہہ کر اس نے مجھے رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ میں جب اس کے ساتھ جہاز کے تختہ پر آیا تو دیکھا کہ جہاز کے سب آدمی نہایت پریشان اور اضطراب میں ہیں۔ مجھے اور بھی حیرت ہوئی کہ ان کی پریشانی اور اضطراب کی وجہ کیا ہے۔ عام طور پر لوگ خوفزدہ نگاہوں سے ایک طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے بھی نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس طرف سے ایک ترکی جہاز آتا ہوا نظر آیا۔ میں سمجھ گیا کہ اس جہاز کے قریب آیا۔ اس نے اس جہاز کو کھڑے رہنے کا سگنل دیا۔ فوراً ہی ہمارا جہاز کھڑا کر دیا گیا۔ ترکی جہاز نہایت ہی عظیم الشان اور بڑا ہی ہیبت ناک تھا۔ اسے دور سے دیکھ کر ہی خوف معلوم ہوتا تھا۔ اس میں سے چند لوگ ایک بڑی کشتی میں بیٹھ کر ہمارے جہاز کے پاس آئے اور سیڑھیوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھ آئے۔ تمام جہازیوں نے جن میں افسر بھی شامل تھے۔ ترکوں کو نہایت ادب سے سلام کیا۔

ترکوں نے آتے ہی تحقیقات شروع کردی۔ یہ جہاز کہاں سے آ رہا ہے۔ کہاں

جا رہا ہے۔ کیا سامان بار ہے۔ اس موٹے افسر نے تمام باتوں کا جواب دیا۔ ترکوں کا یہ گشتی جہاز تھا۔ جو بحری قزاقوں کی تلاش میں گشت کر رہا تھا۔ میرے دل میں آیا کہ سب کچھ کہہ دوں۔ لیکن پھر سوچا کہ یہ لوگ مجھے فوراً مار ڈالیں گے۔ میں خاموش رہا۔ ترک اپنا اطمینان کر کے واپس جانے لگے تو میں نے کہا۔ کیا آپ مہربانی کر کے مجھے قبرص پہنچا دیں گے۔" انھوں نے وعدہ کر لیا۔ موٹے افسر نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میں نے اسے اشارہ سے سمجھا دیا کہ کوئی فکر نہ کرو۔ اور ترکوں کے ساتھ ان کے جہاز میں چلا گیا۔ وہاں سے قبرص پہنچا اور پھر یہاں آیا۔ اس وقت سے میں اس قزاق بحری قزاق کو جانتا ہوں۔ میں نے واقعات بیان کرنے میں دیر کر دی۔ اب جاتا ہوں کسی سے کارڈ حاصل کر کے دعوت میں شریک ہو کر بفو کو دیکھوں گا۔

پہلے نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے تم بھی بفو پر فریفتہ ہو گئے ہو۔"

ہنری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور روانہ ہوا۔

باب ۳

حسین مرتھا

ہنری چلا۔ چونکہ اسے جلدی تھی۔ اس لیے پنکا بازار کی طرف جا رہا تھا۔ اور کچھ ایسا خیالات میں الجھ رہا تھا کہ بغیر سامنے دیکھے چل رہا تھا چلتے چلتے وہ ایک شخص سے ٹکرا گیا۔

اس نے کہا۔ "دیکھ کر چلو جوان۔"

ہنری سنبھلا۔ اس نے کہا۔ "معاف کرنا۔ میں ذرا جلدی میں تھا۔"

وہ آگے بڑھا۔ سوچتا جا رہا تھا۔ کس کے پاس جاؤں۔ کس سے کارڈ لاؤں۔ اس نے یہ خیال نہیں کیا کہ وہ بازار میں آ گیا ہے۔ اپنی رو میں چلا جا رہا تھا۔ کہ گاڑی کی گھنٹی کی آواز سن کر چونکا۔ جب اس نے نظر اٹھائی تو گھوڑوں کی زد میں آ چکا تھا۔ سائیس راسیں کھینچتے کھینچتے قریباً پیچھے کی طرف لیٹ گیا تھا۔ لیکن منہ زور گھوڑے پھر بھی نہیں رکے۔ لوگوں نے

شور مچایا۔ کئی آدمی ہنری کو بچانے کے لیے جھپٹے۔ ایک شخص نے جلدی سے اسے کھینچ لیا۔ اس نے اپنے بچانے والے کا شکریہ ادا کیا۔ اب گاڑی بھی رک گئی۔ لوگ جمع ہو گئے ہنری نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ گاڑی میں ایک نہایت حسین و پری جمال دوشیزہ سوار تھی۔ اس کا حسن رہزنِ ہوش و حواس اور ادائیں ایمان شکن تھیں۔ اس نے ہنری کی طرف جھک کر نہایت ہی شیریں لہجہ میں کہا۔ معاف کرنا گھوڑے بے قابو ہو گئے۔ کہیں آپ کے چوٹ تو نہیں آئی۔"

ہنری نے اس بت طناز کے شاداب پھول سے رخساروں کو دیکھ کر کہا۔ "نہیں۔ چوٹ تو نہیں آئی۔ لیکن اچھا تھا میں کچلا جاتا۔ ایسی حسینہ کی گاڑی سے کچلا جانا بڑی خوش قسمتی ہے۔"

دوشیزہ شرما گئی۔ اس کے شرمانے کی ادا ایسی پیاری معلوم ہوئی کہ دل میں کھب گئی۔

اس نے کہا۔ آپ گاڑی میں آ جائیے۔ میں آپ کو جہاں کہیے گا۔ پہنچا دوں گی۔"

ہنری تو خدا سے یہی چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ زہے قسمت۔ اور جلدی سے گاڑی میں سوار ہو گیا۔ اب اس نے ان لوگوں کی طرف دیکھا جو وہاں آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ سب حسن و جمال کا فرادا دوشیزہ کو گھور رہے تھے۔ دوشیزہ نے کوچبان کو اشارہ کیا۔ اس نے راسیں سنبھالیں گھوڑے ٹاپیں مارتے ہوئے چلے۔

گاڑی پرانے فیشن کی آرام دہ فٹن تھی۔ نہایت اچھی تھی۔ گدے بڑے نرم تھے ہنری دوشیزہ کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس میں اکثر مردانہ خصوصیتیں تھیں۔ چہرہ کے نقش و نگار اچھے تھے۔ سینہ چوڑا تھا۔ بازو بھرے بھرے تھے۔ دوشیزہ نے اس سے پوچھا۔ "آپ کا نام کیا ہے؟"

ہنری نے جواب دیا۔ "میرا نام ہنری ہے۔" معاف کرنا ہیے کیا میں آپ کا نام دریافت کر سکتا ہوں؟"

نازنین دوشیزہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ "کیوں نہیں۔"

ہنری تو بتائیے۔

نازنین نے شرارت سے کہا۔ "کیا؟"

ہنری۔ اپنا نام۔

نازنین۔ میرا نام مرتھا ہے۔

ہنری۔ آپ شاید اس ملک کی رہنے والی نہیں۔

نازنین۔ نہیں۔

ہنری۔ کہاں وطن ہے؟

نازنین۔ ہنگری۔

ہنری۔ یہاں کب آئیں؟

نازنین۔ کوئی ایک ہفتہ ہوا۔

ہنری۔ کس لیے آنا ہوا؟

نازنین۔ محض سیر و تفریح کے لیے۔

ہنری۔ کیا تنہا۔؟

نازنین۔ نہیں میرا بھائی بھی میرے ساتھ آیا ہے۔

ہنری۔ وہ اس وقت آپ کے ساتھ نہیں آئے۔

نازنین۔ نہیں۔ بات یہ ہوئی کہ آج ہم دونوں ایک جگہ مدعو تھے۔ وہ پہلے چلے گئے۔ مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ میں اب جا رہی ہوں۔

ہنری۔ شاید تم اسٹیفن کے یہاں مدعو ہو۔

مرتھا۔ ہاں۔

ہنری۔ اسٹیفن کی بیٹی یقو بھی غضب کی حسین ہے۔

مرتھا نے مسکرا کر کہا۔ آپ نے اسے دیکھا ہے۔

ہنری۔ کئی مرتبہ۔ آپ نے بھی دیکھا ہے۔

مرتھا۔ ہاں کافی حسین ہے۔

ہنری۔ لیکن آپ سے کچھ کم ہی۔

مرتھا نے شوخی سے مسکرا کر کہا "شکریہ"۔

ہنری۔ آپ کے بھائی کا کیا نام ہے؟

مرتھا۔ ان کا نام کرلیس ہے۔

یہ دونوں باتوں میں کچھ ایسے مشغول ہوئے کہ یہ خبر ہی نہ رہی کہاں جانا ہے اور کہاں جا رہے ہیں۔ جب گاڑی اسٹیفن کے دروازہ پر جا کر رکی تب دونوں خبردار ہوئے مرتھا نے کہا۔ معاف کرنا۔ میں تو باتوں میں ایسی مشغول ہوئی کہ آپ سے یہ دریافت ہی نہ کیا کہ آپ کو کہاں پہنچایا جائے۔ کہاں جانا آپ کو۔

ہنری۔ کیا بتاؤں؟

مرتھا۔ بے تکلف بتا دیجیے۔ میں وہیں پہنچا دوں گی؟

ہنری۔ میں جہاں جانا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے وہاں نہ پہونچا سکیں گی۔

مرتھا۔ اطمینان رکھیے۔ میں ضرور پہنچا دوں گی۔

ہنری۔ بات یہ ہے کہ میں اس دعوت میں شریک ہونا چاہتا تھا جس میں آپ جا رہی ہیں۔ اس کا مجھے ابھی علم ہوا تھا۔ میں اس فکر میں تھا کہ کسی سے کارڈ حاصل کر کے شریک ہو جاؤں۔ خوش قسمتی سے آپ کی گاڑی کی زد میں آ گیا۔ کارڈ حاصل نہ کر سکا۔

مرتھا۔ اچھا تو میرے ساتھ چلیے۔

ہنری۔ کوئی روکے گا تو نہیں۔

مرتھا۔ اطمینان رکھیے۔ کوئی نہ روکے گا۔

ہنری۔ تو چلیے۔

ان سب سے پہلے بہت سی گاڑیاں آ کر جمع ہو گئی تھیں۔ ان میں سے مرد اور عورتیں جب اتر جاتے تھے۔ تب گاڑی آگے بڑھ جاتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد ان کا نمبر آیا۔ ان کی گاڑی بڑھ کر مکان کے دروازہ کے سامنے پہنچی۔ دونوں گاڑی سے اترے اور مکان کے اندر داخل ہوئے۔

باب ۴

حوروش بقو

جب یہ دونوں مکان کے اندر پہنچے تو کئی معزز لوگوں نے جن کے ساتھ کئی سن رسیدہ عورتیں بھی تھیں۔ ان کا استقبال کیا۔ ان میں سے ایک بوڑھی عورت نے جو بڑا ہی پُر تکلف لباس پہنے تھی اور کسی امیر گھرانہ کی خاتون معلوم ہوتی تھی۔ کہا "ہنگری کی حور کا آنا مبارک ہو"۔

مرتھا نے اس خاتون کو بڑی ادا کے ساتھ سلام کیا۔ وہاں جتنے مرد اور جتنی عورتیں تھیں سب اس کو گھور کر دیکھنے لگیں۔ کئی کنیزیں پرا باندھے ان استقبال کرنے والوں کے پیچھے کھڑی تھیں۔ ان میں سے دو آگے بڑھیں اور مرتھا اور ہنری کو ساتھ لے کر چلیں۔ وہ ایک پر فزا باغیچہ میں پہنچیں۔ یہاں مردوں اور عورتوں کا ہجوم سا لگا ہوا تھا۔ ہر سن و سال کے مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں نو عمر اور نوخیز۔ لڑکیاں نوجوانوں کے ساتھ گل گشت کر رہی تھیں۔ ایک سے ایک پر تکلف اور خوش نما لباس پہنے تھے۔ ہنری نے جو یہاں آکر اپنے لباس پر نظر ڈالی تو اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اس کا لباس معمولی قسم کا تھا۔ وہ بہت پچھتایا کہ کیوں نہ وہ بھی اچھا لباس پہن کر آیا۔ وہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ مرتھا نہایت اعلیٰ قسم کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ وہ اپنے معمولی لباس میں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے اس کا خدمت گار ہو۔ وہ اس کے ساتھ بڑھتے ہوئے جھجکا۔ مرتھا نے محسوس کر لیا۔ اس نے کہا۔ آپ جھجک کیوں رہے ہیں ہنری۔

ہنری۔ اس لیے کہ مجھ سے آج بڑی ہی حماقت ہوئی۔ مجھے پہلے ہی اس بات کا اندازہ کر لینا چاہیئے تھا۔ کہ اس دعوت میں امیر شریک ہو رہے ہیں۔ اور نمود و نمائش کے لیے ہر امیر اچھے سے اچھا لباس پہن کر آیا ہوگا۔ میں غلطی سے اپنا معمولی لباس پہنے ہوئے ہوں۔

مرتھا۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ بعض امیرزادے جو اپنے خیال میں نہایت اعلیٰ قسم کا لباس پہنے ہوئے ہیں کیسا برا، بدزیب اور بے تکا معلوم ہو رہا ہے۔ میرے خیال میں آپ کا لباس ان کے مقابلہ میں کچھ برا نہیں۔

ہنری۔ اب جیسا بھی ہے۔

مرتھا کو دیکھ کر تمام نوجوان اور سارے ادھیڑ اور بوڑھے اس کے قریب کھسک آئے۔ وہ مرجع خلائق ہو گئی۔ ہر شخص گرم گرم نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ بوڑھے ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگے۔ اب لوگ اس سے تعارف حاصل کرنے کے اس کی طرف ٹوٹ پڑے۔ کوئی مرد اپنی بیوی کو لے کر کوئی بہن کو لے کر، کوئی بیٹی کو لے کر اور کوئی آشنا کو لے کر چل پڑا۔ اور اس سے تعارف حاصل کرنے لگا۔

تمام عورتیں کٹیلی اور برق وش تھیں۔ ان سب کے وہاں جمع ہو جانے سے وہ جگہ جلوہ گاہ حسن ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں گھنٹی ہوئی۔ مردوں اور عورتوں کا سیلاب ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ باجوں کی ہلکی ہلکی خوش آئندہ آواز آنے لگی۔ مرتھا اور ہنری بھی قدم اٹھا کر چلے۔ یہ سب ایک اسٹیج میں داخل ہوئے۔ ایک بڑا کمرہ اسٹیج کے طور پر آراستہ کیا گیا تھا۔ فرش پر تختے بچھائے گئے تھے۔ در و دیوار پر خوش نما کپڑے منڈھے گئے تھے۔ چھت گیری گہرے آسمانی رنگ کے کپڑے کی تھی۔ اس میں جھاڑ فانوس اس کثرت سے لگائے گئے تھے کہ ساری چھت ہی ڈھک گئی تھی۔ چونکہ اس کمرہ میں اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اس لیے روشنی کر دی گئی تھی۔ سارا کمرہ اس قدر جگمگانے لگا تھا۔ جیسے دن نکل آیا ہو۔ روشنی میں عورتوں کے ریشمی لباس اور سونے اور جواہرات کے زیورات اس قدر چمک رہے تھے کہ آنکھیں جھپکی جاتی تھیں۔

نہایت روح نواز باجہ بج رہا تھا۔ لوگ آ آکر کرسیوں پر بیٹھنے لگے۔ اس کمرہ میں اسٹیج کا تھوڑا سا حصہ الگ کر کے اس پر ایک بڑا پردہ لٹکا ہوا تھا۔ سب مردوں، عورتوں اور بچوں کے رخ اس پردہ کی طرف تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پردہ از خود سمٹ کر اٹھنے لگا۔ اور ہلکے آواز سے چاندی کی گھنٹی بجنے لگی۔ جب سارا پردہ اٹھ گیا تو باجہ کی لے بدل گئی۔ اور بھی روح پرور راگ بجانے لگا۔ چند ہی لمحے بعد دو طرف سے پانچ پانچ لڑکیاں نہایت

عمدہ لباس اور پیروں میں گھونگرو پہنے ہوئے باجہ کی تان پر پیر بارتی نمودار ہوئیں۔ جب دونوں طرف کے گروہ مل گئے۔ تو انھوں نے ہلالی دائرہ قائم کر لیا اور نہایت پھرتی سے ناچنا شروع کیا۔ ان کے پیر اس تیزی سے چل رہے تھے۔ اور گھونگروں کی آواز اس باقاعدگی سے بلند ہو رہی تھی جیسے پتلیاں مشین کے ذریعہ حرکت کر رہی ہوں۔ لوگ ہتھیلیاں بجانے اور واہ واہ کے نعرے لگانے لگے۔ تھوڑی دیر میں یہ لڑکیاں جس طرف سے آئی تھیں۔ اسی طرف واپس لوٹ گئیں۔

اب ایک مرد اور ایک عورت نمبروار اسٹیج پر آئے اور ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کر ناچنے لگے۔ ناچ کیا تھا۔ بغلگیری کا مظاہرہ تھا۔ بوڑھے بوڑھے مرد اور بوڑھی بوڑھی عورتیں بھی اسٹیج پر آ کر ناچے۔ عیسائی دنیا میں ناچنا گانا نہ پہلے معیوب تھا۔ نہ اب برا ہے۔ بلکہ طرۂ امتیاز ہے۔ وہ مرد اور عورتیں جو ناچنا گانا نہیں جانتے، تحقیر کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ یہ وبا ہندوستان میں بھی پھیلنے لگی ہے۔ غیر مسلم اقوام کے مرد تو نہیں ناچتے لیکن لڑکیوں کو گانا اور ناچنا ضرور سکھاتے ہیں۔ اور انہیں ناچ گانے میں ایسی مہارت کرادی جاتی ہے کہ پیشہ ور طوائفیں بھی دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہیں۔ سنا ہے اعلیٰ طبقہ کی لڑکیوں کی شادی اس وقت تک نہیں ہو سکتی۔ جب تک وہ ناچ گانے میں کمال حاصل نہ کر لیں۔ ہم نے تاریخیں پڑھی ہیں۔ تاریخ کا کوئی دور ایسا نظر سے نہیں گزرا۔ جس میں پیشہ ور عورتوں کے علاوہ ذی عزت گھرانوں کی بہو بیٹیاں ناچنا گانا سیکھتی ہوں۔ بلکہ یہ چیزیں حد درجہ معیوب اور بے عزتی کی سمجھی جاتی تھیں۔ یورپین اقوام کی دیکھا دیکھی ہندوستان میں عیاشی بہت درجہ تک ترقی کر گئی ہے۔ ناچ گانے کی محفلیں گھر گھر جمنے لگی ہیں۔ جو لوگ جس قدر زیادہ انگریزی داں ہیں وہ اس قدر زیادہ بہک گئے ہیں۔ بڑے بڑے امراء اور حکام کی بیٹیاں نہایت اچھا ناچتی اور گاتی ہیں۔ بعض سکولوں اور کالجوں میں بھی گانا ناچنا باقاعدہ سکھایا جانا لگا ہے۔ ہمیں کئی ایسے ذی عزت اور امیر گھرانوں میں جانے کا اتفاق ہوا جن کی نسبت یہ خیال تھا کہ ان کی عورتیں اور لڑکیاں ستی ساوتری، سیتا اور پاربتی ہوں گی۔ لیکن افسوس کہ وہ سینما کے ایکٹرسوں کی طرح سیتا، سبیتا، وینا اور مولینا ثابت

ہوئیں۔ نہ ان کی آنکھوں میں وہ حیا تھی جو عصمت مآب لڑکیوں میں ہوتی ہے۔ نہ وہ لحاظ اور شرم تھی جو عورتوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس کے برعکس بڑی بے حجاب اور بیباک تھیں۔ بات بات پر ہنسنا اور قہقہے لگانا، فقرے کسنا، گنگنانا اور گانا، چلتے ہوئے اس انداز سے ٹھوکر لگانا جیسے ناچنے والی ہوں۔ ان کے شعار میں داخل تھا۔

بدبختی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ اونچے گھرانے کی بعض مسلم لڑکیاں بھی بہک چلی ہیں۔ باقاعدہ ناچنا اور گانا سیکھ رہی ہیں۔ خدا ہندوستانیوں کو ہدایت دے اور یہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ناچنے گانے سے نجات نہیں ہوتی۔ بلکہ دوزخ خریدی جاتی ہے۔ خدا کی ناخوشی مول لے جاتی ہے۔ خدا عبادت سے خوش ہوتا ہے۔ ناچنے گانے سے شیطان راضی رہتا ہے۔

دیر تک ایک ایک جوڑا آتا اور ناچتا رہا۔ اس کے بعد گانے کا دور ہوا۔ باجے کے سر پھر بدلے۔ روح پرور گیتیں شروع ہوئیں۔ اوّل کئی سیمتن لڑکیاں آ کر گائیں۔ ان کے بعد ایک ایک ماہ پیکر آنے اور گانے لگی۔ ابھی گانا ہو ہی رہا تھا کہ دفعتاً بڑا گھنٹہ بجا۔ لوگ اسٹیج سے جوق در جوق نکلنے لگے۔ اسی وقت دن چھپ گیا تھا۔ اور تمام محل میں اس کثرت سے روشنی ہوگئی تھی کہ دن سا نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ روشنی میں عورتوں کے لباس، زیورات اور چہرے چمکنے لگے۔ یہ سب ایک ہال میں جا کر جمع ہوئے۔ اس میں قرینے سے کرسیاں پڑی تھیں۔ یہ سب ایک کرسیوں کے سامنے میزیں تھیں۔ میزوں پر سفید دسترخوان پڑے تھے۔ ان پر چاندی کے برتنوں میں کھانا چنا ہوا تھا۔ عورتیں اور مرد ملے جلے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ صدر میں چند کرسیاں چاندی کی تھیں۔ ان میں سے ایک پر اسٹیفن بیٹھا تھا۔ ایک پر اس کی بیوی بیٹھی تھی اور ایک پر اس کی پری چہرہ بیٹی ٹیفو بیٹھی تھی۔

ٹیفو حقیقت میں بے حد خوبصورت تھی۔ چہرہ گول اور روشن تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی آم پھانک کی طرح تھیں۔ پتلیاں نیلگوں تھیں۔ ان پر مژگان کی باڑہ پڑی تھی۔ بھویں سیاہ اور گھنی تھیں۔ آنکھوں میں ایسی تیز چمک تھی کہ دیکھنے والا مسحور ہو جاتا تھا۔ ناک نہایت موزوں تھی۔ دانت بھرے بھرے اور موتیوں کی طرح شفاف تھے۔ تھوڑی مختصر سی بہت ہی خوبصورت تھی۔ غرض وہ رشک حور تھی۔ ایسا لباس پہنے تھی۔ جس میں ہیرے کی کنی ٹکی ہوئی تھی اور جو روشنی میں جھلملا رہا تھا۔ کانوں

میں گوشوارے تھے۔ جن میں لال جڑے ہوئے تھے۔ جو اس قدر چمک رہے تھے کہ آنکھیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا نہیں جاتا تھا۔ گلے میں جواہرات کا گلوبند تھا۔ سینہ کچھ کھلا ہوا تھا۔ روشنی میں وہ بھی چمک رہا تھا۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ کمرہ میں جس قدر مرد اور عورتیں تھیں سب ہی اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ وہ ماہ پارہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

پھر گھنٹی بجی اور نہایت سریلا باجہ بجنا شروع ہوا۔ سب نے کھانے پر ہاتھ بڑھایا چھری اور کانٹوں کی آوازیں آنے لگیں۔ کھانا کھایا جانے لگا۔ کبھی کبھی کوئی شوخ ادا ہنس پڑتی تھی۔ اور کبھی کبھی کوئی کسی کو چھیڑ دیتا تھا۔ نہایت بے حجابی اور بے تکلفی سے کھانا کھایا جا رہا۔ جب سب کھا چکے تو پھر گھنٹی بجی اور یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب مرد اب کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ ماہ پیکر بفو ان کے درمیان سے گزرنے والی تھی۔

مرتھا اور کئی اور حسین لڑکیاں اس کے پاس پہنچ گئیں۔ اور یہ سب ماہ پارہ خرام ناز سے چلیں۔ لوگوں کی نگاہیں ان پر جم گئیں۔ وہ بصد ناز اٹھلاتی ان کے پاس سے گزریں اور اس کمرہ سے باہر نکل گئیں۔ سب ان کے پیچھے چل پڑے۔ ایک دوسرے کمرہ میں جو بہت بڑا پڑا تھا پہنچے یہاں سب نے اپنے حسب حیثیت بفو کو تحائف پیش کیے۔ بفو شکریہ ادا کرتی جاتی تھی اور تحائف لے کر اپنی خادماؤں کو دیتی جاتی تھی۔ جب سب تحفے دے چکے تو اسٹیفن نے اعلان کیا کہ اس وقت پروگرام کے مطابق بفو کا ناچ اور گانا ہونا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اس کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ وہ ناچ گا نہ سکے گی۔ اس کی تلافی کل دن میں کر دی جائے گی۔ جو لوگ اس کا گانا سننے اور ناچ دیکھنے آئے تھے۔ انہیں بڑی مایوسی ہوئی۔ سب نے بفو کی درازی عمر کی دعا مانگی اور اجازت لے کر وہاں سے لوٹ پڑے۔ مرتھا اور ہنری بھی چلے۔ مرتھا نے ہنری سے پوچھا۔ کہیئے بفو کو کیسا پایا؟"

ہنری نے کہا۔ اب تو وہ ایسی لاجواب حسینہ ہو گئی ہے کہ وینس کی وہ دیوی جس کی پوجا کی جاتی تھی اس کے سامنے بے حقیقت ہو کر رہ گئی ہے۔ میں دعوٰی سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس وقت دنیا کی بے نظیر حسینہ ہے۔"

مرتھا مسکرائی۔ یہ دونوں محل سے باہر آئے۔ ہنری نے مرتھا کا شکریہ ادا کر کے ایک طرف

روانہ ہوا۔ اور مرتھا اپنے گھر کی طرف چلی۔ مہمانوں کی گاڑیوں کی روانگی کا تانتا لگ گیا۔

باب ۵

ڈاکو

بہت رات گئے تک مہمان رخصت ہوتے رہے۔ جب سب مہمان چلے گئے تو بفو جو حقیقت میں تھک گئی تھی۔ خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ وہ نہایت نازک اور دھان پان لڑکی تھی۔ بالکل چھوئی موئی کی طرح۔ اس کی کئی کنیزیں تھیں۔ اور سب صرف اسی کی خدمت کرتی تھیں۔ اس کی والدہ کی کنیزیں الگ تھیں۔ اسے کوئی کام نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اس روز بھی اس نے مطلق کوئی کام نہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ کسی کام کی ہدایت کنیزوں کو تک کو بھی نہیں کی تھی۔ اس کی والدہ سارے دن ہدایت اور نگرانی کی نگرانی کرتی رہی تھی۔ لیکن پھر بھی مہمانوں کی آمد کی وجہ سے اس کے معمولات میں فرق آ گیا تھا۔ اس کو آرام نہیں ملا تھا۔ اس لیے تھک گئی تھی۔ کنیزوں نے آ کر اس کے زیورات اتار کر تجوری میں رکھے اور ریشمی کپڑے اتار کر ڈھیلے اور سادہ شب خوابی کے کپڑے پہنا دیئے۔ یہ لباس سفید تھا۔ اس کا چہرہ بھی چنبیلی کے پھول کی طرح سفیدی لیے تھا۔ جس میں بھینی بھینی خوشبو خوشبو بھی تھی اور گلاب کے پھول کی سرخی بھی تھی۔ سفید لباس اس پر اور بھی پھوٹ پڑا۔ وہ سنگ مرمر کا مجسمہ معلوم ہونے لگی۔ ایسی دیوی کا بت جس کی وینس والے پرستش کرتے تھے۔ اب نہیں۔ اب سے بہت مدت پہلے۔

چونکہ رات زیادہ آ گئی تھی۔ اس لیے اس کی آنکھوں میں نیند گھلنے لگی تھی۔ ایک کنیز نے اس کی ناگن سی چوٹی کھول ڈالی اور بفو نے ہاتھ کا اشارہ کر کے سیاہی مائل بھورے بالوں کو اٹھا کا ندھوں اور کمر پر پھیلا دیا۔ ہزاروں سپو لیے سے ڈھک پڑے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر انگڑائی لی۔ یہ موج شباب یا مینائے حسن سینہ تن نے کی۔ وجہ نمایاں ہو کر برچھیاں سی چلانے لگے۔ اس کی آنکھیں نیند کے خمار سے اس شرابی سے مل گئیں۔ جس نے معمول سے زیادہ شراب پی لی ہو۔ وہ

لیٹ گئی۔ اور اس نے نرم تکیوں پر نازک سر رکھ لیا۔ کنیزیں شب بخیر کہہ کر رخصت ہو گئیں۔

اس روز تمام کنیزوں اور سارے ملازموں نے دن بھر بڑی محنت سے کام کیا تھا اس لیے وہ بھی تھک کر اس قدر چور ہو گئے تھے کہ ان کے ہاتھ پیر شل ہو کر رہ گئے تھے۔ ان میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ کسی چیز کو سنگوا دیتے۔ جو چیز جہاں اور جس حالت میں پڑی تھی وہیں پڑی رہ گئی۔ اسٹیفن، اس کی بیوی بھی خواب گاہ میں چلے گئے۔ نوکر اور کنیزیں اپنے اپنے کمروں میں گھس گئے۔ بستروں پر جا پڑے۔ اور پڑتے ہی مُردوں سے شرط باندھ کر سو گئے۔

اس وقت رات آدھی سے زیادہ آ گئی تھی۔ چاند کی آخری تاریخیں تھیں۔ پچھلی رات کو چاند نکلنے والا تھا۔ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اسٹیفن کے مکان کی وہ روشنی جو صحن میں یا باہر دروازہ پر تھی گل کر دی گئی تھی۔ یا تو کمروں میں روشنی ہو رہی تھی یا ایک بڑا لیمپ دروازہ میں چل رہا تھا۔ دروازہ کے اندر رخ جو کواڑ تھے۔ ان میں زنجیر لگ گئی تھی۔ باہر چند پہرہ دار تھے مگر اس وقت وہ بھی سو گئے تھے۔ رات کا قدرتی سناٹا ہر طرف چھایا ہوا تھا تمام شہر شہر خموشاں بن گیا تھا۔

آدھی رات کے بعد دو آدمی اسٹیفن کے مکان کے سامنے آ کر اندھیرے میں ٹھٹکے۔ ایک نے کہا "پہرہ دار سو رہے ہیں"۔

دوسرا موٹا آدمی تھا۔ اس نے کہا "میرا پہلے ہی یہ خیال تھا کہ نہ صرف پہریدار بلکہ سارے ملازم غافل پڑے سو رہے ہوں گے۔ اگر ہم نے ہوشیاری سے کام کیا تو آج پو بارہ ہیں۔ اسٹیفن بڑا امیر آدمی ہے۔ یقین ہے ذرا سی کوشش سے اتنی دولت مل جائے گی جتنی کبھی ڈاکے ڈالنے پر بھی حاصل نہ ہوتی"۔ پہلا۔ کیا سب آدمیوں کو بلا لوں"۔؟

موٹا آدمی۔ فوراً بلا لو۔ کہہ دو نہایت آہستگی اور احتیاط سے آئیں۔

موٹا آدمی وہیں ٹھہر گیا۔ پہلا آدمی چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ آیا۔ اس کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے۔ اور آنکھوں کے پاس جن میں سرخ کپڑا لگا ہوا تھا اور اس سرخ کپڑے میں دیکھنے کے لیے روزن کھلے ہوئے تھے۔ وہ اس لباس اور اس نقاب میں نہایت ہی خوفناک معلوم ہونے لگے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا "مگر محل کے اندر داخلہ کس طرح ہو گا۔"

موٹا آدمی ان کا افسر تھا۔ اس نے کہا "تم سب یہیں اندھیرے میں کھڑے رہو۔ میں چل کر

دیکھتا ہوں"۔

سب وہیں کھڑے ہو گئے۔ افسر آگے بڑھا۔ وہ روشنی سے بچتا ہوا دروازہ کے قریب آیا۔ اس نے کان لگا کر آہٹ سنی۔ سوائے خراٹوں کے اور کوئی آواز نہیں آئی۔ اس نے بھی سیاہ لبادہ پہن لیا تھا۔ سرخ آنکھوں والا سیاہ نقاب چہرہ پر ڈال لیا تھا۔ وہ بھی بڑا خوفناک معلوم ہونے لگا تھا۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ پہرے دار غافل پڑے سو رہے تھے۔ وہ دبے قدموں اندر داخل ہوا۔ یہ بڑی جرأت کا کام تھا۔ کئی پہرے دار ننگی تلواریں پاس رکھے سو رہے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی ہوشیار یا بیدار ہو جاتا۔ تو اس بحری افسر کا قیمہ کر ڈالتا۔ لیکن وہ بڑا دلیر تھا۔ بڑھا اور بڑھ کر اندرونی پھاٹک پر پہنچا۔ اس نے ٹٹول کر دیکھا۔ دوسری طرف سے زنجیر لگی ہوئی تھی۔ وہ ناامید ہو کر واپس لوٹا اور اپنے آدمیوں کے پاس آیا۔ چند آدمیوں نے اس سے دریافت کیا۔ "کہیئے کیا رہا"۔

افسر نے کہا "کم بختوں نے دروازہ اندر سے بند کر رکھا ہے"۔

ایک۔ پھر کیا واپس چلیں۔؟

افسر: نہیں میرا نام ڈریسن ہے۔ میں جس کام کو شروع کرتا ہوں۔ اسے ادھورا نہیں چھوڑا کرتا۔

دوسرا۔ پھر کیا تدبیر سوچی ہے؟

ڈریسن۔ ذرا صبر کرو۔

وہ کچھ سوچنے لگا۔

باب ۶

حیرت ناک کام

تھوڑی دیر میں اس نے کہا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ اگر ہم کسی طرح مکان کے اندر پہنچ جائیں تو بھاری دولت ہمیں مل جائے گی"۔

ایک شخص نے کہا۔ "تخیلات پر امیدوں کی دنیا قائم نہ کیجیے۔ یہ مانا کہ مکان کے اندر ہماری
دولت ہے۔ اور وہ ہمارا انتظار کر رہی ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ مکان کے اندر پہنچیں کیسے؟"

ڈریلین: میں یہی سوچ رہا ہوں۔

دوسرا: تو جلدی سوچیے نا بیش قیمت وقت گزرتا جا رہا ہے۔

ڈریلین: بہت غور کیا۔ ابھی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں ذرا بڑھ کر پھر
دیکھوں۔"

ڈریلین چلا گیا۔ یہ لوگ اندھیرے میں کھڑے انتظار کرنے لگے۔ ابھی کچھ لوگ دیر نہیں
ہوئی تھی کہ سیٹی کی آواز آئی۔ ایک شخص نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ پولیس
والے آ رہے ہیں۔"

دوسرا شخص بولا۔ تم فضول بولے۔ کون نہیں جانتا کہ یہ سیٹی پولیس والوں کی ہے۔ خاموش
رہنا چاہیئے تھا یا نہیں۔"

پہلا۔ میں نے اس لیے متنبہ کیا تھا۔ تاکہ ان کی نظروں سے بچنے کی سبیل کر لی جائے۔"

دوسرا: نہیں تمہاری عادت بے کار بولنے کی ہے۔

ایک تیسرا شخص بولا۔ چپ رہو اور دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔" یہ لوگ سڑک
کے کنارے پر کھڑے تھے۔ اس سے ذرا فاصلہ پر ایک مکان تھا۔ یہ لوگ وہاں سے کھسک کر
مکان کے سایہ میں چلے گئے۔ اور دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ پولیس والے آئے اور
سیٹیاں بجاتے ہوئے ان کے سامنے سے نکلے چلے گئے۔ جب وہ کچھ دور چلے گئے تو یہ سب
بڑھ کر پھر اسی جگہ آ کھڑے ہوئے جہاں پہلے کھڑے تھے۔ ان کے اس جگہ آتے ہی ڈریلین بھی
آ گیا۔ اس نے پوچھا۔ "خیریت رہی۔"

ایک شخص نے جواب دیا۔ "ہاں خیریت رہی۔ ہم سامنے والے مکان کے سایہ میں جا
کر دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے تھے۔"

ڈریلین: تم نے ٹھیک تدبیر کی۔ میں تو ڈر گیا تھا کہ تم ٹھہرے اجڈ سپاہی کہیں پولیس والوں
سے نہ الجھ پڑو۔ اس بات کو خوب یاد رکھو کہ تم بحری ڈاکو ہو۔ تم سے کوئی بھی حکومت اور سلطنت

خوش نہیں ہے۔ یہ خدا کے بیٹے کا احسان ہے کہ اس وقت عیسائیوں میں کوئی سلطنت ایسی
نہیں ہے۔ جس کے پاس بحری بیڑہ ہو۔ جو تمہارے بیڑہ کا مقابلہ کر سکے۔ البتہ کمبخت مسلمانوں
کی حکومت سلطنت عثمانیہ ضرور ہم سے قوی ہے۔ ہم صرف ترکوں سے ڈرتے ہیں لیکن پھر بھی
یہاں بھی تمہیں احتیاط کرنی چاہیئے۔ کیونکہ تم سمندر میں نہیں ہو۔ خشکی پر ہو۔ یہاں ان کی حکومت
ہے جنہیں تم لوٹا کرتے ہو۔ افسوس اس وقت مجھے تقریر کرنے کی ضرورت پیش آ گئی جنہیں
اس لیے کہ کہیں تم کسی اور وقت کسی اور ملک میں وہاں کی پولیس سے دست و گریبان نہ ہو جاؤ۔

سب نے کہا "ہم احتیاط رکھتے ہیں اور آئندہ بھی احتیاط رکھیں گے۔"

ایک نے دریافت کیا۔ "کہیئے کوئی تدبیر ذہن میں آئی۔"

ڈریلین: صرف ایک تدبیر ہو سکتی ہے۔

وہی شخص: کیا؟

ڈریلین: پہلے یہ بتاؤ ریشمی رسے لائے ہو۔

ایک اور شخص بولا "جی ہاں! چار رسیاں موجود ہیں۔"

ڈریلین: کچھ مضبوط نہیں۔

وہی: جی ہاں! اس قدر مضبوط ہیں کہ ہاتھی باندھا جا سکتا ہے۔

ڈریلین: تب سنو! اسٹیفن کے مکان کی پشت پر ایک اونچا درخت کھڑا ہے۔ اس
کے گدّے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اندھیرے میں یہ تو معلوم نہیں ہوا کہ وہ درخت ہے کیا۔
لیکن پیڑ سے پتہ چلتا ہے۔ کوئی دودھیا قسم کا ہے۔ مضبوط ہے۔ اس درخت کے سامنے ایک
دریچہ ہے۔ اگر کسی طرح اس دریچہ میں ہم میں سے کوئی پہنچ جائے تو سب کام بن جائے۔

ایک ڈاکو: درخت سے دریچہ تک فاصلہ کتنا ہے؟

ڈریلین: دس بارہ گز کا ہوگا۔

دوسرا ڈاکو: مگر درخت سے دریچہ تک کیسے پہنچا جائے؟

ڈریلین: میرے ساتھ آؤ۔ تدبیر میں بتاؤں گا۔

سب ڈریلین کے ساتھ ہو لیے۔ مکان کے قریب جا کر ایک گلی میں گھسے اور دوسری

طرف جب پہنچے تو وہاں ایک میدان تھا۔ اس میدان میں ایک درخت کھڑا تھا۔ ڈرلین رسی لے کر درخت کے نیچے پہنچا۔ سب نے درخت کو اور سامنے والے دریچہ کو دیکھا۔ جس کمرہ میں وہ دریچہ تھا۔ اس میں روشنی ہو رہی تھی۔ روشنی کی وجہ سے دریچہ نظر آ رہا تھا۔ لوگوں نے قیاس آرائی کی مگر کوئی بات دریچہ تک پہنچنے کی سمجھ میں نہ آئی۔ سب نے ڈرلین سے کہا۔ "ہم نے دیکھ لیا دریچہ بہت بلندی پر ہے۔ وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے۔"

ڈرلین :۔ ناممکن ابھی ممکن ہو جائے گا۔

وہ خود رسیاں لے کر درخت پر چڑھ گیا۔ اور سب سے اونچے گدے میں رسی مضبوط باندھ کر اس کے ذریعہ پھسل آیا۔ اس نے اس میں جھونٹا بنایا اور کہا۔ اب اس کے ذریعہ سے جھولو اور دریچہ میں پہنچ جاؤ۔

ایک دبلا پتلا اور پھرتیلا جوان آگے بڑھا۔ اس نے کہا۔ میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ جھونٹے میں کھڑا ہو گیا۔ ڈرلین نے دو رسیاں اس کی کمر سے لپیٹ دیں۔ اور کہا۔ جب تم دریچہ میں پہنچ جاؤ تو اس کی سلاخوں میں یہ رسیاں باندھ کر لٹکا دینا۔ ہم سب ہی تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔"

اب اس شخص نے پینگیں بڑھانی شروع کی۔ اس زور سے جھونٹے بڑھائے کہ دریچہ کے برابر آنے جانے لگا۔ اس نے یہ دیکھ کر کیا کہ دریچہ میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔ اگر وہ دریچہ میں پھاند کر سلاخوں کو پکڑ لے تو کام بن جائے۔ انسان کی قوت ارادی زبردست طاقت ہے اس آدمی نے ایک مرتبہ دریچہ کے پاس پہنچ کر جھونٹا چھوڑ دیا اور سلاخ پر ہاتھ مارا۔ حسن اتفاق سے ایک سلاخ ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے پکڑ لیا۔ لیکن جھٹکا لگنے سے وہ پھسلنے۔ اگر وہ پھسل کر نیچے گر پڑتا۔ تو اس کی ہڈی پسلی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ لیکن وہ جلدی سے سنبھل گیا اور جھٹ دوسرے ہاتھ سے ایک اور سلاخ پکڑ کر پوری قوت سے اوپر ابھرا اور دریچہ میں جا بیٹھا۔ اس نے دریچہ میں سے اندر کمرہ میں جھانک کر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ اس نے خنجر کمر سے نکال کر دریچہ کے برابر میں سے اینٹیں نکالنی شروع کیں۔ اور بہت جلد اتنا بڑا سوراخ کر لیا۔ جس میں سے ایک کیا دو آدمی آسانی سے گزر سکیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے

اپنی کمر سے رسیاں کھولیں اور ایک اس دریچہ میں باندھ کر نیچے لٹکا دی اور دوسری رسی جو سوراخ کیا تھا۔ اس میں سے کمرہ کے اندر ڈال دی۔

باب

وینس کی چور ڈاکوؤں کے قبضہ میں

ڈرلین نے جب جھونٹا خالی آتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ اس کا بہادر سپاہی دریچہ میں پہنچ گیا وہ سب آدمیوں کی جمعیت لے کر عین دریچہ کے نیچے جا کر کھڑا ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں اوپر سے ایک اینٹ آ کر ایک سپاہی کے لگی۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ فوراً ہی دوسری اور پھر تیسری اینٹ آئی۔ ڈرلین نے کہا۔ "کم بخت کیا کرنے لگا ہے یہ۔ یہاں سے دور ہٹ جاؤ۔"

سب وہاں سے ہٹ گئے اور چلتے ہوئے اس شخص کو بھی کھینچتے ہوئے لے گئے۔ جس کے سر پر اینٹ لگی تھی۔ یہ سب وہاں سے ہٹ کر چند قدم کے فاصلہ پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ اینٹوں کے گرنے کی ہلکی آوازیں آتی رہیں۔ جب کچھ وقفہ کے بعد آوازیں بند ہو گئیں تب ڈرلین نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے۔ اب اس نے اینٹیں گرانی بند کر دی ہیں۔ اب چلیں دیکھیں اس نے رسی لٹکائی یا نہیں۔

مگر کسی وہاں جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ خوف رہا کہ کہیں کوئی اینٹ ادھر سے نہ آ پڑے۔ ڈرلین خود ہی چلا۔ اس نے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیے۔ جب دریچہ کے نیچے پہنچا تو ٹٹولنے لگا۔ اتفاق سے رسی اس کے ہاتھ میں آ گئی جسے اوپر والا شخص جھٹکے دے کر اوپر چڑھ آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ ڈرلین نے سب کو اپنے پاس بلایا۔ اور سب سے پہلے خود چڑھا۔ جب وہ دریچہ کے پاس پہنچا تو اوپر والے شخص نے آہستہ سے کہا۔ میں نے سوراخ کر دیا ہے۔ اس میں داخل ہو کر نیچے اتر جاؤ۔"

ڈرلین نے اول کمرہ کے اندر جھانکا۔ پھر سوراخ دیکھا اور کہا۔ "تم نے بڑی عقلمندی

کی۔ میں ایسے لوگوں سے بہت خوش ہوتا ہوں۔ تمہیں دوہرا حصہ ملے گا۔" وہ رسی کا سہارا لے کر سوراخ میں داخل ہوا۔ اور رسی کے سہارے سے نیچے اتر گیا۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے سب ڈاکو اوپر پہنچے اور سوراخ میں سے نیچے کمرہ میں اترتے رہے۔ یہاں تک کہ سب کے بعد وہ شخص جو سب سے پہلے چڑھا تھا۔ کمرہ میں اترا۔

یہ کمرہ جس میں یہ سب لوگ پہنچ کر جمع ہو گئے تھے۔ کچھ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ انھوں نے اس کا جائزہ لے کر دیکھا۔ وہ سنگارخانہ تھا۔ کنگھے، کنگھیاں تیل اور دوسری بے شمار آئینوں کی الماریوں میں قرینے سے لگی ہوئی تھیں۔ یہ سب اس کمرہ سے باہر نکلے اور وہاں سے برآمدہ میں ہو کر اس بڑے کمرہ میں پہنچے جس میں مہمانوں نے کھانا کھایا تھا۔ اس کمرہ میں بھی روشنی ہو رہی تھی اور روشنی میں چاندی کے برتن چمک رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر تمام ڈاکوؤں اور ڈرلین کے منہ میں پانی بھر آیا۔ ڈرلین نے کہا۔ قسمت مہربان معلوم ہوتی ہے۔ کس قدر قیمتی برتن پھیلے ہوئے ہیں۔ انہیں سب کو جمع کر کے باندھ لو۔"

سب پٹ گئے۔ انھوں نے دم کے دم میں سب برتن ایک جگہ جمع کر کے باندھ لیئے اور اس گٹھڑی کو اٹھا کر برآمدہ میں رکھ آئے۔ وہاں سے انہوں نے اور کمروں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ایک کمرہ میں ایک تجوری رکھی ملی۔ انھوں نے اس کا تالا توڑ ڈالا۔ اس کے اندر سے چند سونے کے زیورات اور کچھ دستاویزات تھیں۔ ان میں بعض بیعنامے تھے۔ بعض رہن نامے اور بعض تمسکات انھوں نے ان دستاویزوں کو جوں کا توں رہنے دیا۔ وہاں سے وہ اور کمروں میں گشت کرنے لگے۔ کئی جگہوں سے انہیں کافی نقدی ملی۔ پھرتے پھراتے وہ اس کمرہ میں پہنچے جس میں حور دش لفو ریشمیں گدوں پر پڑی سو رہی تھی۔

اس کمرہ میں کئی ہانڈیاں روشن تھیں۔ ان کی تیز روشنی سے کمرہ میں دن کا سماں نظر آ رہا تھا۔ لفو چت پڑی تھی۔ جوانی کا عالم تھا۔ بے فکری کی نیند عجیب انداز سے پڑی تھی۔ منہ کھلا ہوا تھا۔ روشنی میں اس کا چہرہ چاند سے زیادہ چمک رہا تھا۔ ڈرلین نے دیکھا پہلی ہی نظر میں وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ اور جس کسی نے بھی دیکھا۔ وہ ہی فریفتہ ہو گیا۔ ڈرلین نے کہا۔ "دوستو! [illegible] ری نادر کو اڑا لے چلو۔"

اس شخص نے جو چھوتے کے ذریعہ سے دریچہ میں پہنچا تھا کہا۔ ایسی غلطی نہ کرو۔ یہ خوبصورت حور کہیں ہماری تباہی کا باعث نہ بن جائے۔؟

ڈرلین:۔ کچھ ہو۔ میں اسے یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔

وہی شخص:۔ لیکن ہم اسے کیسے لے جا سکتے ہیں؟

ڈرلین:۔ ایک چھوٹی سی لڑکی کو لے جانا کیا مشکل ہے۔

وہی شخص:۔ اگر یہ جاگ گئی۔

ڈرلین:۔ اس کے جاگنے سے پہلے اس کے چہرہ پر بے ہوش کر دینے والا رومال ڈال دو۔

اس وقت لفو نے کروٹ لے لی۔ فوراً ہی اس نے دوسری کروٹ بدلی اور پھر جلدی ہی چت ہو گئی۔ اس کروٹیں بدلنے میں اس کی شال سینہ سے ڈھلک گئی اور اس کا تابناک سینہ نظر آنے لگا۔ ڈرلین اور بھی بے قرار ہو گیا۔ وہ رومال ہاتھ میں لے کر جلدی سے آگے بڑھا۔ اتفاق سے اس کا پیر کہیں الجھ گیا۔ وہ مسہری پر گرا۔ جھٹکا لگتے ہی لفو کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے بڑی بڑی آنکھیں کھول کر دیکھا۔ قبل اس کے کہ وہ معاملہ کی نوعیت سمجھے۔ ڈرلین نے اس کے منہ پر رومال ڈال دیا۔ ایک تو وہ نیند میں تھی ہی دوسرے رومال نے اثر کیا۔ وہ پھر غافل ہو گئی۔ ڈرلین نے رومال کھینچ لیا اور اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ کوئی ایک شخص اسے اپنے کندھے پر اٹھا لے۔"

کئی آدمیوں نے کہا۔ "ابھی جلدی کیا ہے۔ پہلے نقدی اور زیورات تو اور ٹٹول لو۔"

ڈرلین:۔ نہیں۔ اب کچھ نہ ٹٹولو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جاگ ہو جائے اور ہمیں جلدی میں اس در بے بہا کو چھوڑ کے جانا پڑے۔ جلدی اسے اٹھاؤ۔

ایک مضبوط اور توانا شخص نے لفو[1] کو دودھ پیتے بچے کی طرح اٹھا کر کندھے سے لگا لیا۔ یہ سب باہر نکلے۔ اور مال و اسباب کی گٹھڑیاں اٹھا کر نہایت آہستگی سے ساتھ وہاں سے چلے۔ دروازہ پر آئے۔ ڈرلین نے بڑھ کر زنجیر کھولی۔ بڑی احتیاط سے ایک کیواڑ کچھ کھولا۔ جھانک کر دیکھا۔ پہرے دار غافل پڑے سو رہے تھے۔ اس نے پیچھے ہٹ کر آہستہ سے کہا۔

---

[1] از تاریخ آل عثمان حصہ اوّل۔

پنجوں کے بل اس طرح چلو کہ بالکل قدموں کی چاپ نہ ہو۔"

اول ڈرلین پنجوں پر چلا۔ پھر سب اس کے ہمراہی چلے اور بخیریت مکان سے باہر نکل آئے۔ محافظ سوتے کے سوتے رہ گئے۔ باہر آتے ہی وہ اندھیرے میں ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔

باب ۸

ڈاکوؤں کا ہراس

ڈرلین حور جمال یعقوب کو لے کر چلا۔ اس کے ساتھیوں میں سے ایک دیدبانوں کے طور پر آگے ہو گیا۔ ایک پیچھے ہو گیا۔ باقیوں میں سے ایک نے یعقوب کو کندھے سے لگا رکھا تھا۔ اور باقی لوگوں نے لوٹ کے مال کی گٹھڑیاں سروں پر اٹھا رکھی تھیں۔ ڈرلین یعقوب کے قریب تھا۔ یہ سب نہایت احتیاط اور آہستگی سے چل رہے تھے۔ چونکہ یہ شہر کے بیچ میں سے گزر رہے تھے۔ اس لیے ابھی انہیں پولیس کے سپاہیوں کا خوف تھا۔ لیکن یہ تھا کہ سپاہی ان پر اچانک حملہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وینس کی پولیس کا یہ قاعدہ تھا کہ سپاہی سیٹیاں بجاتے ہوئے گشت کیا کرتے تھے۔ سیٹیوں کی آوازیں سن کر چور، اچکے اور دوسرے بدمعاش ادھر ادھر ہو جاتے یا چھپ ہو جاتے۔ اور جب سپاہی آگے بڑھ جاتے تو وہ اپنے کام میں پھر مصروف ہو جاتے۔

پھر بھی ڈرلین کو یہ اندیشہ ضرور تھا۔ کہ کہیں سپاہیوں کا مقابلہ اچانک نہ ہو جائے۔ اس لیے وہ اندھیری رات ہونے پر بھی مکانوں کے سایہ میں چل رہے تھے۔ جہاں مکان نہ ہوتے تھے وہاں تیزی سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ وہ ساحل سمندر کی طرف چلے جا رہے تھے جب کہ وہ ایک گھوم پر پہنچے۔ دفعتاً انھوں نے سیٹی کی آواز سنی۔ ڈرلین نے کہا "یہ کم بخت پولیس والا کہاں آمرا۔ تنہا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

جو شخص یعقوب کو لیے جا رہا تھا۔ اس نے کہا "یہیں چھپ جاؤ۔"

ڈرلین: غلطی نہ کرو۔ یہاں چھپنے کی جگہ کہاں ہے۔ ڈرلین نے گھبرا کر کہا۔ غضب ہو گیا۔

پولیس والا پاس ہی آ پہنچا۔ ایک کام کرو۔ سڑک کے کنارے بیٹھ جاؤ۔ یعقوب کو لبادہ میں چھپا لو۔ حرکت بالکل نہ کرو۔ البتہ پولیس والے کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنا۔ اگر وہ آگے بڑھتا رہے تو اس سے کچھ نہ بولنا۔ ہماری طرف آئے تو جھپٹ کر اس کا ٹینٹوا پکڑ لینا۔"

یہ بحری ڈاکو جلدی سے سڑک کے ایک کنارہ پر ایک دوسرے سے ذرا فاصلہ پر بیٹھ گئے۔ ایک تو اندھیرا تھا۔ دوسرے وہ سیاہ لبادے پہنے تھے۔ رات کی تاریکی میں گھل مل گئے۔ ان کے بیٹھتے ہی چوکیدار نمودار ہوا۔ وہ بغیر ادھر ادھر دیکھے، سیٹیاں بجاتا ان کے قریب سے نکلا چلا گیا۔ جب وہ ذرا فاصلہ پر پہنچ گیا تو یہ لوگ اٹھ کر پھر چل پڑے۔

اس شہر کے کئی دروازے تھے اور ہر دروازے پر پولیس کی چوکی تھی۔ اس لیے کسی دروازے سے ان کا باہر نکل جانا دشوار تھا۔ انھوں نے ایک نالہ کی پٹڑی پر چلنا شروع کیا۔ یہ نالہ ذرا چوڑا تھا شہر کا گندہ پانی اس میں بہتا رہتا تھا۔ کچھ دور چل کر پٹڑی ختم ہو گئی۔ غریب آدمیوں کے مکانوں کی دیواریں دونوں پٹڑیوں پر آ گئی تھیں۔ یہ سب نالے میں اتر گئے اور کچھ دور چل کر شہر سے باہر نکل آئے۔ باہر آتے ہی کنارہ پر چڑھ آئے۔ ڈرلین نے کہا "حضرت مسیح کا احسان ہے ہم کامیاب واپس آئے۔"

سب نے کہا۔ بے شک خداوند کا احسان ہے۔"

ڈرلین: صبح قریب معلوم ہوتی ہے ستارے پوری آب و تاب سے جگمگانے لگے ہیں۔ میرا یہ تجربہ ہے کہ جس طرح چراغ کی لو تیل ختم ہونے پر اچانک تیز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح صبح ہونے سے پہلے ستارے زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔"

ایک شخص نے کہا "مجھے تو صبح کی خوشبو آ رہی ہے۔"

ایک دوسرے شخص نے قہقہہ لگا کر کہا "صبح کی خوشبو آج ہی سنی۔"

پہلے نے بگڑ کر کہا "تم کیا جانو۔ صبح کے وقت کچھ عجب قسم کی ہلکی ہلکی خوشبو آنے لگتی ہے۔ نازک مزاج لوگ اسے پہچانتے ہیں۔"

دوسرا۔ خوب۔

ڈرلین: جھگڑا نہ کرو۔ یہ ممکن ہے۔ اس لیے کہ صبح کے قریب پھول کھل جاتے ہیں۔ اور ان

کی خوشبو نسیم سحری پھیلا دیتی ہے۔ ساحل قریب آتا جا رہا تھا۔ چونکہ اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا۔ اس لیے یہ لوگ اطمینان سے چلتے رہے۔ تھوڑی ہی دیر میں صبح صادق کے آثار ظاہر ہوئے۔۔۔ مشرق کی طرف سے روشنی پھیلنے لگی۔ رات کا سیاہ تاب پردہ اٹھنے لگا۔ تارے جھلملانے لگے۔ یہ لوگ اور تیزی سے چلے۔ کیونکہ وہ صبح ہونے سے پہلے سمندر کے کناروں پر پہنچ جانا چاہتے تھے۔

وینس میں کافی سردی ہوتی ہے۔ صبح کے وقت سردی اور بڑھ جاتی ہے اور ساحل سمندر کے قریب تو اور بھی سخت ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ سمندر کے کنارے کے قریب پہنچ گئے تھے اس لیے یہ سردی سے اکڑے جاتے تھے۔ ڈرلین نے لفو کو اپنا دوسرا لبادہ بھی اوڑھا دیا تھا۔ جس وقت یہ سمندر کے کنارہ پر پہنچے تو صبح ہو گئی تھی۔ روشنی پھیل گئی تھی۔ اس وقت لفو کچھ کھجلائی۔ ٹھنڈی ہوا نے خوشبو کا کام دیا۔ اس کی بیہوشی دور ہونے لگی۔ اس نے نادانستگی میں چہرہ سے لبادہ اٹھا دیا۔ صبح کی دلفریب روشنی میں اس کا چہرہ بہت ہی بھلا اور پیارا معلوم ہونے لگا۔ ڈرلین ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگا۔ لفو کے خشک ہونٹ اور بھی دلفریب معلوم ہو رہے تھے۔

جب یہ ساحل پر پہنچے تو ایک کشتی ملی۔ یہ ان ہی لوگوں کی کشتی تھی۔ وہ جلدی سے اس میں بیٹھ گئے۔ رسہ جس سے کشتی بندھی ہوئی تھی۔ کھول کر کشتی میں رکھ لیا اور دو شخصوں نے چپو سے چلانا شروع کیا۔ کنارہ سے کچھ فاصلہ پر ایک جہاز کھڑا تھا۔ اچھا خاصا جہاز تھا۔ اس کے بادبان کھلے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے روانگی پر تیار ہو۔ اس پر وینس کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ کشتی جہاز کے قریب پہنچی۔ ایک کشتی میں جہاز سے لٹکائی گئی۔ اور یہ سب مال و اسباب اور لفو کو لے کر سیڑھی پر چڑھ کر جہاز میں پہنچ گئے۔ ملاحوں نے کشتی کو بھی جہاز میں سوار کر لیا۔ فوراً لنگر اٹھائے گئے۔ جہاز نے زور کا جھٹکا لیا اور چل پڑا۔

اب آفتاب نکل آیا تھا۔ اور سورج کی کرنیں جہاز اور سمندر میں پڑنے لگی تھیں۔ اس وقت لفو کو ہوش آیا۔ اس نے اپنی بڑی بڑی لمبی پلکوں والی آنکھیں کھولیں۔ کچھ دیر بے مدعا دیکھا اور پھر پوچھا "میں کہاں ہوں؟"

وہ ایک مختصر کمرہ میں ایک کوچ پر پڑی تھی۔ ڈرلین اس کے پاس آ بیٹھا۔ اس کا حسین چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا "تم سمندر کی سیر کر رہی ہو۔"

لفو نے اٹھنا چاہا۔ لیکن دورانِ سر ہونے کی وجہ سے نہ اٹھ سکی۔ ڈرلین نے کہا "ذرا ٹھہرو۔" وہ چلا گیا اور شربت کا گلاس لے کر آیا۔ اس نے لفو کے ہونٹوں سے گلاس لگا کر کہا "یہ پی لو۔ سر گرانی جاتی رہے گی۔"

لفو نے بغیر حیل وحجت کے پی لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کی طبیعت درست ہو گئی۔ جہاز تیزی سے چل رہا تھا۔ یہ جہاز ڈاکوؤں کا تھا۔ اس پر کئی توپیں جڑی ہوئی تھیں۔ لفو اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پوچھا "مجھے یہاں کون لایا؟"

ڈرلین نے جواب دیا۔ "تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے گا۔ دیکھو تمہارا لباس دوسرے کمرہ میں موجود ہے۔ وہ بدل لو۔ پھر جہاز کے تختہ پر چل کر سیر کرنا۔"

لفو اب تک سب کچھ بھولی ہوئی تھی۔ بے ہوشی کی دوا نے اس کے حواس مختل کر رکھے تھے۔ اس نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ وہ شب خوابی کا نیم عریاں لباس پہنے ہے۔ اس کے حسین سینہ کا زیادہ تر حصہ کھلا ہوا ہے۔ ڈرلین کے کہنے پر اس نے اپنے لباس پر نظر ڈالی۔ وہ شرما گئی۔ اس کے شرمانے کی ادا بہت ہی پیاری تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں بھاگ گئی۔ وہاں سے اس کے کئی جوڑے رکھے ہوئے تھے۔ جو ڈرلین اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اس نے ایک لباس بدلا۔ کنگھی چوٹی کی اور رشک حور بن کر پھر کمرہ میں آئی۔ ڈرلین وہاں اس کا جمال جہاں سوز دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ اس نے ہزاروں اور ملک ملک کی خوبصورت سے خوبصورت لڑکیاں دیکھی تھیں۔ لیکن وہ لفو کے پیر کے تلوے کے برابر بھی نہیں۔ وہ کمال خوبصورت اور بہت ہی زیادہ حسین تھی۔ اس میں پریوں کی سی ادائیں اور حوروں کی سی شان تھی۔ اس کا عضو عضو خوبصورت اور سڈول تھا۔ چہرہ سے فرشتوں جیسی معصومیت ٹپک رہی تھی۔ ایسا بھولا پن ظاہر تھا کہ حوریں بھی اس پر فریفتہ ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

تھوڑی ہی دیر میں ایک خادمہ نے ناشتہ لا کر پیش کیا۔ ڈرلین کے اصرار پر اس رشک حور نے کچھ کھایا۔ اور پھر جہاز کے تختہ پر چلی آئی۔ اس وقت جہاز سمندر میں تیزی سے چل رہا تھا۔ چاروں طرف دیکھنے پر سوائے آسمان اور پانی کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ لفو سیر کرنے لگی۔ ڈرلین نے اس کے لیے کرسی منگا دی۔ وہ اس پر بیٹھ گئی۔ اگرچہ آفتاب نکلا ہوا تھا۔ دھوپ پھیل رہی تھی۔ مگر ٹھنڈی

ہوئی سردی کی وجہ سے دھوپ ناگوار نہیں گزرتی تھی۔

یفو کئی گھنٹے بیٹھی سیر کرتی رہی۔ وہ تھک کر اٹھی۔ اٹھتے ہی اس کی نظر سامنے پڑی۔ بہت دور پر ایسے جہاز کے مستول نظر آئے۔ اس نے ڈرلین سے مخاطب ہو کر کہا "یہ سامنے کیا کوئی جہاز آ رہا ہے؟"

ڈرلین نے بھی دیکھا۔ اس کا چہرہ اتر گیا۔ اس نے کہا۔ جہاز ہی معلوم ہوتا ہے۔ خدا کرے یہ ترکوں کا جہاز نہ ہو۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں پاس ان کو ہدایت کروں کہ وہ اس جہاز کا رخ بدل دے۔"

ڈرلین چلا گیا۔ اور یفو اس طرف دیکھنے لگی جس طرف اسے مستول نظر آئے تھے۔

باب ۹

ہیبتناک ترکی جہاز

یفو کے حسین چہرہ پر آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی تھیں۔ جس سے اس کی صورت آئینہ کی طرح ایسی جگمگا رہی تھی کہ اس کی طرف دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ سنگ مرمر کے بت کی طرح کھڑی ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔ ابھی تک یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز آنے والے جہازوں کی طرف ہی دوڑا جا رہا تھا۔ اور آنے والا جہاز بھی اسی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ چونکہ دونوں جہاز ایک دوسرے کی طرف دوڑ رہے تھے۔ اس لیے ہر لحظہ فاصلہ کم ہوتا جاتا تھا۔ اور اب آنے والا جہاز بالکل صاف نظر آنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر میں ڈاکوؤں کے جہاز نے رخ بدلنا شروع کیا۔ اس وقت ڈرلین یفو کے پاس آ کھڑا ہوا۔ یفو آنے والے کو دیکھ کو دیکھ کو اور ڈرلین یفو کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتہً یفو نے کہا۔ اس آنے والے جہاز پر ترکی جھنڈا نصب ہے۔"

ڈرلین چونکا۔ اس نے دیکھا۔ ایک دم اس کے چہرہ کی رنگت بدل گئی۔ منہ فق پڑ گیا۔ صورت پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس نے کہا "ہائے افسوس! یہ کم بخت ترکوں ہی کا جہاز ہے۔

بڑی تیزی سے دوڑا چلا آ رہا ہے۔ اب کیا ہوگا؟"

یفو نے استقلال کے لہجہ میں کہا "گھبراتے کیوں ہو۔ ترکی جہاز ہے تو کیا ہوا لے گا۔ ڈرلین۔ تم واقف نہیں ہو۔ ہم دنیا کی کسی بڑی سے بڑی سلطنت سے نہیں گھبراتے کیونکہ جانتے ہیں کہ کسی حکومت کے بھی جہاز ہمارے جہازوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن ترکی حکومت ہی ایسی ہے جو ہمارے جہازوں کا نہ صرف مقابلہ کر سکتی ہے بلکہ اس کے جہاز ہمارے جہازوں کو ڈبو سکتے ہیں۔

یفو:۔ اس ترکی جہاز کی رفتار کس قدر تیز ہے۔ کتنا قریب آتا جا رہا ہے۔

ڈرلین:۔ افسوس! کوئی جگہ چھپنے کی بھی تو نہیں ہے۔

یفو:۔ آپ ایسا کیوں نہ کریں کہ اپنا جہاز روک لیں۔ توپیں سیدھی کر دیں اور ترکی جہاز کے قریب آتے ہی اس پر گولے برسا دیں۔

ڈرلین:۔ مشکل یہ ہے کہ ترکوں کے اکثر جہاز مضبوط اور آہن پوش ہوتے ہیں۔ ان پر معمولی گولوں کا تو اثر بھی نہیں ہوتا۔ بدقسمتی سے اس جہاز پر معمولی اور ہلکی توپیں ہیں۔ ان کے گولے کچھ بھی کارگر نہ ہوں گے۔

یفو:۔ پھر بھی نہ کرنے سے تو کچھ کرنا ہی بہتر ہے۔

ڈرلین:۔ میں نے کپتان کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ وہ مناسب کاروائی کرے گا۔

یفو:۔ اچھا یہ بتاؤ مجھے اپنے مکان سے اٹھا کر کون لایا ہے؟

ڈرلین:۔ یہ گستاخی مجھ سے ہوئی ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہوا تھا کہ تمہارے والد نے بھاری دعوت کی ہے۔ اس بات کی عام شہرت ہے کہ تمہارا باپ بڑا جلیل القدر امیر ہے۔ دولت کی اس کے پاس کمی نہیں۔ ہم یہ خوب جانتے ہیں کہ کسی تقریب میں لوگ تھک جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے رات کو تمہارے مکان پر چھاپہ مارنے کا قصد کر لیا۔ آدھی رات کے بعد ہم تمہارے مکان میں داخل ہوئے۔ ہمارے خیال سے زیادہ ہمیں دولت ملی۔ جب ہم تمہارے کمرے میں گئے اور تمہیں دیکھا تو تمہارے حسن جہاں سوز نے میرے ہوش و حواس کھو دیے۔ میں تمہیں بھی اٹھوا لایا۔

یفو:۔ اور اپنے ساتھ مجھے بھی مصیبت میں پھنسوا دیا۔ یہ ترکی جہاز قریب سے قریب تر آتا جا رہا ہے۔ سنتی ہوں ترک وحشی ہوتے ہیں۔ کسی کی عزت کرنا نہیں جانتے۔ محبت ان کے یہاں

گناہ ہے۔ وہ ضرور اس جہاز پر قبضہ کر لیں گے۔ اور پھر نہ معلوم میرا کیا حشر ہوگا۔

ڈرلین، گھبراؤ نہیں۔ جب تک میں یا میرا ایک آدمی بھی زندہ ہے۔ اس وقت تک تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔

اس وقت ترکی جہاز اس قدر قریب آگیا تھا کہ سامنے کے رخ جو اس پر توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ ان کی لمبی اور خوفناک نالیں صاف نظر آنے لگی ہیں۔ لیفو نے انہیں دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی۔ اس نے کہا۔ کس قدر خوفناک توپیں ہیں۔"

ڈرلین، ترکی جہازوں پر معمولی توپیں ہوتی ہی نہیں۔ مجھے خوف ہے کہیں بد بخت ترک بغیر کوئی سگنل دیئے بغیر گولہ باری شروع نہ کر دیں۔

ہم جس زمانہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت ترکوں کی بحری طاقت دنیا بھر کی حکومتوں سے زیادہ مضبوط تھی۔ ایسا شاندار بحری بیڑہ تھا کہ کئی حکومتیں مل کر بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھیں۔ جس طرح اس زمانہ میں سلطنتِ برطانیہ ملکۂ بحر کہلاتی تھی۔ اسی طرح اس زمانہ میں سلطنتِ عثمانیہ سلطانِ بحر مشہور تھی۔ سلطانی بیڑہ کا اس قدر دبدبہ تھا کہ تمام حکومتیں اس سے دبتی اور ڈرتی تھیں۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ ترکوں نے اتنے بڑے بڑے جہاز بنائے تھے جن کا جواب اس وقت نہیں تھا۔ اور ان میں سے اکثر کو آہن پوش کر کے ان پر لمبی مار کی توپیں چڑھا دی تھیں۔ ان جہازوں سے سب ڈرتے تھے۔

ترک بحری ڈاکوؤں کے سخت دشمن تھے۔ بحری ڈاکو بھی ایسے چالاک اور طاقتور تھے کہ عیسائی حکومتیں ان سے کانپتی تھیں بعض سلطنتیں انہیں خراج تک دیتی تھیں۔ لیکن ترک ان سے لڑتے اور ان کے جہازوں کو ڈبوتے رہتے تھے۔ اس لیے بحری ڈاکو جو عیسائی تھے عیسائیوں سے تو ڈرتے نہیں تھے۔ ترکوں سے البتہ گھبراتے تھے۔

دفعتہً ترکی جہاز سے ہوائی فیر ہوا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ یہ جہاز فوراً کھڑا کر دیا جائے۔ اگر حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو گولہ باری شروع کر دی جائے گی۔ ڈرلین نے کہا۔ "سوائے اطاعت کے کوئی چارہ نہیں۔"

چونکہ وہ افسر تھا۔ اس لیے اس نے لیفو کو ساتھ لے جا کر کپتان کو جہاز روک دینے کا کھڑا دیا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہدایت کی کہ جس قدر ایسی چیزیں ہیں جن سے ان کے ڈاکو ہونے کا شبہ ہو۔ انہیں سمندر میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ بہت سی چیزیں سمندر میں ڈال دی گئیں۔

اب ترکی جہاز اس جہاز کے قریب آکر رک گیا۔ نہایت ہیبتناک جہاز تھا۔ ایک کشتی اس جہاز میں سے سمندر میں ڈالی گئی۔ اور پچیس تیس ترک اس میں سوار ہو کر چلے۔ ترکوں کا افسر بھی اس میں تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ یہ کشتی جب ڈاکوؤں کے جہاز کے قریب آئی تو ترک افسر نے یہ پوچھا۔ "یہ جہاز کس کا ہے۔"

ڈرلین نے کنارہ پر آکر جواب دیا۔ "حکومت وینس کا۔"

ترک افسر:۔ کہاں جا رہا ہے؟

ڈرلین:۔ فرانس۔

ترک افسر:۔ کیا سامان بار ہے۔

ڈرلین:۔ کوئی خاص سامان نہیں ہے۔

ترک افسر:۔ ہمیں شبہ ہے۔ یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے۔ ہم تلاشی لیں گے۔"

ڈرلین:۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ تلاشی لے کر اپنا اطمینان کر لیں۔

اسی وقت کشتی جہاز سے لگا دی گئی۔ جہاز والوں نے سیڑھی لگا دی۔ ترک کھٹ کھٹ اوپر چڑھ کر جہاز میں آگئے۔ لیفو نے دیکھا ان کی سرخ وردیاں جن میں سنہری لیس لگی ہوئی تھی دھوپ میں جگمگا رہی تھیں۔ پھر ان کے ہتھیار چمک رہے تھے۔ لیفو انہیں دیکھ کر کمرہ میں چلی گئی۔

باب ۱

ڈاکوؤں سے جنگ

ترک جہاز پر پہنچ کر تلاشی لینے لگے۔ جب وہ اس کمرہ میں پہنچے جس میں لوٹا ہوا مال تھا۔

تو ڈرلین نے عاجزی سے کہا۔ اس کمرہ میں کچھ نہیں ہے۔ یہ میرا اپنا کمرہ ہے۔

ترکوں کو شبہ ہوگیا۔ ان کے افسر کا نام نسیم بک تھا۔ اس نے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مجھے اس جہاز پر بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہونے کا شبہ ہے۔ اپنا شبہ دور کرنے کے لیے ہر کمرہ کا دیکھنا ضروری ہے۔

ڈرلین:۔ میں کہہ چکا ہوں کہ یہ جہاز حکومت وینس کا ہے۔ آپ تلاشی لے رہے ہیں۔ اس سے سلطنت وینس کی توہین ہے۔ مگر ہمیں پھر بھی عذر نہیں۔ البتہ اس کمرہ کو چھوڑ دیجیے۔ اور سب کی تلاشی لے لیجیے۔

نسیم بک۔ اچھا پہلے اور کمروں کی تلاشی لے لیں۔

انہوں نے دو ترکوں کا پہرہ اس کمرہ پر مقرر کر دیا۔ اور دوسرے کمروں کی تلاشی لینی شروع کی۔ اتفاق سے وہ جب اس کمرہ کے دروازہ پر پہنچے جس میں لیقو تھی تو ڈرلین نے پھر روکا اور کہا۔ "معاف کرنا۔ اس کمرہ میں میری بیوی ہے"۔

نسیم بک:۔ ہمیں تمہاری بیوی سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم ایک طرف ہوئے جاتے ہیں۔ تم اس سے کہہ دو۔ وہ دوسرے کمرے میں چلی جائے"۔

نسیم بک اور ان کے ساتھی ترک ایک طرف ہٹ گئے۔ ڈرلین تذبذب میں پڑ گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان ان کے سامنے آئے۔ اسے خوف تھا کہ اس کا بڑھا ہوا حسن ترکوں کو بھی اپنا گرویدہ نہ کرے۔ وہ اس بات کو بھی خوب جانتا تھا کہ اس نے لیقو کو اپنی بیوی بنایا ہے۔ لیکن وہ اتنی کمسن ہے کہ اس کی بیٹی معلوم ہو گی۔ اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ ترک اسے دیکھیں۔ اس نے کہا۔ میری بیوی بڑی حیادار ہے۔ وہ کسی کے سامنے نہیں آتی"۔

نسیم بک:۔ ہمیں معلوم ہے کہ عیسائیوں میں پردہ نہیں ہے۔ حیا پردہ والیاں کیا کرتی ہیں۔ اور اگر وہ بھی شرم و حیا کی پیکر ہے تو وہ بیٹھی رہے گی۔ ہم کمرہ کی تلاشی لے کر چلیں آئینگے"۔

ڈرلین کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ لیقو پوری شانِ دل ربائی کے ساتھ دروازہ پر آ گئی۔ نسیم بک اور دوسرے ترکوں نے دیکھا۔ وہ اس کا بے نظیر حسن دیکھ کر حیران رہ گئے۔ چونکہ وہ بہت ہی کمسن تھی۔ اس لیے نسیم بک نے بے ساختہ ڈرلین سے دریافت کیا۔ یہ تمہاری بیوی ہے"۔

حور وش لیقو شرما گئی۔ ڈرلین بھی محجوب ہو گیا۔ لیقو نے ہی پوچھا "بیوی کون ہے"؟

لیقو کی آنکھوں میں اس قدر چمک آ گئی دلکشی تھی کہ ان کی طرف نظریں بھر کر دیکھا نہیں جاتا تھا۔

نسیم بک نے اس کے پھول سے رخساروں کو دیکھ کر کہا۔ یہ (ڈرلین) کہتے ہیں کہ تم ان کی بیوی ہو"۔

لیقو نے جوش میں آ کر کہا "جھوٹ بولتے ہیں"۔

نسیم بک:۔ معاف کرنا تمہیں دیکھتے ہی میرا بھی یہی خیال تھا تھا کہ کہیں یہ تمہیں چرا کر تو نہیں لائے۔

لیقو:۔ "آپ کا خیال صحیح ہے"۔

نسیم بک:۔ کہاں سے لائے ہیں تمہیں؟

لیقو:۔ وینس سے۔

ڈرلین نے دخل در معقولات کر کے کہا "ہم چرا کر نہیں لائے۔ یہ غلط کہتی ہے"۔

نسیم بک نے تمسخرانہ لہجہ میں کہا۔ "تمہاری بیوی ہوتے ہوئے یہ تم پر الزام لگا رہی ہے۔ خیر اس کا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ پہلے ہمیں تلاشی لینے دو۔ (لیقو سے مخاطب ہو کر) کیا تلاشی میں تم ہمارے ساتھ رہنا پسند کرو گی"؟

لیقو "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے"۔

نسیم بک:۔ اچھا آیئے۔

لیقو ان کے ساتھ چلی۔ اول انھوں نے اس کمرہ کی تلاشی لی جس میں لیقو تھی۔ وہاں چند جوڑے کپڑوں کے اور چند زیورات ملے۔ یہ لوگ وہاں سے نکل آئے۔ جبکہ وہ ایک کمرہ کی تلاشی لے رہے تھے۔ اس میں سے کئی ملک کے جھنڈے نکلے۔ برطانیہ کے جھنڈا۔ فرانس کا جھنڈا، اسپین کا جھنڈا، ترکی کا جھنڈا اور وینس کا جھنڈا۔ نسیم بک نے جھنڈے اپنے قبضہ میں کر کے ڈرلین سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہ ملک ملک کے جھنڈے یہاں کیوں ہیں"؟

ڈرلین نے جواب تو کوئی نہ دیا۔ البتہ اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا۔ انھوں نے بندوقوں کے فائر شروع کر دیئے۔ ایک گولی ایک ترک کے لگی اور وہ زخمی ہو کر گرا۔ تمام ترکوں کو سخت جوش اور غصہ آ گیا۔ نسیم بک نے جلدی سے لیقو کو دوسرے کمرے میں اس لیے دھکیل دیا کسی کی

گولی اسے نقصان نہ پہنچ جائے۔ اور پھر جلدی سے بندوق سنبھال کر ڈاکوؤں پر فائر شروع کیے۔
اس عرصہ میں ترکوں نے بندوقوں اور تلواروں سے ڈاکوؤں پر حملے کر دیئے۔ ڈاکو پہلے ہی سے حملے کرنے لگے تھے۔ جہاز پر جنگ شروع گئی۔ بندوقیں چلنے لگیں۔ تلواریں لپکنے لگیں۔ جنگ ایک کمرہ سے شروع ہوئی تھی۔ بڑھتے بڑھتے تمام جہاز پر پھیل گئی۔

ترک اگرچہ پچیس تیس ہی تھے۔ اور ڈاکو سوا سوا سو تھے۔ لیکن جو جرأت اور دلیری ترکوں میں تھی۔ وہ ڈاکوؤں میں نہ تھی۔ ترکوں نے پھرتی سے حملہ کر کے ڈاکوؤں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے بندوقیں ڈال دیں اور تلواریں سونت کر جھپٹ پڑے۔ شروع شروع میں ڈاکو بندوقوں سے لڑتے رہے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ وہ اتنے زیادہ چھناتے ہیں اتنے ترک کر ان پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ اور بندوق کو بیکار بنا دیتے ہیں۔ تو انھوں نے بھی تلواریں کھینچ لیں۔

اب تلواروں سے لڑائی شروع ہو گئی۔ ترکوں نے پھرتی اور قوت سے حملے کر کے ڈاکوؤں کا قافیہ تنگ کر دیا۔ اگرچہ ڈاکو بھی پوری ہمت اور دلیری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن ان کا مقابلہ کسی عیسائی سے نہیں تھا بلکہ مسلمان ترکوں سے تھا جو لڑائی کو بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔ جو ترک جس ڈاکو کے تلوار مارتا تھا۔ اسے دو ٹکڑے کر کے ڈال دیتا تھا۔ انھوں نے بہت سے ڈاکوؤں کو مار ڈالا۔ جہاز کے تختہ پر لاشیں بچھ گئیں اور خون بہنے لگا۔

ڈرلین ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی تلوار تھی وہ اپنے آدمیوں کے دل بڑھا رہا تھا۔ لیفو کمرہ میں جھانک کر اس خوفناک خونریزی کو دیکھ رہی تھی۔ اس بیچاری نے اس سے پہلے جنگ کا منظر نہیں دیکھا تھا۔ وہ سہم رہی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ کچھ پھیکا ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے خوف و ہراس ٹپکنے لگا تھا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس کے چہرہ میں رعنائی اور آنکھوں میں دل کشی پیدا ہو گئی تھی۔

نسیم بک پر کئی ڈاکو ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ پھرتی سے پینترے بدل بدل کر ان کے حملوں کا روک رہے تھے۔ اور جب موقع پاتے تھے تو بھرپور حملہ کر کے ایک آدھ ڈاکو کو مار ڈالتے تھے۔ جب کوئی ڈاکو مرتا تھا یا زخمی ہوتا تھا تو دوسرے ڈاکوؤں کو غصہ آ جاتا تھا۔ وہ جوش میں آ کر حملہ کرتے تھے۔ لیکن نسیم بک ان کے حملوں کو روک کر ان پر وار کر کے پھر ایک دو کو قتل کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ کئی ڈاکوؤں نے ان پر ترغہ کیا۔ لیفو غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ نسیم بک کو ڈاکو مار ڈالیں گے۔ اس کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا۔ کہ وہ بڑھ کر ان کی مدد کرے۔ مگر وہ نازک اندام تھی کر نہ سکتی تھی۔ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

نسیم بک نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس زور سے حملہ کیا کہ تین ڈاکوؤں کو مار ڈالا۔ باقی خود پیچھے ہٹ گئے۔ انھوں نے بڑھ کر حملہ کیا۔ ایک ڈاکو کو اور گرا دیا۔ ڈاکو پیچھے ہٹے۔ نسیم بک پینترا بدل کر اچھلے اور جست کر کے ڈرلین کے سامنے جا پہنچے اور جاتے ہی اس زور سے اس کے تلوار ماری کہ اس کا بھیجا کھل گیا۔ سر سے خون کی ترو بہہ نکلی۔ اس نے چیخ ماری اور بیٹھ گیا۔ کئی ڈاکو اس کے گرد اس کی حفاظت کے لیے چھا گئے۔

اس عرصہ میں وہاں دو ترک اور آ گئے۔ انھوں نے نسیم کے ساتھ مل کر حملہ کیا۔ اور تینوں نے تین ڈاکوؤں کو مار گرایا۔ ساتھ ہی نسیم نے جھپٹ کر ڈرلین کے تلوار ماری۔ تلوار گردن پر پڑی۔ اور اس کا سر اڑ گیا۔ ڈاکو گھبرا کر بھاگے۔ ترکوں نے ان کا پیچھا کیا۔ انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام ڈاکو قتل کر دیئے گئے۔ ایک دو ڈر کر سمندر میں گر پڑے۔ پانی نے انہیں اپنے دامن میں لے لیا۔ ڈاکوؤں کے جہاز کا کپتان بھی مارا گیا۔ ملاح بھی مارے گئے۔ یہ سب ڈاکو ہی تھے۔ ترکوں نے دشمنوں کا خاتمہ دیکھ کر خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

باب ۱۱

رہائی

جب ملاکوؤں کا خاتمہ ہوگیا۔ تو نسیم بک خون میں بھرے ہوئے یفو کے پاس آئے۔ وہ اب تک سہم رہی تھی۔ اور خوف زدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ نسیم بک نے اس سے کہا۔ "معاف کرنا تمہیں جنگ کا یہ خوفناک منظر دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی"۔

یفو ان کی بہادری دیکھ چکی تھی۔ اس نے ان پر تحسین آمیز نظریں ڈال کر کہا۔ "مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔ لیکن آپ کو تو کچھ گزند نہیں پہنچا"۔

نسیم بک نے اس کے پھول سے عارض پر نظریں گڑو کر کہا۔ "نہیں۔ خدا نے مجھے محفوظ رکھا"۔

یفو:۔ ایک دفعہ جب کٹی ڈاکو آپ پر حملہ آور ہوئے تو میں ہول گئی تھی۔

نسیم بک نے تیز نظروں سے اس پری جمال کو دیکھ کر کہا۔ "تم ہول گئی تھیں"۔

یفو نے شرما کر نظریں نیچی کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں"۔

نسیم بک:۔ "تب تو میں بڑا خوش قسمت ہوں"۔

یفو اس قدر شرما گئی کہ اس کا سر جھک گیا۔ شرمانے سے اس کا چہرہ اور بھی دلفریب ہوگیا۔ اس کی لمبی پلکیں اس کی حسین آنکھوں پر چھا گئیں۔ اور اس کے پھول سے رخسار سے کچھ پسیج کر اور بھی دیدہ زیب ہوگئے۔ نسیم بک نے رہزنِ ایمان کو تکتے رہ گئے۔ وہ ایسے محو ہوئے کہ کسی بات کی خبر ہی نہ رہی۔ بھول گئے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ ایک ترک نے آکر ان کی محویت کے طلسم کو توڑا۔ اس نے کہا۔ "اب کیا حکم ہے"۔

نسیم بک چونکے۔ یفو بھی چونکی۔ دونوں کی نگاہیں ساتھ ہی اٹھیں اور ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ نسیم بک نے یفو سے کہا۔ "معاف کرنا۔ میں تھوڑی دیر کے لیے اجازت چاہتا ہوں"۔

یفو:۔ آپ مختار ہیں۔

نسیم بک وہاں سے تختہ پر آئے۔ انہوں نے اپنے جانباز سپاہیوں کو حکم دیا کہ "لاشیں

سمندر میں ڈال دو"۔

سپاہیوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ دو دو آدمی ایک ایک لاش کو اٹھا اٹھا کر سمندر میں پھینکنے لگے۔ تمام لاشیں تلاش کر کے سمندر میں پھینک دی گئیں۔ جس جگہ یہ لاشیں ڈالی گئیں۔ وہاں کا نیلگوں پانی سرخ ہوگیا۔ جب آخری لاش بھی سمندر کے حوالہ کر دی گئی تو نسیم بک نے فرش دھونے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے نل کی ٹونٹیاں کھول دی۔ معلوم ہوتا تھا۔ وہ ہر کام سے واقف تھے۔ پانی دھاریں بہنے لگیں۔ سپاہیوں نے فرش دھو کر بالکل صاف کر دیا۔

اس عرصہ میں نسیم بک چند سپاہیوں کو اپنے ساتھ لے کر اس کمرہ میں پہنچے جس میں لوٹا ہوا مال تھا اور جسے ڈریلین نے اس وقت نہیں دیکھنے دیا تھا۔ جس میں لوٹا ہوا مال تھا اور جسے ڈریلین نے کا کمرہ جائزہ لیا اور اس میں قیمتی سامان دیکھا تو نسیم بک نے اس کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور خود یفو کے پاس آکر اس بتِ طنّاز سے پوچھا۔ "ایک کمرہ میں بہت کچھ ساز و سامان ملا ہے تمہیں معلوم ہے۔ وہ کس کا ہے"؟

یفو نے دل کش نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بغیر دیکھے میں کیا کہہ سکتی ہوں"۔

نسیم بک:۔ اگر مناسب سمجھیں تو چل کر دیکھ لو۔

یفو:۔ چلیئے۔

دونوں چل کر سامان والے کمرہ میں پہنچے۔ یفو نے دیکھتے ہی سب سامان پہچان لیا۔ اس نے کہا۔ "یہ سامان ہمارا ہی ہے"۔

نسیم بک:۔ مجھے پہلے ہی یہ خیال ہوا تھا۔ لیکن یہ بتاؤ۔ یہ ڈاکو تمہیں چرا کر کیسے لائے"۔

یفو:۔ چرا کر نہیں۔ زبردستی لائے۔

نسیم بک: دن میں یا رات میں۔

یفو:۔ رات کو۔ میں اپنے کمرہ میں سو رہی تھی۔ کم بخت ڈاکو جا گھسے۔ میں گہری نیند میں تھی۔ خواب کی طرح اتنا یاد ہے کہ میری آنکھ کھلی تو کسی نے میرے چہرہ پر رومال ڈالا۔ پھر مجھے کچھ خبر نہیں رہی۔ جب آنکھ کھلی تو جہاز میں تھی۔

نسیم بک:۔ سنا یہ ہے کہ ڈاکو رومال یا کسی کپڑے میں بیہوش کرنے والی دوا چھڑک کر

پاس رکھتے ہیں۔ جس کے منہ پر وہ کپڑا یا رومال ڈال دیتے ہیں وہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔

لیفو:۔ ایسا ہی ہوگا۔ میں بھی یقیناً بیہوش ہو گئی ہوں گی۔

نسیم بک:۔ کیا تمہارے مکان پر اور لوگ نہیں تھے؟

لیفو:۔ ایک نہیں پچاسوں آدمی۔ کئی پہرہ دار تھے۔ لیکن اس روز میری سالگرہ تھی۔ اور سب لوگ زیادہ کام کرنے کی وجہ سے تھک گئے تھے۔ وہ سو گئے۔ ان کم بخت ڈاکوؤں کو موقع مل گیا۔ وہ سب سامان بھی اٹھا لائے اور مجھے بھی لے آئے۔

نسیم بک:۔ تمہارے والد کا کیا نام ہے؟

لیفو:۔ اسٹیفن:۔ وہ مشہور اور بڑے متمول آدمی ہیں۔

نسیم بک:۔ اس ساز و سامان اور تمہیں دیکھ کر میں نے یہ بات سمجھ لی تھی۔ تمہارا کیا نام ہے؟

لیفو:۔ میرا نام لیفو ہے۔

نسیم بک:۔ اوہ لیفو نام ہے۔ میں نے تمہارا ذکر سنا تھا۔

لیفو:۔ کس سے سنا تھا۔

نسیم بک:۔ یورپ کا بچہ بچہ تمہارا نام جانتا ہے۔ معاف کرنا۔ تمہارے حسن کی شہرت تمام یورپ میں ہے۔

لیفو پھر شرما گئی۔ نسیم بک نے کہا "تم اسی جہاز میں رہنا پسند کرتی ہو یا میرے ساتھ ہمارے جہاز میں چلو گی"۔

لیفو نے شرمیلی نظریں اٹھا کر نسیم بک کو دیکھا اور کہا۔ "آپ مجھے کہاں لے جائیں گے"۔

نسیم بک:۔ آستانہ عالیہ (قسطنطنیہ) میں۔

لیفو:۔ کیا آپ مجھے وینس نہیں پہنچا سکتے؟

نسیم بک:۔ افسوس نہیں

لیفو:۔ کیوں؟

نسیم بک:۔ اس لیئے کہ تم ڈاکوؤں کے جہاز سے ملی ہو۔ تمہیں شہنشاہِ معظم روم اعلیٰ حضرت سلطان سلیم ثانی کے حضور میں پیش کرنا ضروری ہے"۔

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت سلطان سلیم ثانی ترکوں کے شہنشاہ تھے۔ لیفو نے کہا "کیا ہم کنیز بن گئی ہیں"؟

نسیم بک:۔ نہیں لیکن سلطان کا یہ حکم ہے کہ ڈاکوؤں سے جو سامان اور جو لوگ چھینے جائیں۔ وہ ان کے سامنے پیش کیے جائیں"۔

لیفو:۔ تن بہ تقدیر چلئے۔ جہاں لے جائیے گا۔ جاؤں گی۔

نسیم بک:۔ اب یہ طے کیجئے کہ اسی جہاز میں رہیئے گا یا ہمارے جہاز میں۔

لیفو:۔ یہاں مجھے وحشت ہوگی۔ اپنے جہاز میں لے چلیئے۔

نسیم بک:۔ آیئے۔

نسیم بک نے اپنے سپاہیوں کو کچھ ہدایتیں کیں۔ یہ سپاہی ملاحی اور جہاز رانی کے کام سے بھی خوب واقف تھے۔ وہ اپنے کام میں لگ گئے۔ نسیم بک لیفو کو لے کر زینہ کے ذریعہ سے کشتی میں اترے اور کشتی کو خود ہی ہوتے اپنے جہاز کے پاس پہنچے۔ فوراً ہی ادھر سے ایک زینہ لٹکایا گیا۔ یہ دونوں اس پر چڑھ کر جہاز میں پہنچ گئے۔

ترکی جہاز نہایت ہی شاندار، بڑا اور آرام دہ تھا۔ جہاز کیا تھا اچھی خاصی بستی تھی۔ نہایت عمدہ کمرے تھے۔ ایک چھوٹا سا بازار بھی تھا۔ لیفو اس جہاز کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ نسیم بک نے اسے ایک اچھے اور آراستہ کمرہ میں ٹھہرا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جہاز کے لنگر اٹھائے گئے۔ اور وہ روانہ ہوا۔ اس کے پیچھے ڈاکوؤں کا جہاز بھی چل پڑا۔

باب ۱۲

اقرار

نسیم بک کا جہاز تیزی سے قسطنطنیہ کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے ڈاکوؤں والا جہاز چل رہا تھا۔ لیکن ڈاکوؤں والے جہاز کی رفتار کچھ زیادہ نہیں تھی۔ اس لیے ترکی جہاز کو بھی اپنی رفتار کم کر کے اس کے ساتھ چلنا پڑ رہا تھا۔ اس ترکی جہاز میں پانچ سو بحری سپاہی تھے۔ یہ سلطنتِ عثمانیہ کے ان گشتی جہازوں میں سے ایک تھا جو بحری عیسائی ڈاکوؤں کی تلاش و تجسس میں سمندر کے اندر گشت کرتے رہتے تھے۔

اس جہاز کو کئی روز سمندر میں سفر کرتے گزر گئے۔ نسیم بک کا دل تو لفو کے پاس جانے اور اس کی میٹھی میٹھی باتیں سننے کو بہت چاہتا تھا۔ لیکن وہ اس کے سامنے جاتے اس لئے کتراتے رہتے کہ ان کی حالت اس کے سامنے پہنچ کر بالکل ایسی ہو جاتی تھی جیسے ان پر جادو کر دیا گیا ہو۔ انھوں نے اس کے پاس جانا اور اس سے باتیں کرنا بہت کم کر دیا تھا۔

ایک دن وہ کچھ دن چڑھے دل کے تقاضا سے مجبور ہو کر لفو کے کمرے میں پہنچے۔ اس نے تھوڑی ہی دیر پہلے غسل کیا تھا۔ اس کے سیاہی مائل بھورے بال اس کی نازک کمر اور خوبصورت کندھوں پر بکھرے پڑے تھے۔ سیاہ بالوں میں اس کا حسین چہرہ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کالے بادلوں میں سے چاند جھانک رہا ہو۔ اس نے اس وقت چست لباس پہنا ہوا تھا۔ اس کے خوب صورت اور سڈول جسم کا عضو عضو نظر آ رہا تھا۔ خصوصاً کھچاوٹ کی وجہ سے سینہ کا ابھار غضب ڈھا رہا تھا۔ وہ بڑی بے تکلفی سے دوپٹہ پاس رکھے بیٹھی تھی۔ نسیم بک کو دیکھتے ہی اس نے بڑی دل فریب ادا کے ساتھ دوپٹہ اٹھایا اور اس کا آنچل سر کے پچھلے حصہ پر ڈال لیا۔ نسیم بک نے کہا۔ معاف کرنا۔ میں بغیر اجازت کے چلا آیا۔

لفو نے حوروں جیسی شان سے گردن ابھار کر انہیں دیکھا اور فرشتوں جیسا معصوم چہرہ اٹھا کر روح پرور مسکراہٹ سے تبسم کے پھول بکھیرتے ہوئے کہا۔ شاید "معاف کرنا" آپ

کا تکیہ کلام ہے۔"

نسیم بک: نہیں۔ تکیہ کلام تو نہیں ہے۔

لفو: پھر بات بات پر معاف کرنا کیوں کہتے ہو؟

نسیم بک: غلطی ہو جاتی ہے۔ معافی مانگنی پڑتی ہے۔

لفو: کل آپ کیوں نہیں آ سکے تھے۔

نسیم بک: کیا کہہ دوں۔

لفو: میں نے سنا ہے۔ ترک جھوٹ نہیں بولا کرتے۔

نسیم بک: تم نے درست سنا ہے۔

لفو: تو سچ بتاؤ۔

نسیم بک: سچ یہ ہے کہ جب میں تمہارے سامنے آتا ہوں تو تم جادو سا کر دیتی ہو۔ میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہتا۔ اس لیے نہیں آ سکا تھا۔

لفو نے لطیف قہقہہ لگا کر کہا۔ "خوب میں جادوگرنی ہوں"

نسیم بک: میں نے جادوگرنی تو نہیں کہا۔

لفو: اور کیا مطلب ہے آپ کا؟

نسیم بک: مطلب یہ ہے کہ تم اس قدر حسین ہو اور ماہ پارہ ہو کہ تمہارا حسن مجھے بیخود کر دیتا ہے۔

لفو: ترک باتیں بنانا خوب جانتے ہیں۔

نسیم بک: میں اپنے دوستوں میں بہت ہی کم گو ہوں۔

لفو نے بے ساختہ ہنستے ہوئے کہا۔ "اللہ اللہ کم گوئی میں تو یہ حال ہے۔ زیادہ گو ہوتے تو خدا جانے کیا ہوتا؟

نسیم بک: آپ کی سرکار سے ایک خطاب "زیادہ گو" تو مل گیا۔ خدا جانے آئندہ اور کیا کیا خطابات ملیں گے؟

لفو: آپ تو بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔

نسیم بک:۔ خدا کا شکر ہے کہ تم میری ذات سے دلچسپی لیتی ہو۔

لفو:۔ میں نے سنا ہے کہ اکثر پاشاؤں کی حرم میں عیسائی لڑکیاں ہیں۔ کیا یہ سچ ہے کیا؟

نسیم بک:۔ سچ ہے۔ حقیقتے ترکی گورنر یا وزراء یا امراء ہیں سب کے حرموں میں عیسائی لڑکیاں موجود ہیں۔

لفو:۔ کیا یہ لڑکیاں اپنی خوشی سے آئی ہیں؟

نسیم بک:۔ ان میں کچھ تو ایسی ہیں جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئی ہیں۔ کچھ ایسی ہیں جنہیں ان کے والدین نے اپنی خوشی سے ترکوں کے حرم میں بھیج دیا ہے۔

لفو:۔ بھلا عیسائی اپنی لڑکیوں کو ترکوں کے حرم میں کیوں بھیجنے لگے تھے۔

نسیم بک:۔ عیسائیوں کو اس میں بڑے فائدے ہیں۔ اوّل تو یہ لڑکیاں بڑے عیش و آرام سے رہتی ہیں۔ انہیں وہ حشم و خدم اور شان و شوکت اپنے گھروں میں میسر نہیں آسکتا جو پاشاؤں کے محلوں میں آکر نصیب ہوتا ہے۔ یہاں دولت کی فراوانی ہے۔ وہ پانی کی طرح روپیہ بہاتی ہیں۔ (اپنے باپوں اور بھائیوں کو مالا مال کر دیتی ہیں۔ دوسرے اپنے ان ممالک کے لیے جہاں کی وہ رہنے والی ہوتی ہیں۔ پاشاؤں کے ذریعہ سے بڑی مراعات[۱] حاصل کر لیتی ہیں۔

کسی خیال سے لفو کا چہرہ چمکنے لگا۔ اس نے کہا "کیا تم بھی پاشا ہو؟"

نسیم بک:۔ نہیں۔ ابھی میں پاشا نہیں ہوں۔ لیکن خدا نے چاہا تو بہت جلد پاشا کا خطاب حاصل کر لوں گا۔

لفو: تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟

نسیم بک: قسطنطنیہ۔

لفو: کیا تم قسطنطنیہ ہی میں رہتے ہو؟

۱۔ تمام تاریخوں میں یہ بات لکھی ہے کہ امیر اور سوداگر ہی نہیں۔ بلکہ بادشاہ تک اپنی پری زاد بیٹیاں پاشاؤں کی حرم میں اس لیے بھیج دیتے تھے۔ کہ ان کے ذریعہ سے دولت حاصل کریں۔
صادق صدیقی سردھنوی۔

نسیم بک:۔ ہاں۔

لفو:۔ شاید مجھے اپنے گھر لے چلو گے۔

نسیم بک:۔ نہیں۔ پہلے میں تمہیں سلطان کے حضور میں پیش کروں گا۔

لفو کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے کہا "کیا اس لیے کہ سلطان مجھے کنیز بنا کر قصر شاہی میں بھیج دیں"

نسیم بک: نہیں بلکہ اس لیے کہ جو عیسائی لڑکی باہر سے آتی ہے۔ اوّل سلطان کے حضور پیش کی جاتی ہے۔ وہ جس کے مناسب سمجھتے ہیں۔ اس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔

لفو: کیا تمہارے بھی حوالہ کر سکتے ہیں؟

نسیم بک: کیوں نہیں۔

لفو: لیکن تم مجھے سلطان کے حضور میں پیش ہی کیوں کرو۔

نسیم بک:۔ میں چاہتا ہی ہوں کہ پیش نہ کروں۔ لیکن قانون سے مجبور ہوں پیش کرنا ضروری ہے۔

لفو: ہم قسطنطنیہ کب تک پہنچ جائیں گے۔

نسیم بک۔ کل اسی وقت تک۔ لفو! میں ایک بات سے کہتا ہوں۔

لفو: کہو۔

نسیم بک: مجھے تم سے بے پناہ محبت ہو گئی ہے۔ میری رگ رگ میں تمہاری محبت سرایت کر گئی ہے۔ تم شرما گئیں۔ میں پوچھتا ہوں۔ تم میری محبت کو ٹھکرا تو نہ دو گی۔

لفو اس قدر شرما گئی تھی کہ اس کا نازک سر جھک گیا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ نسیم بک نے پھر کہا "کیا جواب نہ دو گی۔ کیا میں جواب دینے کے قابل بھی نہیں"

لفو بدستور سر جھکائے اور سر جھکائے رہی۔ نسیم بک نے کہا "مجھے پہلے ہی توقف تھا کہ تم میری محبت کو ٹھکرا دو گی۔ اچھا میں یہ کوشش کروں گا کہ سلطان تمہیں رہا کر دیں۔ اور تمہارے گھر پہنچانے کی اجازت دے دیں۔

اب لفو نے سر اٹھایا۔ اور شرمیلی نگاہوں سے نسیم بک کو دیکھ کر کہا "میری خاموشی سے تمہیں سب کچھ سمجھ لینا چاہیئے تھا"

نسیم بک: میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔

لفو: میں اپنی قسمت تمہیں سونپنے کو تیار ہوں۔

نسیم بک خوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔ "تمہارا شکریہ۔ بہت بہت شکریہ۔ آج تم نے مجھے خرید لیا۔"

لفو: میں تمہاری مشکور ہوں۔ تم نے مجھے ڈاکوؤں سے چھڑایا ہے۔ میں کنیز بننا نہیں چاہتی۔

نسیم بک: تمہیں کوئی کنیز بنا بھی نہیں سکتا۔ جو عورت کنیز بن کر قصر شاہی میں داخل ہوتی جاتی ہے۔ وہ پاشاؤں کی حرم سے کہیں زیادہ باعزت ہوتی ہے۔

لفو: مجھے ایسی عزت پسند نہیں۔

کچھ دیر اور باتیں کر کے نسیم بک چلے آئے۔

باب ۱۳

عثمانی شاہی محل سرا کے حالات

جب وہ جہاز جس میں نسیم بک اور لفو سوار تھے قسطنطنیہ کی بندرگاہ کے قریب پہنچا اور شہر قسطنطنیہ کا قدرتی منظر دور سے نظر آنے لگا۔ تو لفو خود نسیم بک کے پاس آئی۔ اس وقت نسیم بک جہاز کے کمروں کی چھت کے اوپر کھڑے تھے۔ ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ لفو کے دوپٹے کے آنچل اور اس کے سر کی مشک بو بالوں کی لٹیں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ کبھی کبھی بالوں کی کوئی باریک لٹ اس کے پھول سے رخساروں اور غنچہ سے دہن کو آ لپٹتی تھی۔ وہ برہم ہو کر انہیں الگ کرتی۔ اتنا ہی وہ پھر آ پڑتے۔ وہ پھر انہیں الگ کرتی۔ نسیم بک نے دیکھ لیا۔ انھوں نے کہا "کیوں

فضول کوشش کر رہی ہو۔ یہ ہوا کے جھونکے آفتاب کی کرنیں اور بالوں کی لٹیں تمہارے حسین چہرہ پر فریفتہ ہو گئے ہیں۔ کتنا ہٹاؤ ہرگز نہ ہٹیں گے۔"

لفو نے شرما کر نسیم بک کو دیکھ کر کہا "ہاں پریشان کر دیا۔ کمبختوں کو جتنا ہٹاتی ہوں اتنا ہی آ آ کر گرتے ہیں۔"

نسیم بک نے مسکرا کر کہا۔ "رخ انور کے شیدا جو ٹھہرے۔"

لفو نے شرمیلی چتون سے انہیں دیکھا۔ اور مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے حسین نظریں اٹھا کر کہا "شہر کا منظر کتنا خوش نما ہے۔"

نسیم بک: دنیا میں کوئی شہر بھی ایسے دلفریب مقام پر واقع نہیں ہے۔ جیسے قسطنطنیہ ہے۔

اب جہاز بندرگاہ میں داخل ہونے لگا تھا۔ شاہی محلات کی عالی شان عمارتیں نظر آنے لگی تھیں۔ لفو نے کہا۔ "کس قدر خوبصورت عمارتیں نظر آ رہی ہیں"۔

نسیم بک: یہ شاہی محلات ہیں۔

لفو: مجھے ترکوں کے شاہی محلات دیکھنے کی بڑی آرزو ہے۔

نسیم بک: ہیں بھی اس کے قابل۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ عام طور پر انہیں دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ محلات کیا ہیں۔ ایک چھوٹی سی دنیا ہے۔ جس کے قوانین الگ ہیں۔ معاشرت الگ ہے۔ تمدن الگ ہے اور تو اور زبان بھی الگ ہے۔

لفو: کیا یہ حقیقت ہے۔ میری دایہ مجھے اکثر ترکی حرم سرائے شاہی کے قصے سنایا کرتی تھی۔ بڑے ہی عجیب قصے ہیں۔

نسیم بک: اس دنیا کے قصے وہی جانتا ہے جو وہاں آیا ہو۔ میں نے اپنی والدہ سے سنے تھے۔ وہ کچھ عرصہ وہاں رہی تھیں۔

لفو: مہربانی کر کے کچھ مجھے بھی سنائیے۔

نسیم بک: یہ وقت سننے سنانے کا نہیں ہے۔

لفو: مختصر کر کے سنا دیجئے مجھے بڑا اشتیاق ہے۔

نسیم بک:۔ جہاز بندرگاہ میں داخل ہوگیا ہے۔ دیکھتی ہو بندرگاہ میں کس قدر جہاز بکھرے ہوئے ہیں۔ جہازوں کی دنیا بسی ہوئی ہے۔ جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی ہے جہازوں کے مستول، کمرے اور دخانی کشتیاں نظر آرہی ہیں۔ کیسا اچھا منظر ہے۔ ہمارا جہاز سگنلوں کے کے اشارے پر برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ مکان پہ پہونچ کر تمہیں شاہی محل سرا کے حالات سناؤں گا۔

چلتے چلتے دفعتہً جہاز رک گیا۔ لفو نے کہا "معلوم ہوتا ہے۔ سگنل نہیں ہوا۔ اب جہاز آگے نہیں بڑھے گا۔"

نسیم بک:۔ ہاں کچھ دیر یہیں ٹھہرنا ہوگا۔

لفو:۔ اتنے یہاں کھڑے ہیں۔ اتنے کچھ حالات سنائیے۔

نسیم بک:۔ ترکی شاہی محل سرا الگ ایک دنیا ہے۔ پہلے ترک سلاطین ترک لڑکیوں سے شادیاں کرتے تھے۔ مگر اب زیادہ تر کنیزوں سے کرتے ہیں۔ کنیزوں میں گرجستان یا کردستان کی مہوشیں فرانس یا یونان کی پری چہرہ لڑکیاں داخل کی جاتی ہیں۔ اور ان سے سلطانہ والدہ یعنی سلطان روم کی والدہ محترمہ سلطان کی شادی کے لیئے کسی کنیز کو منتخب کر لیتی ہیں۔

عام قاعدہ یہ ہے کہ شاہی محل سرا کے لیے بہت کمسن لیکن کمال خوبرو پری چہرہ نازک اندام اور دلکش تازہ انداز والی لڑکیاں خریدی جاتی ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرانس یونان، گرجستان اور کردستان کے لوگ اپنی نازنین اور مہجمال لڑکیوں کو خود ہی سلطان کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اور وہ لڑکیاں کنیزوں کے زمرہ میں شامل کر لے جاتی ہیں۔ یہ لڑکیاں جب شاہی محل میں داخل ہوتی ہیں تو عجمیہ گنوارنیں کہلاتی ہیں۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ چونکہ وہ محل سرا کے آداب و قوانین معاشرت اور تمدن سے واقف نہیں ہوتیں اس لیے گنوارنیں (عجمیہ) کہلانے کی مستحق بھی ہیں۔

ان لڑکیوں کو تربیت کے لیئے سن رسیدہ عورتیں کلفہ کے نام سے مشہور ہیں۔ کلفہ ان لڑکیوں کو سب سے اول لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیتی ہیں۔ جب وہ اچھی خاصی منشی اور ادیب بن جاتی ہیں۔ تب انہیں گانا سکھایا جاتا ہے۔ جب اس میں بھی مہارت حاصل کر لیتی ہیں تو انہیں سلیقہ شعار بنایا جاتا ہے یعنی قہوہ یا شربت سلطانہ والدہ یا خود سلطان کے

کے حضور میں پیش کرنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا جاتا ہے۔ یہ کام آسان نہیں بڑا مشکل ہوتا ہے اگر کوئی کنیز بدسلیقگی کرے تو اسے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اور ادنیٰ درجہ کے کنیزوں کے زمرہ میں ڈال دیا جاتا۔ ادنیٰ درجہ کی کنیزوں کی ماما، پیش خدمت، حمامن اور دھوبن وغیرہ بنایا جاتا ہے۔ اور جو کنیز خوش سلیقگی سے کام کرتی ہیں۔ وہ برابر ترقی کرتی رہتی ہیں۔ ان کنیزوں کو علائق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ کنیزیں یا علائق کلفہ کی منہ بولی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ اور کلفہ ان کے ساتھ بیٹیوں ہی جیسا سلوک کرتی ہیں۔ نہایت اچھا لباس اور قیمتی زیورات پہننے کو اور نہایت اچھے مکانات رہنے کو دیئے جاتے ہیں۔ وہ اس قدر آرام اور اطمینان سے رہتی ہیں۔ کہ اپنے گھروں اور والدین کو بھول جاتی ہیں۔

ان علائق میں سے جو مسلمان ہو جاتی ہیں اور پنجگانہ نماز پڑھتیں اور شریعت اسلامیہ کی پابند ہوتی ہیں۔ ان کی زیادہ قدر و منزلت کی جانے لگتی ہے۔ انہی علائق میں سے سلطانہ والدہ اور ملکۂ عالم کی میر منشی، معتمد اور ناظم دینیات اور ناظم عامہ بن جاتی ہیں۔

جب کوئی کنیز سلطان کو قہوہ یا شربت پلاتی ہے اور سلطان اسے نظر التفات سے دیکھ کر اس کے حسن و جمال کی ذرا بھی تعریف کر دیتے ہیں تو وہ علائق کے زمرہ میں سے علیحدہ کر دی جاتی ہے۔ اور گوئزدہ کا رتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ اس کے یہ معنی لیے جاتے ہیں۔ کہ اس کی ترقی کا دروازہ کھل گیا ہے۔ بڑھتے بڑھتے اس کا سلطان کا شریک حیات بن جانا ممکن ہے۔ گوئزدہ ہوتے ہی اسے ایک علیحدہ چھوٹا سا محل مل جاتا ہے۔ اور کئی کنیزیں اس کی خدمت کے لیے دے دی جاتی ہیں۔

اگر اس کی گوئزدہ کی قسمت نے یاوری کی اور کسی موقع پر سلطان نے اس کے خوبروئی اور حسن سلیقہ کی دوبارہ تعریف کر دی۔ تو وہ اقبال کا درجہ پالیتی ہے اور سلطان کا قرب اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ سلطان کی خدمت میں آنے جانے لگتی ہے۔ اس کا اعزاز بہت کچھ بڑھ جاتا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے اس کے بطن سے شاہزادہ یا شاہزادی پیدا ہو جاتے ہیں تو اسے خانم آفندی کا لقب مل جاتا ہے۔ اس کی عزت اور حشمت اور بڑھ جاتی ہے۔ اس کی بے شمار خدمتیں ہوتی ہیں۔

اگر سلطان کی اس پر اور توجہ ہوئی تو وہ اس سے باقاعدہ عقد کر لیتے ہیں۔ اور اب وہ قادن آفندی بن جاتی ہے۔ اسے اعلیٰ قسم کا محل عطا ہو جاتا ہے۔ شاہانہ ساز و سامان مل جاتا ہے۔ اس کی عشرت و عظمت بہت کچھ بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ سیاسیات میں بھی حصہ لینے لگتی ہے۔ وزراء اور اراکین سلطنت اس کے احکام کی تعمیل پر مجبور ہوتے ہیں۔ ایک سلطان کی قادن آفندی صرف چار ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ شرع اسلام نے چار بیویوں کی اجازت دی ہے۔ اگر حسن اتفاق سے کسی قادن آفندی کے بیٹے کو سلطان نے ولی عہد مقرر کر دیا (عام طور پر بڑا بیٹا ولی عہد ہوتا ہے) تو وہ باش قادن آفندی کہلانے لگتی ہیں۔ ان کا رتبہ بہت کچھ بڑھ جاتا ہے۔ وہ سلطان کے دل پر حکومت کرنے لگتی ہے۔ اور اس طرح ان کی حکومت سارے ملک پر ہو جاتی ہے۔ اور جب سلطان وفات پا جاتے ہیں اور باش قادن آفندی کا بیٹا تخت نشین ہو کر سلطان ہو جاتا ہے تو پھر باش قادن آفندی سلطانہ والدہ ہو جاتی ہے۔ اس وقت ان کی عزت و عظمت اور بڑھ جاتی ہے۔ ان کا حکم ماننا سلطان پر بھی فرض[1] ہوتا ہے۔

تم مختصر طور پر اس طرح سمجھو کہ سب سے بڑا مرتبہ سلطانہ والدہ کا ہے۔ ان کے بعد ولی عہد کی ماں باش قادن آفندی کا۔ ان کے بعد قادن آفندی کا۔ یہ تین رتبے سب سے بڑے ہیں۔ گویا ایک کنیز ترقی کر کے کرتے والدہ سلطانہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ جن کا رتبہ ترکوں میں سلطان سے بڑھ کر ہے۔ جس بات کا وہ حکم دیں سلطان اس میں چون و چرا نہیں کر سکتے۔ تمام اراکین سلطنت اور ساری رعایا بڑی خوشی سے ان کے حکم کی تعمیل کرتی ہیں۔

بفو بڑے غور سے ان باتوں کو سن رہی تھی۔ اس نے کہا۔ عجیب باتیں سنی ہیں۔ آج میں نے اس عیسائی اپنی لڑکیوں کو اپنی خوشی سے حرم سلطانی میں کنیزیں بنا کر بھیج دیتے ہیں۔ وہ نفع ہی میں رہتے ہیں۔ بعض لڑکیوں کی قسمت کھل جاتی ہے۔ اور وہ باش قادن آفندی بن جاتی ہیں۔

نسیم بک: یہی بات ہے۔ ادھر یہ کیا اشارہ کیا جا رہا ہے۔

---

[1] ہم نے یہ تمام واقعات و حالات ترکان آل عثمان میں سے اخذ کر کے اختصار کے ساتھ درج کیے ہیں۔ صادق صدیقی سردھنوی۔

اسی وقت کپتان نے آکر کہا: "سگنل دیا جا رہا ہے۔ کوئی بڑے افسر یا خود سلطان تشریف لا رہے ہیں۔"

نسیم بک: "میں نے سگنل دیکھ لیا ہے۔ تم استقبال کی تیاری کرو۔ تمام سپاہی وردیاں پہن کر مسلح ہو جائیں۔"

کپتان نے سپاہیوں کو مسلح ہونے کا حکم دیا اور وہ مسلح ہونے لگے۔

باب ۱۴

بفو سلطان کے حضور میں

نسیم بک اور بفو سامنے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس طرف سے ایک نہایت چھوٹا سا مگر خوبصورت جہاز آ رہا تھا۔ بفو نے دریافت کیا۔ "اس جہاز میں کون ہو سکتے ہیں۔"

نسیم بک: "میرے خیال میں اس جہاز میں خود سلطان المعظم ہیں۔ اکثر وہ چھوٹے جہاز میں بیٹھ کر شاخ زریں کی سیر کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی بندرگاہ میں جہازوں کی کیفیت اور بحری سپاہ کی حالت دیکھنے کے لیے آجاتے ہیں۔"

بفو: معلوم ہوتا ہے۔ سلطان خود سب باتوں کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔

نسیم بک: ہاں۔ انہیں بحری قوت بڑھانے کا بڑا خیال رہتا ہے۔

بفو: اور بری قوت بڑھانے کا خیال نہیں رکھتے۔

نسیم بک: خشکی پر کوئی قوم ترکوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ البتہ اگر بحری قوت مضبوط نہ ہو تو احتمال ہے کہ کوئی حکومت یلغار کر دے۔ اس لیے ترک سلاطین بحری قوت بڑھانے کی طرف

زیادہ کوشاں رہتے ہیں۔

لفو: "کیسا خوب صورت جہاز ہے جو آرہا ہے۔ خدا کرے اس میں سلطان ہی ہوں۔"

نسیم بک: اور آتے ہی ان کی نظر تم پر پڑ جائے۔

لفو: ہاں۔ اگر میں حرم سرا شاہی میں پہنچ جاؤں تو ترقی کر لوں۔

نسیم بک: تمہاری صورت ضرور اس قابل ہے۔ انسان تو انسان تم پر تو فرشتے بھی ریجھ جائیں۔

لفو نے شرمیلی نظروں سے نسیم بک کو دیکھ کر کہا۔ "کیوں بناتے ہو؟"

نسیم بک: میں بنا سکتا ہوں۔ اسے جیسے تو خدا نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

تجھے خدا نے ہاتھ سے اپنے تجھے روپت بنایا ہے۔

لفو نے شرارت بھری چتون سے دیکھ کر کہا۔ "اگر میں ایسی ہوں تو ضرور سلطان کے دل پر قبضہ کر لوں گی۔"

نسیم بک: بے وفا! کیا اپنا وعدہ بھول جاؤ گی۔

لفو ہنسنے لگی۔ اس کے سفید موتیوں جیسے دانت بجلی گرانے لگے۔ اب جہاز قریب آگیا تھا۔ شاہی سپاہی جھانک رہے تھے۔ نسیم بک نے کہا "خود سلطان روم ہی ہیں۔"

جہاز قریب آکر رک گیا۔ نسیم بک جلدی سے اتر کر دوسرے جہاز میں پہنچے۔ اس میں واقعی سلطان روم سلیم خاں ثانی تھے۔ وہ شاہی لباس پہنے تھے۔ ان کی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔ چہرہ کتابی تھا۔ داڑھی گول اور بڑی خوش نما تھی۔ پیشانی بلند اور کشادہ تھی۔ آنکھیں بڑی اور تیز سیاہ تھیں۔ جن سے ان کی ذہانت کا پتہ چلتا تھا۔ ان کے چہرہ سے بڑا رعب و جلال ظاہر تھا۔

نسیم بک نے قریب جا کر نہایت ادب سے انہیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دے کر دریافت کیا "تم کہاں سے آرہے ہو؟"

نسیم بک نے عرض کیا۔ "وینس سے آرہا ہوں۔"

سلطان: شاید تمہارا نام نسیم بک ہے۔

نسیم بک: اعلیٰحضرت نے خوب پہچانا۔ خانہ زاد کا یہی نام ہے۔

سلطان: تمہارے متعلق اطلاع ملی تھی کہ تم بحری ڈاکوؤں کا سراغ لگانے گئے ہو۔

نسیم بک: جلالت مآب کو صحیح اطلاع ہوئی تھی۔ میں بحری ڈاکوؤں ہی کے سراغ میں گیا تھا۔ ان کم بختوں کے ایک جہاز سے میرا مقابلہ ہو گیا۔

سلطان کے چہرہ سے واقعات معلوم کرنے کا اشتیاق ظاہر ہوا۔ انھوں نے کہا "سناؤ کیا ہوا؟"

نسیم بک نے مختصر ڈاکوؤں کے مقابلہ اور ان سب کو تہ تیغ کر دینے کا حال سنایا۔ سلطان کا چہرہ چمکنے لگا۔ انھوں نے کہا "تم نے خوب کیا۔ ما بدولت کی خواہش یہ ہے کہ بحری ڈاکوؤں کا چن چن کر خاتمہ کر دیا جائے۔ ان کے وجود سے سمندر پاک ہو جائے۔"

نسیم بک: بندگان عالی اس کی کوشش کر رہے ہیں۔ ڈاکوؤں پر سلطانی بیڑہ کی دھاک بیٹھ گئی ہے۔ اور صرف ڈاکوؤں پر ہی کیا بلکہ تمام سلطان

سلطان: ہم خشکی اور سمندر دونوں میں امن چاہتے ہیں۔

نسیم بک: عالم پناہ کی خواہش پوری ہو رہی ہے۔ اس وقت خشکی اور سمندر دونوں جگہ امن و امان ہے۔ یورپ کے بادشاہ سلطنت عثمانیہ کی شان و شوکت اور قوت و طاقت دیکھ کر دم بخود ہیں۔

سلطان: کیا ڈاکوؤں کا جہاز بھی گرفتار کر کے لائے ہو۔

نسیم بک: جی ہاں پیر و مرشد! میرے جہاز کے پیچھے ان کا جہاز ہے۔

سلطان: ان کے جہاز میں کوئی قابل تذکرہ چیز تو نہیں ملی؟

اب یہ ضروری ہو گیا کہ نسیم بک تمام مال غنیمت اور اس کے ساتھ ہی لفو کا ذکر بھی کریں۔ کیونکہ کوئی ترک اپنے سلطان سے کسی بات کو چھپانا اچھا نہیں سمجھتا تھا چنانچہ انھوں نے مال غنیمت کی تفصیل بیان کی اور لفو کا بھی ذکر کیا۔ سلطان نے مسکرا کر کہا۔ "لفو کوئی بہت ہی حسین لڑکی معلوم ہوتی ہے۔"

نسیم بک: جی ہاں! خاصی خوبصورت ہے۔

سلطان: ہمارا خیال ہے کہ یا تو ڈاکو اس کے حسن کی تعریف سن کر اسے اغوا کرنے گئے یا مکان میں داخل ہو کر اسے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گئے اور اسے بھی اٹھا لائے۔

نسیم بک:۔ خدا ہی جانتا ہے۔ کون سی بات ہوئی۔

سلطان:۔ اچھا! لفو کو ہمارے سامنے پیش کرو۔

نسیم بک کو امید نہیں تھی کہ سلطان ایسا حکم دیں گے۔ لیکن اب جبکہ سلطان نے حکم دیا۔ تو اس کی تعمیل ضروری ہوگئی۔ چنانچہ وہ سلام کرکے واپس ہوئے اور اپنے جہاز میں پہنچ کر لفو کے سامنے پہنچے۔ لفو نے شرارت سے کہا۔ "کہو سلطان سے کیا باتیں ہوئیں؟"

نسیم بک:۔ سلطان نے ڈاکوؤں کے حالات پوچھے تھے۔ وہ عرض کر دیئے۔ اب انھوں نے تمہیں طلب کیا ہے۔"

"مجھے"۔ لفو نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ ساتھ ہی وہ کچھ گھبرائی۔ نسیم بک نے کہا۔ "ہاں تمہیں۔ چلو سلطان انتظار کر رہے ہیں۔"

لفو:۔ "میں جانا نہیں چاہتی نسیم بک۔"

نسیم بک:۔ "میں بھی نہیں چاہتا کہ تم جاؤ۔ لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات۔ تمہیں چلنا اور مجھے لے چلنا ہی پڑے گا۔"

لفو چلی۔ دونوں اس جہاز سے اتر کر شاہی جہاز پر چڑھے۔ لفو کچھ پریشان ہوگئی۔ نسیم بک نے کہا۔ "حوصلہ رکھو لفو۔"

لفو:۔ میں وینس کے حکمران سے مل چکی ہوں۔ لیکن اس کی ملاقات کے وقت میرے دل پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اور اس وقت میں گھبرا رہی ہوں۔ حالانکہ میری تمنا تھی کہ سلطان کو دیکھوں۔

یہ دونوں سلطان کے سامنے پہنچے۔ لفو کے نازک لبوں پر خشکی دوڑ گئی تھی۔ رعب شاہی نے اسے مرعوب کر لیا۔ اس نے سلطان کو بڑے سلیقہ سے سلام کیا۔ سلطان نے اس کے روشن چہرہ پر نگاہ ڈالی۔ لفو کے جسم میں تھرتھری پیدا ہوگئی۔ سلطان نے نرمی سے کہا۔ "وینس کی حور!" تم اس وقت کچھ گھبرا گئی ہو۔ ڈرو نہیں۔ اگرچہ تم گرفتار ہو کر آئی ہو۔ مگر ہم کسی پر جبر نہیں کیا کرتے۔ اگر تم اپنے وطن جانا چاہو تو تمہیں بھیج دیا جائے گا۔ یہاں رہنا چاہو تو تمہیں شاہی محل سرا میں داخل کر دیا جائے۔ یا جہاں تم رہنا چاہو۔ وہاں رکھا جائے۔ سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا آرزو ہے۔"

لفو نے سلطان کو ڈرتے ڈرتے دیکھا۔ اور عرض کیا۔ "میری تمنا شاہی محلسرا دیکھنے کی ہے"

اس کی زبان سے یہ سنتے ہی نسیم بک کا چہرہ اتر گیا۔

سلطان نے نسیم بک سے کہا۔ "لفو ہمارے ساتھ جائے گی۔ اسے محل سرا دیکھنے کی تمنا ہے۔ تم اپنے جہاز پر واپس جاؤ۔"

نسیم بک سلام کر کے چلے گئے۔ انہیں افسوس ہوا کہ کس قدر بے وفائی کی ہے لفو نے۔ اگر وہ سلطان سے کہہ دیتی کہ وہ میرے پاس رہنا چاہتی ہے تو سلطان ہرگز اعتراض نہ کرتے۔ اور میرے پاس رہنے کی اجازت دے دیتے۔ مگر اسے باش قادن آفندی بننے کا شوق ہے محل سرا میں لے گیا۔ وہ افسوس کرتے ہوئے چلے گئے۔ شاہی جہاز واپس لوٹ کر محل سرا کی طرف روانہ ہوا۔

باب ۱۵

استعجاب

لفو کا استعجاب

لفو شاہی محل سرا میں پہنچ گئی تھی۔ اول تو شہر قسطنطنیہ شاخ زریں پر ایسے مقام پر واقع ہے۔ جو نہایت ہی دل فریب ہے۔ شہر کی دل کشی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ دنیا کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پھر شاہی محل سرا جو باسفورس کے کنارہ پر ہے۔ سارے شہر میں نہایت دیدہ زیب جگہ پر واقع ہے۔ اور محل سرا کیا ہے۔ واقعی الگ ایک چھوٹی سی دنیا ہے۔ اس میں متعدد شہر ہیں۔ یہ شہر محلات ہیں۔ ہر محل ایک چھوٹے سے شہر سے کم نہیں۔ چھوٹے

سے چھوٹا محل ایک میل لمبا ہے۔ ہر محل میں باغات اور تفریح گاہیں ہیں۔ کنیزوں، پیش خدمتوں ماماؤں، پرستاروں جنہیں کلفہ کہا جاتا ہے۔ اور دوسری عورتوں کے لیے چھوٹے چھوٹے مکانات ہوتے ہیں۔ توشہ خانہ، باورچی خانہ اور غسل خانہ ہوتا ہے۔ غسل خانہ ایک اچھا خاصا بڑا مکان ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ متعدد بارکیں اور اصطبل ہوتے ہیں۔

جس محل میں لیفوسے جائی گئی۔ وہ اس محل کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ یورپ میں اس زمانہ میں بڑے سے بڑے امیر کا بھی اتنا بڑا محل نہیں ہوتا تھا۔ جتنا ترکی سلطان کے ایک محل کا غسل خانہ ہوتا تھا۔ شروع شروع میں لیفو نے یہ سمجھا کہ وہ کسی شہر میں بھیجی گئی ہے۔ لیکن جب اسے اس کلفہ سے جس کے سپرد وہ تربیت کے لیے کی گئی تھی۔ یہ معلوم ہوا کہ یہ شہر نہیں بلکہ ایک چھوٹا سا محل ہے تو اسے بڑا ہی تعجب ہوا۔ اس نے کلفہ سے کہا۔ "یہ تم مجھے بنا رہی ہو یا سچ کہہ رہی ہو"

کلفہ نے ہنس کر کہا۔ "وینس کی حسینہ! شاہی محلات میں جھوٹ بولنے کی سخت ممانعت ہے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم نے ابھی بڑے محلات کہاں دیکھے ہیں۔ یہ چھوٹا سا محل ہے"۔

لیفو۔ اس محل میں سے محل میں کیا چیز نہیں ہے۔ بازار ہے۔ نزہت گاہیں ہیں۔ باغات ہیں۔ بے شمار مکانات ہیں۔ بارکیں ہیں۔ پہاڑ کا حصہ ہے۔ دریا ہے، دریا میں بجرے بیڑے ہیں۔ تالاب ہیں۔ نہریں ہیں۔ چڑیا خانہ ہے۔ غرض کیا چیز نہیں ہے۔

کلفہ: سب کچھ ہے۔ مگر پھر یہ محل ہی ہے۔ ترکی سلطان کا محل، شاہی محل سرا کا ایک حصہ۔ اس کے اندر کوئی مرد سوائے شاہزادوں کے نہیں آسکتا ہے۔ اور سلطان تو مالک ہے۔ وہ ہر محل اور محل کے ہر گوشہ میں جا سکتے ہیں۔ یہاں پہرہ دار یا تو خواجہ سرا ہیں یا حبش کی سانولی رنگت والی قدآور عورتیں۔ بازار سوداگر عورتیں ہیں۔ باغوں اور نزہت گاہوں میں مالنیں ہیں۔ بجرے چلانے والی ملاحوں کی بیٹیاں ہیں۔ تالابوں کی مہتمم اور چڑیا خانہ کی سیکرٹری بھی عورتیں ہیں۔ غرض شاہی محلسرا میں عورتیں یا خواجہ سرا ہیں۔ پھر یہاں کا یہ قانون ہے کہ ملاحنیں، مالنیں، سوداگر کنیزیں سب نوخیز و نوخیز، حسین و پری جمال لڑکیاں ہوتی ہیں۔ صرف مامائیں اور پیش خدمتیں ادھیڑ عمر کی ہوتی ہیں۔ وہ جب بھی ضعیفی کی حد کو پہنچنے لگتی ہیں تو یہاں سے ہٹا دی جاتی ہیں۔ اور ان کی پنشن مقرر کر دی جاتی ہے۔

لیفو: بازار میں جو دوکانیں ہیں ان کا مال کیا سلطان فراہم کرتے ہیں؟

کلفہ: نہیں۔ ترک سوداگروں کی لڑکیاں اپنے باپوں یا بھائیوں کے ذریعہ سے فراہم کرتی ہیں۔ جب مال آتا ہے تو پہلے مہتمم سے عامہ اجازت لے جاتی ہے۔

لیفو: مہتمم عامہ کون ہوتی ہیں۔

کلفہ: شاہی محل سرا میں سلطانہ والدہ کا حکم چلتا ہے ہر کام ان کی منظوری اور ان کے اشارہ سے ہوتا ہے۔ والدہ سلطانہ کے دربار کی معزز عہدہ دار بارہ[1] خاتونیں ہوتی ہیں۔ ان میں ایک مہتمم خزانہ ہوتی ہے۔ جو خزانہ دار استاد کہلاتی ہے۔ ایک معتمد پیش یعنی پرائیویٹ سیکرٹری ہوتی ہے۔ ایک مہر بردار ہوتی ہے۔ جس کے پاس والدہ سلطانہ کی مہر ہوتی ہے۔ وہ مہر کو بڑی حفاظت سے رکھتی ہے۔ والدہ سلطانہ کے ہر فرمان پر مہر لگائی جاتی ہے۔ ایک داروغہ توشہ خانہ ہوتی ہے۔ ایک داروغہ آبدار خانہ ہوتی ہے۔ ایک مہتمم کافی خانہ ہوتی ہے۔ ایک شربت پلانے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ایک مہتمم عامہ ہوتی ہے جس کے حکم سے کوئی چیز محل سرا سے باہر بھیجی جاتی اور باہر سے محل سرا میں لائی جاتی ہے۔ ایک مہتمم محافظان ہوتی ہے۔ جس کے حکم سے محل سرا کی حفاظت کی جاتی ہے۔ خواجہ سرا اور حبشنیں سب اس کی ماتحتی میں ہوتے ہیں۔ ایک نگران ہوتی ہے جو تمام محکموں کی نگرانی کراتی ہے۔ ایک معلمہ دینی ہوتی ہے جو شریعت اسلامی کی نگرانی کرتی ہے۔ ایک مہتمم معاملات خارجہ ہوتی ہے۔ وزراء، امراء، اراکین سلطنت رعایا یا غیر ممالک جو عرضداشت والدہ سلطانہ کے حضور میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کے ذریعہ سے کرتے ہیں۔

لیفو ان باتوں کو سنکر سخت حیران ہوئی۔ اس نے کہا۔ "آپ اسے محل بتا رہی ہیں۔ میں شہر سمجھ رہی ہوں۔ لیکن جو باتیں آپ نے ان بیان کیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو ایک ملک ہے جہاں والدہ سلطانہ حکومت کرتی ہیں۔ اور ان کے بارہ وزیر ہوتے ہیں۔

کلفہ نے ہنس کر کہا۔ "میری بھولی مجسمہ (گنوارن) ابھی تو محل سرا کی باتوں کو کیا سمجھے گی۔ ہاں

---

[1] از ترکان آل عثمان

جب رہے گی اور ترقی کرے گی۔ تیرا حسن وجمال کہہ رہا ہے کہ تو بہت جلد ترقی کر جائے گی۔ تب تو سب کچھ سمجھ جائے گی۔

لقو :۔ امی آج میں پھر بازار جانا چاہتی ہوں۔

جو کنیزیں کسی کلفہ کے سپرد کر دی جاتی ہیں وہ اس کلفہ کو منہ بولی بیٹیاں کہلاتی ہیں۔ اور کنیزیں اسے امی کہا کرتی ہیں۔ کلفہ نے کہا" میں عصر کی نماز پڑھ لوں تو تیرے ساتھ چلوں۔ بیٹی! تو اس قدر حسین اور پر جمال ہے کہ مجھے خوف رہتا ہے۔ کہیں تجھے کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ لقو میں نے اسی شہر میں سینکڑوں ایسی حسین لڑکیاں دیکھی ہیں جنہیں دیکھ کر دیکھتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔

کلفہ :۔ بھولی عجیبہ! یہ شہر نہیں محل ہے۔ کسی محل والی کے سامنے شہر نہ کہہ دینا۔ نہیں تو تجھے بنائے گی۔ اور بہت ہی بیوقوف سمجھے گی۔ واقعی اس محل میں کافی حسین لڑکیاں ہیں۔ لیکن ان میں ایک بھی تیرے پاسنگ نہیں۔ جا تو، سنگھار کر، عیسائیوں کی طرح نہ کرنا۔ وہ گنوار بن سنگھار کرنا اور بننا سنورنا کیا جانیں۔ جس طریقہ پر میں نے تجھے تعلیم دی ہے اور جیسا سنگھار اس محل کی خوبرو اور نوخیز لڑکیاں کرتی ہیں۔ ایسا کرنا۔ چونکہ تو عیسائی ہے۔ اس لیے یہ تجھے اختیار ہے اپنے دیس کا لباس پہن یا ترکی لباس بدل۔

لقو چلی گئی۔ کلفہ وضو کرنے لگی۔

باب ۱۶

سلطانہ

ادھر کلفہ نماز سے فارغ ہوئی۔ ادھر لقو سنگھار کر کے آگئی۔ اس نے نہایت ہی دیدہ زیب لباس پہنا۔ ایک عیسائی کنیز نے عیسائی دوشیزاؤں کے فیشن کے مطابق اس کا سنگھار کیا تھا۔ وہ کافی حسین پری چہرہ معلوم ہو رہی تھی۔ کلفہ اسے ساتھ لے کر چلی۔ اگرچہ پہلے ہی لقو اس محل کو دیکھ چکی تھی۔ ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ لیکن وہ اسے ایک شہر سمجھتی تھی۔ اور شہر سمجھ کر اسے دیکھا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ وہ تو ایک محل سا محل ہے۔ تو اسے بڑا تعجب ہوا اور اب محل سمجھ کر دیکھنے چلی۔ یوں پھلواری ہر پارک اور ہر عمارت کے سامنے تھی۔ لیکن کئی پارک اور نزہت گاہیں تھیں۔ سب سے پہلے وہ ایک نزہت گاہ میں پہنچی۔ نہایت ہی عمدہ طریقہ پر تختہ بندی کی گئی تھی۔ روشیں کشادہ اور صاف تھیں۔ کیاریوں میں پھولوں کے پودے تھے۔ تختوں میں پھلوں اور میوؤں کے درخت تھے انگور کی بیلیں کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ آرام دہ کوچیں پڑی تھیں۔ نرم اور سبز گھاس کے کئی لان تھے۔ اس کی نگہداشت نوخیز و کمان ابرو مالنیں کرتی تھیں۔ ان دونوں یعنی کلفہ اور لقو کو ان مالنوں نے گلدستے پیش کیے۔ کلفہ نے انہیں انعام دیا۔ ایک شوخ مالن نے ایک پھول لقو کے سینہ پر اٹکا دیا۔ اور کچھ اس طرح گداز سینہ کو چھوا۔ کہ وہ اچھل پڑی۔ مالن مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

وہاں سے وہ تالاب پر پہنچی۔ تقریباً سو گز مربع تالاب تھا۔ اس کا پانی صاف اور مقطر تھا۔ اس میں کئی چھوٹی چھوٹی کشتیاں چلانے والیوں کے لیے مکانات بنے ہوئے تھے۔ باقی تین کناروں پر کشادہ سڑک کے دونوں کناروں پر سرو و شمشاد کے درخت کھڑے تھے۔ ان دونوں نے ایک بجرہ میں بیٹھ کر سیر کی۔ اور جب بجرہ سے اتریں تو کلفہ نے بجرہ والیوں کو انعام دیا۔

اب وہ بڑھ کر بازار میں پہنچی۔ دکانیں نہایت خوب صورت اور سڑک سے اونچی تھیں۔ بڑے سلیقہ سے آراستہ کی گئی تھیں۔ ایک قسم کے سامان کی دوکانیں ایک ہی جگہ تھیں۔ مثلاً"

وہ چلی گئی۔ لفو نے پوچھا "شہزادی سلطانہ کون ہیں"۔

کلفہ: اعلیٰ حضرت شہنشاہ روم سلطان سلیم خاں ثانی کی صاحبزادی ہیں۔ اکثر ان کے ساتھ ان کے بھائی بھی آیا کرتے ہیں۔ ان کا نام مراد خاں ہے۔

لفو: مراد خاں اور ان کی بہن دونوں جوان ہوں گے۔

کلفہ: جوان کیا نوجوان ہیں۔ شاہزادی چھوٹی ہیں۔ مراد خاں بڑے ہیں۔ دونوں بھائی بہنوں میں بڑی محبت ہے۔

لفو: اور دونوں خوبصورت بھی ہوں گے۔

کلفہ: ترکی شاہزادہ اور شاہزادی ہیں۔ ان کی خوبصورتی میں کیا شک ہے۔ حور کو نہ دیکھا، ترکی شاہزادی کو دیکھ لیا اور غلمان کو نہ دیکھا ترک شاہزادہ کو دیکھ لیا۔

لفو: یہ محل کس قدر اچھا ہے۔

کلفہ: اس محل میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اسی لیے یہاں شاہزادے، شاہزادیاں اور سلطان بہت آتے ہیں۔ دوسرے محلات البتہ بہت اچھے اور دیکھنے کے قابل ہیں۔

لفو: کیا مجھے ان محلوں کی سیر نہ کراؤ گی اُخّی۔

کلفہ: میری یہ مجال کہاں ہے۔ صرف والدہ سلطانہ اس کی اجازت دے سکتی ہیں۔ ان کے حکم سے ہی ایک محل والیاں دوسرے محل میں جا سکتی ہیں۔ دیکھو کوئی ہو گیا تو کوشش کروں گی۔

لفو: "میں تھک گئی ہوں"۔

کلفہ: ضرور تھک گئی ہو گی۔ آگے چوپلہ ہے۔ یہ بازار چوسٹر کا ہے۔ یہ چوپلہ پر بڑی رونق رہتی ہے۔ وہاں قریب ہی گاڑیوں کے اڈے ہیں۔ وہاں سے کوئی گاڑی کرایہ کر لیں گے۔

یہ دونوں چلیں۔ جب چوپلہ پر پہونچیں تو وہاں کی شاندار دوکانیں اور ان کا بازو سامان، ان کی سجاوٹ اور دوکان دار لڑکیوں کا خوش نما لباس زیورات اور حسن و جمال دیکھ کر لفو بڑی متحیر ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے دنیا بھر کی پری جمال لڑکیاں لا کر وہاں جمع کر دی

سادہ کاری کی صرافہ کی، جوہری کی دو کانیں، دونوں طرف ایک ایک جگہ، بزازہ کی ایک جگہ، بساط کی ایک جگہ، گوٹے ٹھپہ کی ایک جگہ، اسی جگہ بیل بوٹوں کی۔ اپنے دیس کی چیزوں کی ایک جگہ اور غیر ملک کی ایک جگہ سوداگرنیں سب نوعمر و نوخیز حسین و نازنین تھیں۔ جس دوکان پر وہ گئیں۔ دوکاندار مہ جبیں بڑے اخلاق سے پیش آئی۔ کئی چیزیں لفو نے پسند کیں اور کلفہ نے خرید دیں۔

دوکانوں پر عورتوں اور لڑکیوں کا ہجوم تھا۔ یہ سب اسی محل کی رہنے والی تھیں۔ بالکل نوچندی اور نمائش کی سی گھما گھمی ہو رہی تھی۔ نوبرو لڑکیاں بڑی نزاکت و دلربائی کے ساتھ بازار جا رہی تھیں۔ کئی کلفہ اپنے ساتھ بچیوں یعنی اپنی منہ بولی بیٹیوں کو ساتھ لیے گھوم رہی تھیں یا کچھ خرید رہی تھیں۔ لیکن جس قدر بھی لڑکیاں اور عورتیں تھیں۔ خریدنے اور لینے بیچنے والی۔ سب عمدہ اور نفیس لباس پہنے تھیں۔ خوب سنگھار کیے تھیں۔ بالکل پریاں معلوم ہوتی تھیں۔ بازار پری خانہ بنا ہوا تھا۔

چونکہ لفو کافی خوبصورت تھی۔ اس لیے ہر کلفہ اور اس کے ساتھ کی مہ جمال لڑکیاں اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ایک کلفہ سے نہ رہا گیا۔ اس نے کہا "اے بی (کلفہ) تمہاری یہ بیٹی چشم بد دور بڑی خوبصورت ہے۔ عجب نہیں کہ یہ بہت جلد صاحب اقبال بن جائے اور تمہاری قسمت بھی کھل جائے"۔

اس کلفہ نے ہنس کر کہا "تم میری بیٹی کو نظر نہ لگا دینا"۔

وہ: اگر یہ ترکی لباس پہن لے تو اور بھی حسین معلوم ہونے لگے۔

یہ: اسے اپنا ہی قومی لباس پسند ہے۔

وہ: آج شہزادی سلطانہ آئی ہوئی ہیں۔

شہزادی سلطانہ سلطان کی بیٹی یعنی شاہزادی کو کہتے ہیں۔ اس کلفہ نے کہا "تم نے خود دیکھا ہے"۔

وہ: نہیں سنا ہے۔

یہ: کس طرف ہیں وہ۔

وہ: غربی دروازہ سے آرہی ہیں۔

گئی ہوں۔ اس پر چوپلر پر بڑی بھیڑ تھی۔ یہ دیکھتی پھر رہی تھیں۔ کہ ہٹو بچو کا غل ہوا۔ بچاس جشتنیں زرق برق لباس پہنے پیچھے لگائے، چھوٹی بندوقیں حمائل کئے، برچھیاں ہاتھوں میں اٹھائے چار چار کی قطاریں گھوڑوں پر سوار آ رہی تھیں۔ ایک جشتن افسر آگے تھی، ایک پیچھے۔

ان کے پیچھے ایک نہایت خوبصورت لینڈو آ رہی تھی۔ جس میں چار گھوڑے جتے ہوتے تھے چاروں گھوڑوں پر چار لڑکیاں اچھا لباس پہنے بڑی آن بان کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ گاڑی میں سلطانہ (شاہزادی) سوار تھی۔ بڑی ہی خوب صورت تھی۔ نزکی چست لباس زیب تھا۔ سرخ و سفید رنگ تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی اور کیلی تھیں۔ گلے میں جواہرات کا ایک ہار تھا اور کانوں میں یاقوت و زمرد کے بڑے ہی خوبصورت رنگ تھے۔ گاڑی کے برابر چار چار خواجہ سرا گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور پیچھے بیس جشتنیں قطار در قطار گھوڑوں پر سوار تھیں۔ ہر عورت جو بازار میں گھوم پھر رہی تھیں۔ سلطانہ کو سلام کرتی جاتی تھیں۔ وہ بڑی شان بے پروائی سے بیٹھی تھی۔ جب لفو اور اس کی کلفہ شاہزادی کے سامنے پہنچیں اور شاہزادی کی نظر لفو پر پڑی تو وہ چونکی۔ اس نے گاڑی رکوائی اور لفو اور کلفہ کو اپنے حضور میں طلب کیا۔

کلفہ نے لفو سے کہا۔ نہایت سلیقہ سے سلطانہ کو سلام کرنا۔ اور نہایت شائستگی سے جوابات دینا۔ اگر سلطانہ خوش ہوگئیں تو تیری اور میری دونوں کی قسمت کھل جائے گی۔

یہ دونوں بڑھ کر سلطانہ کے حضور میں پہنچیں اور بڑے ادب سے دونوں نے سلام کیا۔ سلطانہ نے بڑے ناز سے سلام کیا۔ اور کلفہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اس لڑکی کا کیا نام ہے؟"

کلفہ:۔ لفو ہے۔

سلطانہ:۔ کہاں کی رہنے والی ہے؟

کلفہ:۔ وینس کی۔ یہ بحری ڈاکوؤں سے چھڑا کر لائی گئی ہے۔

سلطانہ:۔ اوہ ہم سمجھ گئے۔ جلالتمآب سلطان المعظم نے اسے تمہارے سپرد کیا ہے۔

کلفہ:۔ جی ہاں۔

سلطانہ:۔ یہ لڑکی ہمیں بہت پسند آئی۔ لفو آگے بڑھو۔

لفو آگے بڑھی۔ سلطانہ نے اپنے گلے سے جواہرات کا ہار اتار کر اس کی صراحی دار گردن میں ڈال دیا۔ لفو نے بڑی ہی شائستگی سے ان کا شکریہ ادا کیا۔ سلطانہ نے ایک گلوبند جو کئی ہزار کی مالیت کا تھا۔ کلفہ کو دیکھ کر کہا۔ "یہ تمہاری تربیت کا انعام ہے۔ ہم آج ہی والدہ سلطانہ سے لفو کی درخواست کریں گے۔"

انھوں نے گاڑی بڑھانے کی اشارہ کیا۔ شاہزادی کی سواری بڑھی۔ کلفہ اس وقت بہت خوش معلوم ہوتی تھی۔ اس نے کہا۔ "لفو! ہماری قسمت کھل گئی۔ تیری صورت ایسی دلکش ہے کہ ہر دیکھنے والا تجھ پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اب یقیناً آج ہی یا کل تو سلطانہ کے حضور میں پہنچا دیا جائے گی۔"

لفو:۔ میری خوش بختی میں تمہاری تربیت کو بڑا دخل ہے۔ مگر امی میں بہت تھک گئی ہوں۔

کلفہ:۔ ہاں آؤ۔ گاڑی میں سوار ہو کر چلیں گے۔ اس ہار نے تیری صورت کو کس قدر جگمگا دیا ہے۔

دونوں ایک گلی میں داخل ہو کر گاڑیوں کے اڈے پر پہنچیں۔ گاڑی والیاں بھی حسین لڑکیاں تھیں وہ ایک گاڑی میں سوار ہو کر روانہ ہوئیں۔

باب ۱۷

شاہزادہ مراد خاں

لفو دوسرے ہی روز سلطانہ کے حضور میں پہنچ گئی۔ اور سلطانہ کی سفارش پر وہ کلفہ جس نے تربیت دی تھی۔ والدہ سلطانہ کی خدمت میں منتقل کر دی گئی۔ یہ کلفہ نہایت ہی ہوشیار تعلیم یافتہ عاقلہ وفادار اور جاں نثار تھی۔ اس نے بہت جلد والدہ سلطانہ کے نزدیک بڑا [illegible] پا رو

اعتماد حاصل کر لیا۔ کوئی چھ مہینے کے بعد اتفاق سے پرائیویٹ سیکرٹری کا انتقال ہو گیا۔ جو کنیز اس کی جگہ یہ کلفہ مقرر کر دی گئی۔ اس کا نام حفیندا تھا۔

پرائیویٹ سیکرٹری کا عہدہ بڑا زبردست تھا۔ اس عہدہ دار کو قایہ کہتے تھے۔ والدہ سلطانہ کو خوش رکھنے کے لیے قایہ کو خوش رکھنا بھی ضروری تھا۔ قایہ کو بڑے بڑے تحائف وہ لوگ دیتے تھے جو والدہ سلطانہ کی خدمت میں عرضداشت پیش کرنا چاہتے تھے۔ بسا اوقات سلطانہ یعنی شہزادیوں کو بھی تحائف دینے پڑتے تھے۔ اور والدہ سلطانہ اور خود سلطان ہر عید یا جشن سالگرہ وغیرہ میں کافی انعامات دیتے تھے۔ سچ یہ ہے کہ حفیندا کی قسمت کھل گئی۔ تھوڑے ہی دنوں میں تحائف اور انعام کی دولت اس کے پاس اس قدر جمع ہو گئی کہ وہ بڑی مالدار بن گئی۔

لبقو، سلطانہ کے پاس ان کی سہیلی بن کر رہنے لگی۔ کئی کنیزیں پیش خدمتیں، مامائیں اس کی خدمت کے لیے اور کئی حبشنیں اور خواجہ سرا اس کی حفاظت کے لیے مقرر ہو گئے۔ اسے ایک نہایت خوبصورت اور عمدہ محل رہنے کو دیا گیا۔ یہ محل سرائے محل میں واقع تھا۔ سرائے محل تمام شاہی محلوں میں سب سے اچھا اور بڑا محل تھا۔ اس کی نزہت گاہیں بڑی دل کش تھیں۔ نہریں بڑی اور اچھی تھیں۔ دریائے باسفورس کی ایک شاخ محل میں لائی گئی تھی۔ یہ کافی چوڑی اور گہری تھیں۔ اس میں نہایت خوبصورت بجرے پڑے رہتے تھے۔ ان بجروں میں جو ملاح لڑکیاں تھیں۔ وہ بڑی خوبصورت اور گلفام تھیں۔ دریا کی شاخ کے دونوں کناروں پر باغات پھیلے ہوئے تھے۔ جن میں طرح طرح کے پھل اور قسم قسم کے میوؤں درخت اور عمدہ قسم کی انگوروں کی بیلیں تھیں۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کا اور پہاڑ کے ملحق جنگلات کا بھی حصہ تھا۔ بازار کئی تھے۔ ہر بازار مختصر لیکن نہایت اچھا تھا۔ اس محل کی مالنیں، دوکاندار لڑکیاں، دھوبنیں سب ہی نوخیز و دل ربا تھیں۔ یہاں تک کہ بھنگنیں بھی ایسی کمان ابرو اور خوبصورت تھیں کہ شریف زادیاں معلوم ہوتی تھیں۔ اس کا اصطبل بہت بڑا تھا۔ گھوڑوں اور گاڑیوں کی دیکھ بھال لڑکیاں ہی کرتی تھیں۔ سب نہایت اچھا لباس پہنتی تھیں۔ بعض دوسرے دن کپڑے بدلتی تھیں اور بعض روزانہ۔ محل کاہے کو تھا۔ جنت تھی۔ اور لڑکیاں کاہے کو تھیں، حوریں تھیں۔

لبقو کا محل نہایت شان دار اور بڑا آراستہ تھا۔ ہر کمرہ میں دبیز قالینوں کا فرش تھا

دروازوں پر ریشمی پردے پڑے رہتے تھے۔ کوچ دار صوفے بڑے پر تکلف تھے۔ کرسیاں اور میزیں نہایت اچھی تھیں۔ غرض اسے اس قدر ساز و سامان ملا تھا۔ جو اس کے باپ کے پاس بھی نہ تھا۔ وہ اس حالت میں بہت خوش تھی۔ سلطانہ اس پر بڑی مہربان تھی۔ اکثر وہ سلطانہ ہی کے پاس رہتی تھی۔ کبھی کبھی سلطانہ اس کے پاس بھی چلی آتی تھی۔

لبقو اپنے مذہب کی بڑی پابند تھی۔ وہ عیسائی طریقہ پر عبادت کیا کرتی تھی۔ چونکہ وہ دیکھتی تھی کہ محل کی تمام عورتیں اور لڑکیاں نماز، روزہ کی بڑی پابند ہیں۔ اس لیے وہ بھی اپنے مذہب کی پابند تھی۔

جو عیسائی لڑکیاں کنیزیں شاہی محل سرا میں داخل ہوتی تھیں۔ وہ چند ہی روز کے بعد مسلمان ہو جاتی تھیں۔ لیکن لبقو مسلمان نہیں ہوئی تھی۔ کسی نے اب تک اس سے مسلمان ہونے کو بھی نہیں کہا تھا۔ اس نے شاہزادہ مراد خاں کی بڑی تعریف سنی تھی۔ اسے ان کے دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ لیکن ابھی تک وہ انہیں نہ دیکھ سکی تھی۔ حالاں کہ اسے وہاں رہتے ہوئے ایک سال گزر گیا تھا وجہ یہ تھی کہ شاہزادہ مراد زیادہ تر باہر رہتے تھے۔ وہ صوبہ منگنیشیا کے گورنر تھے۔ اور انتظام و انصرام کے سلسلہ میں اکثر وہیں رہتے تھے۔

اس نے کئی مرتبہ سلطان سلیم خاں کو دیکھا تھا۔ کیونکہ سلطان اپنی بیٹی کے پاس اکثر آتے رہتے تھے۔ وہ ادھیڑ عمر کے تھے۔ ان کے قویٰ مضبوط تھے۔ اگرچہ ان کی عمر پچاس سال سے بڑھ گئی تھی۔ لیکن دیکھنے میں چالیس سال کے معلوم ہوتے تھے۔

ایک روز لبقو سلطانہ کے پاس بیٹھی تھی۔ دونوں میں بڑی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔ شاہی محل سرا کا یہ قانون تھا کہ ہر عورت بنی سنوری رہے۔ سلطانہ اور لبقو دونوں نہایت عمدہ لباس پہنے تھیں۔ دونوں خوبصورت تھیں۔ بڑی حسین معلوم ہو رہی تھیں۔

جب کہ وہ دونوں باتوں میں مشغول تھیں۔ کئی کنیزیں دوڑتی ہوئی آئیں۔ انہوں نے کہا "شاہزادہ عالی جاہ تشریف لا رہے ہیں۔"

چونکہ شاہزادہ مراد ولی عہد تھے۔ اس لیے انہیں شاہزادہ عالیجاہ کہتے تھے۔ سلطانہ سنبھل

نے لبقو سے کہا۔ تمہیں شاہزادہ عالی جاہ کو دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ لو اس

وقت وہ تشریف لا رہے ہیں۔ آج تمہاری تمنائے دید پوری ہو جائے گی۔"

ابھی یقوبی کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ شاہزادہ مراد خاں آ گئے۔ سلطانہ نے سرو قد کھڑے ہو کر سرمگیں آنکھوں اور خنداں پیشانی سے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔ یقوبی سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

شاہزادے نے آتے ہی سلطانہ سے کہا۔ "میری اچھی بہن سلطانہ اچھی تو ہو؟"

سلطانہ نے بڑے ناز سے تبسم کے پھول بکھیرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بلا سے شہزادہ عالیجاہ"

مراد خاں:۔ ہم نے کئی مرتبہ کہا۔ سلطانہ کہ تم ہمیں شاہزادہ عالی جاہ نہ کہا کرو۔ بھائی جان کہا کرو۔ لیکن تم سنتی ہی نہیں ہو۔

سلطانہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور ہم نے کئی مرتبہ کہا کہ تم ہمیں سلطانہ نہ کہا کرو۔ بہن کہا کرو۔ مگر تم مانتے ہی نہیں ہو۔"

مراد خاں:۔ اچھا اب ہم تمہیں بہن ہی کہا کریں گے۔

سلطانہ:۔ ہم تمہیں بھائی جان کہا کریں گے۔

مراد خاں:۔ بڑی شریر ہو۔ ہماری باتیں دوہرا رہی ہو۔

سلطانہ:۔ بڑے شریر ہو۔ جو ہم کہہ رہے ہیں وہی کہہ رہے ہو۔

یقوبی آنکھیوں سے شاہزادہ کو دیکھ اور ان کی دونوں کی باتیں سن سن کر مسکرا رہی تھی۔ شاہزادہ کی نظر اس حور وطلعت پر جا پڑی۔ ایک حیرت تھی جو ان پر چھا گئی۔ انھوں نے کہا۔ "یہ تمہاری سہیلی ہیں؟"

یقوبی نے آنکھیں اٹھا کر شہزادہ کو دیکھا۔ شاہزادہ پہلے ہی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ نظروں کا ملنا تھا کہ شہزادہ کے دل میں ایک تیر ترازو ہو گیا۔

سلطانہ نے کہا۔ "ہاں یہ میری سہیلی یقوبی ہے۔"

شاہزادہ نے سنبھل کر کہا۔ وہی دلیس کی حور جسے نسیم بک بحری ڈاکوؤں سے چھڑا کر لائے تھے

سلطانہ:۔ جی ہاں۔

مراد خاں:۔ جیسی ان کی تعریف سنی تھی۔ اس سے زیادہ یہ ماہرو اور نازنین ہیں۔

سلطانہ نے مسکرا کر کہا۔ "بیشک۔ کہیں تم میری سہیلی کو نظر نہ لگا دینا۔"

مراد خاں بیٹھ گئے۔ اور ان کے سامنے سلطانہ اور یقوبی دونوں بیٹھ گئیں۔ یقوبی شرما رہی تھی اس کے شرمانے کی ادا بڑی ہی ایمان شکن تھی۔ وہ کبھی کبھی کن انکھیوں سے شاہزادہ کو دیکھ لیتی تھیں۔ شاہزادہ کی نظریں اسے پیار کر رہی تھیں۔

دیر تک شاہزادہ مراد بیٹھے باتیں کرنے اور گرم نظروں سے یقوبی کو دیکھتے رہے۔ اگرچہ یقوبی عیسائی لڑکی تھی۔ مردوں سے باتیں کرنے میں اسے حجاب نہیں ہوتا تھا۔ اس کا دل بھی شاہزادہ سے باتیں کرنے کو چاہتا تھا۔ لیکن ایک تو شاہزادہ کا رعب دوسرے جس ماحول میں اس نے آ کر تربیت حاصل کی تھی اور یہاں آ کر جو حیا اور شرم کی اسے تعلیم ملی تھی۔ اس نے اسے بے حجاب نہ ہونے دیا۔ اس نے گفتگو میں بہت کم حصہ لیا۔ بت طنازنی بیٹھی رہی۔ شاہزادہ کو اس کے بھولے پن پر اور بھی پیار آتا رہا۔

شاہزادہ معمول سے زیادہ دیر تک بیٹھے رہے۔ دراصل ان کا وہاں سے جانے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن جانا ضرور تھا۔ سلطانہ اور کنیزوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو جانے کے ڈر سے وہ اٹھے۔ اور چلے گئے۔ لیکن ایک عجیب لذت آمیز خلش لے کر۔ یقوبی اور سلطانہ قاعدہ کے مطابق انہیں اس محل کے دروازہ تک پہنچانے گئیں۔ جب وہ چلے گئے تو دونوں واپس لوٹ آئیں۔ سلطانہ نے کہا۔ "یہ تھے شاہزادہ عالیجاہ"

یقوبی نے فوراً ہی کہا۔ "بڑے دلچسپ ہیں"

سلطانہ:۔ وہ تمہاری طرف زیادہ متوجہ تھے۔ یقوبی تمہاری صورت سے   کہ بڑے متقی پرہیزگار اور زاہد صد سالہ کو بھی اپنا گرویدہ کر لے۔

یقوبی:۔ کیوں مجھے بناتی ہو۔

سلطانہ:۔ سچ! میں نہیں بناتی۔ یہ حقیقت ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ تم پر مائل ہو چکے ہیں۔

یقوبی:۔ ہو گا۔ کچھ اور باتیں کرو۔

سلطانہ:۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم بڑی سنگدل ہو تمہیں شاہزادہ کا خیال بھی نہ ہو گا۔

یقوبی:۔ اچھا تو اب تمہارے پاس گفتگو کا کوئی اور موضوع ہی نہیں رہا۔

سلطانہ اور باتیں کرنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد لِقو نے اجازت لی اور وہاں سے اپنے محل کی طرف روانہ ہوئی۔ اس کا محل اس محل کے قریب ہی تھا۔ جب وہ جا رہی تھی تو شاہزادہ مراد خاں کے متعلق سوچتی جا رہی تھی۔ کیا؟ اسے وہی جانتی تھی یا اس کا دل۔

باب ۱۸

اعتراف

شاہزادہ مراد خاں کا اب یہ ورد ہو گیا تھا کہ روزانہ کسی نہ کسی بہانہ سے سلطانہ کے پاس آتے اور گھنٹوں بیٹھ کر ۔ کبھی تو ایسا ہوتا کہ لقو انہیں وہیں بیٹھی مل جاتی۔ کبھی تھوڑی ہی دیر کے بعد آ جاتی۔ کبھی بالکل نہ آتی۔ جس روز وہ نہ آتی اس روز مراد خاں کو بڑی تکلیف ہوتی۔ شروع شروع میں تو وہ سلطانہ سے بھی اپنا راز چھپاتے رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ کچھ کچھ کہنے لگے۔ مثلاً جب لقو نہ ہوتی تو پوچھ لیتے۔ آج تمہاری لقو نہیں آئی۔ وہ کہہ دیتی اب آتی ہو گی۔ وہ انتظار کرنے لگتے۔ اگر وہ کسی روز نہ آ سکتی تو وہ کہتے۔ کیا تم لقو سے کچھ ناخوش ہو گئی ہو۔ وہ کہتی نہیں تو۔

شاہزادہ:۔ کچھ وہ ناخوش ہو گئی ہے۔

سلطانہ:۔ وہ غریب کیا ناخوش ہوئی۔

شاہزادہ:۔ تو پھر بلا لو اسے۔

سلطانہ: مسکرا کر کہتی "کیوں بلا لوں؟"

شاہزادہ کچھ محجوب ہو کر کہتے۔ "اس کی باتیں بڑی دل چسپ ہیں۔"

سلطانہ اسے بلوا لیتی۔ مراد خاں اگرچہ شاہزادہ تھے۔ اور شاہزادہ سوائے سلطان یا دارۃ

سلطانہ اور اپنی والدہ باش قادن آفندی کے سوا کسی سے مطلق نہ ڈرتے تھے۔ لیکن لقو سے وہ کچھ خوفزدہ سے رہتے تھے۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہ خوف رہتا تھا کہ کہیں وہ ناخوش نہ ہو جائے۔

لقو کچھ کھنچی کھنچی سی رہتی تھی۔ وہ بھی کھل کر باتیں نہ کرتی تھی۔ جب شاہزادہ باتوں کا سلسلہ شروع کرتے تو یا تو وہ چپ بیٹھی سنتی رہتی یا ہوں، ہاں، خوب، اچھا، صرف یہ مختصر الفاظ کہہ دیتی۔ مراد خاں کی اس سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ سیم تن مہ جمال اچھی طرح باتیں کرے۔ مگر وہ ڈھب پر نہ آتی تھی۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ جب مراد خاں سلطانہ کے پاس آئے تو شاہزادی کو کسی ضرورت سے بازار جانا تھا۔ انھوں نے گاڑی کی تیاری کا حکم دے دیا تھا۔ جب مراد خاں آئے تو انہوں نے اسے پرتکلف کپڑے پہنے دیکھ کر پوچھا "کہاں جانے کا ارادہ ہے۔"

سلطانہ نے جواب دیا۔ "بازار جا رہی ہوں۔"

مراد خاں:۔ "کیا تنہا؟"

سلطانہ:۔ لقو کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ آئی نہیں۔ سوچا تنہا ہی سہی ۔ لیکن اب تم آ گئے ہو۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔

مراد خاں:۔ "آخر بازار سے لانا کیا ہے؟

سلطانہ:۔ بہت کچھ۔

مراد خاں:۔ ایک دو چیزوں کے نام تو گنواؤ۔

سلطانہ:۔ "سنا ہے۔ آج کچھ نیا مال آیا ہے۔ کوئی چیز پسند آ گئی تو لیتی آؤں گی۔"

مراد خاں:۔ لاحول ولاقوۃ۔ میں سمجھا کسی خاص چیز کی ضرورت ہے۔ بے کار حیران ہونے سے کیا فائدہ۔ بیٹھو بھی۔

سلطانہ:۔ تم جانتے ہو۔ جب میں کسی بات ارادہ کر لیتی ہوں تو اسے پورا کر کے چھوڑتی ہوں۔ اب ارادہ کر چکی ہوں۔ گاڑی تیار کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ بیٹھ کیسے سکتی ہوں۔

مراد خاں:۔ بالکل نہیں۔ اچھا ہو آؤ۔ ہم جا رہے ہیں۔"

سلطانہ:۔ میں بہت جلد آجاؤں گی۔ میرے آنے تک ٹھہرو۔

مراد خاں خود ٹھہرنا چاہتے تھے۔ لیکن سلطانہ سے ٹھہرنے کے لیے کہلانا چاہتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے ذرا مری سی زبان سے جیسے بہت زور پڑا ہو کہا۔ "اچھا" "شکریہ" سلطان نے کہا اور مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

مراد خاں بیٹھ گئے۔ انھوں نے دل بہلانے کے لیے کتاب جو میز پر رکھی تھی۔ ہاتھ میں لے لی۔ یہ اورخان کی تاریخ تھی۔ ترک سلاطین کے مورث کی۔ جن سے بادشاہوں کی نسل چلی تھوڑی سی کتاب پڑھ کر انھوں نے رکھ دی اور دعا مانگی کہ لفو آجائے۔

بعض وقت کی دعا بہت ہی جلد قبول ہو جاتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں دیکھتے ہی کیا ہیں کہ لفو بڑی حشر سامانیوں اور کفر آرائیوں کے ساتھ بڑھی چلی آرہی ہے۔ اسے دیکھتے ہی شاہزادہ مراد کا رواں رواں کھل گیا۔ لفو بڑی استغنائی اور حوروں کی سی شان کے ساتھ آکر مراد خاں کے پاس کھڑی ہوگئی اور اِدھر اُدھر اس انداز سے دیکھنے لگی جیسے وہ سلطانہ کو تلاش کر رہی ہو۔ مراد خاں نے کہا "تم بڑی دیر میں آئیں"۔

لفو نے شرمیلی نظروں سے انہیں دیکھ کر کہا۔ "جی"۔

مراد خاں۔ تم شاید سلطانہ کو دیکھ رہی ہو۔

لفو:۔ جی ہاں۔

مراد خاں:۔ وہ تو بازار جاچکیں۔

لفو:۔ اچھا۔

مراد خاں:۔ بیٹھ جاؤ۔

لفو:۔ نہیں۔

مراد خاں:۔ لفو تمہیں ان چند الفاظ ہاں، جی، نہیں، خوب اور اچھا کے سوائے اور کچھ نہیں آتا۔

لفو خاموش رہی۔ شاہزادہ نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ "میں تم سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ لفو"۔

لفو:۔ اچھا۔

مراد خاں:۔ پھر وہی۔ میں کہتا ہوں تم مجھ سے باتیں کرو۔

لفو:۔ جی۔

مراد خاں:۔ خدا کے لیے چھوڑ دو یہ الفاظ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ سنو لفو! میں بغیر کسی تمہید کے کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔

لفو:۔ جی۔

مراد خاں نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا "یا اللہ! تو نے یہ الفاظ کیوں پیدا کیے تھے"؟

لفو:۔ اچھا میں پھر آؤں گی۔ جب سلطانہ آجائیں گی۔

وہ مڑی۔ مراد خاں جلدی سے اٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ وہ سہم گئی۔ سہمنے سے اس کی رعنائی اور بڑھ گئی۔ مراد خاں نے اس کے رخ روشن پر نظریں گڑو کر کہا۔ "لفو! زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تم خفا ہو جاؤ گی۔ آج خوب خفا ہو لو اور جس قدر سزا دے سکتی ہو۔ دے لو"۔

لفو:۔ "میری یہ مجال کب ہے"؟

مراد خاں:۔ آخر تم میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتی ہو۔

لفو:۔ دیتی تو ہوں۔

مراد خاں:۔ جس طرح مینا کو چند الفاظ رٹا دیے جائیں اور وہ ان ہی الفاظ کو بولتی رہے اسی طرح تم بولتی ہو۔

لفو خاموش رہی۔ "آخر تم مجھ سے نفرت کیوں کرتی ہو"۔

لفو:۔ توبہ کیجیے۔ میں نفرت نہیں کرتی۔

مراد خاں:۔ پھر محبت کرتی ہو۔

لفو پھر چپ رہی۔ مراد خاں نے کہا۔ "تمہارے یہاں آنے سے پہلے میری دنیا تابناک تھی۔ میں خوش تھا تم نے آکر میری دنیا کو تاریک کر دیا۔

لفو:۔ میں چلی جاؤں گی۔

مراد خاں:۔ لیکن میری مسرت کو واپس دے کر اور میری دنیا کو مسرور بنا کر۔

لفو:۔ میرے چلے جانے سے یہ دونوں چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔

مرادخاں:۔ بجدا نہ مِل سکیں گی۔ اگر ملے گی تو موت۔

یغو:۔ خدا نہ کرے۔

مرادخاں:۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تمہارے محبت جان لے کر جائے گی۔

یغو:۔ شاہزادہ

مرادخاں:۔ کہو۔ جانِ مراد! کہو۔

یغو:۔ تم شاہزادے ہو۔ اور میں ایک عام لڑکی ہوں۔

مرادخاں:۔ محبت میں رتبوں کا خیال نہیں ہوتا۔ مقامِ عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے۔

یغو نے چپ ہو کر سر جھکا لیا۔ مرادخاں نے کہا۔ جانِ تمنا! میں ایک بات پوچھتا ہوں"

یغو نے شاہزادہ پر غلط انداز نظر ڈال کر کہا۔ "پوچھو"

مرادخاں:۔ تمہیں میرا بھی کچھ خیال ہے یا نہیں۔

"ہے" یغو نے کہا اور شرم سے دوہری ہو گئی۔ اس کی شرمیلی نظریں زمین میں گڑ گئیں۔ مرادخاں خوش ہو گئے۔ وہ کہنا چاہتے تھے۔ کہ سلطانہ آ گئی۔ اس نے کہا۔ "اچھا یغو ابھی آئی معلوم ہوتی ہو" شاہزادہ ایک طرف ہٹ گئے۔ یغو اور سلطانہ بیٹھ گئیں۔ سلطانہ بازار کا حال سنانے لگی۔

باب ۱۹

باش قادن آفندی

اب یغو کا حجاب کم ہونے لگا تھا۔ اور شاہزادہ مراد سے باتیں کرنے لگی تھیں۔ کبھی کبھی باتیں کرتے کرتے ہنس بھی پڑتی تھی۔ یوں تو اس کی ہر ادا نہایت ہی روح نواز تھی۔ لیکن ہنسنا بڑا ہی دل کش تھا۔ ہنسنے سے اس کی چہرہ پر سرخی دوڑ جاتی۔ دلفریب روشنی دوڑ جاتی۔ آنکھوں میں تیز چمک پیدا ہو کر جادو گری کرنے لگتی۔ دانتوں کی سفید لڑیاں نظر آ کر بجلیاں گرا جاتیں

شاہزادہ مراد چاہتے کہ وہ پری زاد ہنسے جائے۔ اسی لیے وہ اکثر ایسے فقرے کہہ دیتے تھے جس سے وہ بے ساختہ ہنس پڑتی تھی۔

لیل و نہار اسی طرح گزرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کی محبت کا افسانہ مشہور ہونے لگا۔ یہ شہرت ان کی بے احتیاطی کی وجہ سے ہوگئی۔ وہ دونوں اکثر اکٹھے رہتے۔ نزہت گاہوں میں، بازاروں میں، دریا پر، بجروں میں مل کر جاتے۔ دونوں ایک دوسرے پر پروانہ وار فدا تھے۔ ایک کو دوسرے کی جدائی گوارا نہ تھی۔ سلطانہ خوش تھی کیونکہ اسے یغو سے بڑی محبت ہو گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ شاہزادہ کی شادی یغو کے ساتھ ہو جائے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ سلطانہ کی شادی جمال پاشا کے ساتھ جو ایشیائے کوچک کا گورنر تھا قرار پا گئی۔ شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اس محل میں خاصی چہل پہل نظر آنے لگی۔

ترک شاہزادیوں کی شادی سولہ سترہ کے سن کو پہنچتے ہی کسی ترک وزیر یا گورنر کے ساتھ کر دی جاتی تھی۔ سلطانہ کی عمر اٹھارہ سال کے قریب ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کی شادی کی جا رہی تھی۔ لیکن یہ ملال تھا کہ یغو کی شادی کی ابھی تحریک تک نہیں ہوئی تھی۔ بغیر والدہ سلطانہ اور خود سلطان سلیم خاں دوم کی منظوری کے اس کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔

ایک روز یغو سلطانہ کے پاس بیٹھی تھی۔ سلطانہ کی رخصتی کے متعلق تذکرہ ہو رہا تھا۔ یغو معلوم کرنا چاہتی تھی کہ شاہزادیوں کی رخصتی کس طرح ہوتی ہے۔ آیا جہیز میں ملک کا کوئی حصہ ملتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس نے کہا۔ سلطانہ! تمہیں جہیز میں ملک کا کچھ ملے گا یا نہیں" سلطانہ نے کہا۔ شاہزادیوں کو شاہی محل سرا سے باہر ایک عالی شان قصر دیا جاتا ہے۔ اس قصر کی آراستگی شاہی محل کی طرح کر دی جاتی ہے۔ بھاری جہیز دیا جاتا ہے۔ جہیز کی قیمت دس پندرہ لاکھ سے کم نہیں ہوتی۔ جس شاہزادی کے تحت میں جتنی لونڈیاں، حبشنیں اور خواجہ سرا ہوتے ہیں۔ وہ سب اسے ہی دے دیئے جاتے ہیں۔ اور شاہزادی کی والدہ، والد سلطانہ اور سلطان کم سے کم بیس اور زیادہ سے زیادہ پچاس پچاس لونڈیاں اور دیتے ہیں۔ اکثر شاہزادیوں کے ساتھ پانچ پانچ سو لونڈیاں ہو جاتی ہیں۔ ان لونڈیوں کے جملہ اخراجات خزانہ سرکاری سے ملتے ہیں۔ شاہزادیوں کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا جاتا ہے۔ جو ایک لاکھ سے پانچ لاکھ روپیے سالانہ تک

ہوتا ہے۔ اور ان کے شوہروں کی جو تنخواہ ہوتی ہے۔ اس میں بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ شاہزادیوں کی شادیاں معزز عہدہ داروں اور وزیروں سے اس لیے کی جاتی ہیں کہ انہیں حکومت و سلطنت سے اور ہمدردی ہو جائے۔

لفو: لیکن یہ شادیاں اکثر ایک دوسرے کو دیکھے بغیر ہی ہو جاتی ہیں۔

سلطانہ: ہاں۔ چونکہ ترک حرم سرا ایک علیحدہ دنیا ہے۔ نہ اس کے اندر کوئی غیر مرد آ سکتا ہے۔ نہ کوئی شاہزادی باہر جا سکتی ہے۔ اس لیے زیادہ تر بلا دیکھے شادی ہوتی ہے۔

لفو: جب ایک دوسرے کو دیکھتے ہی نہیں تو ان میں محبت کیسے ہو سکتی ہے؟

سلطانہ: رخصتی کے بعد جب ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں تو ان میں محبت ہو ہی جاتی ہے۔ تم نے دیکھا ہی ہے۔ شاہزادیاں عام طور پر خوبصورت ہوتی ہیں۔ ان سے شادی کے لیے ایسے نوجوان منتخب کیے جاتے ہیں۔ جو مردانہ شان رکھتے ہیں۔ صورت شکل کے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ان میں ایسی محبت ہو جاتی ہے جو مرتے دم تک باقی رہتی ہے۔ معاف کرنا عیسائیوں میں جو یہ دستور ہے کہ جب تک ایک دوسرے کو اچھی طرح دیکھ بھال نہ لیں اور آپس میں محبت نہ کرتے ہوں۔ اس وقت تک ان کی شادیاں نہیں ہوتیں۔ میں نے یہ سنا ہے کہ اکثر ایسی شادیاں ناکام یاب ہوتی ہیں۔

لفو: تم نے ٹھیک سنا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے یہاں بھی شاہزادوں کی شادیاں ملکی مصلحت کی بنا پر دوسرے ملک کے شاہزادوں سے بغیر ان کے ایک دوسرے کو دیکھے کر دی جاتی ہیں۔ لیکن ان میں اکثر جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

سلطانہ: یہاں جھگڑے اٹھنے کا احتمال اس لیے نہیں ہوتا کہ شاہزادیاں سلطان کی بیٹیاں یا بھتیجیاں ہوتی ہیں۔ اور جن کے ساتھ ان کی شادیاں ہوتی ہیں۔ وہ سلطان کے محکوم ہوتے ہیں۔ کوئی جھگڑا ہوتا ہے تو سلطان دونوں کو چشم نمائی کر دیتے ہیں۔ اپنی بیٹیوں کی طرفداری نہیں کرتے۔

لفو: تمہاری شادی کا زمانہ جوں جوں قریب آتا جاتا ہے مجھے ہول سی چڑھتی جاتی ہے۔ سوچتی ہوں تم مجھے بہنوں سے زیادہ چاہتی ہو۔

سلطانہ: یہ تو ایک دن ہونا ہی ہے۔ کاش تمہاری شادی شاہزادہ مراد سے ہو جاتی۔

لفو نے شرما کر سر جھکا لیا۔ اسی وقت غل ہوا۔ باش قادن آفندی۔ (شاہزادہ شاہ مراد کی والدہ) آ رہی ہیں۔ تمام کنیزیں جہاں کہیں بھی تھیں۔ نہایت ادب سے کھڑی ہو گئیں۔ یہ محل کافی بڑا تھا۔ اس میں پائیں باغ بھی تھا۔ پائیں باغ میں نہریں بھی جاری تھیں۔ عمارتوں کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ چونکہ سینکڑوں کنیزیں، ماماییں، پیش خدمتیں اور جلیسیں تھیں۔ اس لیے سارے محل میں بکھری رہتی تھیں۔ خود سلطانہ اور لفو بھی مؤدب ہو گئیں۔

تھوڑی ہی دیر میں باش قادن آفندی بڑی شان و شوکت سے آتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کے جلو میں جلیسوں کی پلٹن تھی۔ جو ملکی بندوقیں کندھوں پر رکھے فوجیوں کی طرح آگے پیچھے مارچ کرتی آ رہی تھیں۔ اس وقت سردی زیادہ ہی بڑھی ہوئی تھی۔

لفو نے قمیص کے اوپر نیلے رنگ کی قبا پہن رکھی تھی۔ سلطانہ کی نظر پڑ گئی۔ اس نے گھبرا کر کہا: لفو جلدی سے قبا اتار ڈالو۔

لفو بھی گھبرا گئی۔ اس نے کہا "کیوں"؟

سلطانہ: اس لیے کہ والدہ سلطانہ اور باش قادن آفندی کے سامنے قبا پہن کر جانا بڑی بے ادبی ہے۔

لفو نے کھڑی ہو کر جلدی جلدی قبا اتارتے ہوئے کہا۔ کیا کنیزیں ان کے سامنے قبا نہیں پہن سکتیں۔ یا کوئی بھی نہیں پہن سکتی"

سلطانہ: کنیز تو کنیز کوئی سلطانہ حتیٰ کہ سلطان کی دوسری بیویاں بھی جو قادن آفندی کہلاتی ہیں۔ قبا پہن کر والدہ سلطانہ اور باش قادن آفندی کے سامنے نہیں جا سکتیں۔ محل سرا کا یہی قانون ہے۔

لفو: خواہ کیسی ہی سردی ہو؟

سلطانہ: ہاں! کیسی ہی سردی ہو۔ اور بڑھی ہوئی سردی سے جان پر ہی کیوں نہ بن جائے۔

لفو نے قبا علیحدہ رکھ دی۔ چونکہ باش قادن آفندی چبوترہ پر آ گئی تھیں۔ اس لیے یہ

دونوں پری زادیں استقبال کے لئے بڑھیں۔ حبشنیں باش قادن آفندی کے دائیں یا بائیں ہوگئیں۔ انھوں نے بہادوقیں اپنے کندھوں سے کسی قدر اٹھا لیں۔ یہ سلطانہ کی تعظیم تھی۔ سلطانہ نے بڑھ کر مجرا کیا۔ یعنی سلام کرکے رکوع کی شان سے جھک گئی۔ باش قادن آفندی نے سلام کا جواب دے کر اس کے خوبصورت سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "زندہ باش نورِ نظر۔"

سلطانہ سروقد کھڑی ہوگئی۔ لیفو بھی جھک گئی تھی۔ باش قادن آفندی نے اس کے سر پر بھی ہاتھ رکھا اور کہا "میری بیٹی کی سہیلی خوش رہو۔"

سلطانہ نے اس کے ٹھوکا مار کر کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ بھی کھڑی ہوگئی۔ اس کا قد نہایت ہی موزوں تھا۔ سروِ شمشاد کی طرح چہرہ پر نور برس رہا تھا۔ بڑی بڑی نیلگوں آنکھیں شرم سے جھکی ہوئی تھیں۔ آج پہلا موقعہ تھا کہ وہ باش قادن آفندی کے سامنے جھکی ہوئی تھی۔

باش قادن آفندی نے اس کے سراپا پر گہری نظر ڈالی گویا وہ اس کے حسن کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ اس کی پیاری پیاری صورت دلفریب قد اور شرم حیا کی دل کش ادا ان کے دل میں کھب گئی ہے۔

باش قادن آفندی اگرچہ جوانی کی حدوں کو پار کر گئی تھیں۔ لیکن وہ اب بھی حسین معلوم ہو رہی تھیں۔ جوانی میں تو غضب کی دل ربا ہوں گی۔ انہوں نے سلطانہ سے مخاطب ہوکر لیفو کی طرف اشارہ کرکے کہا "کیا یہی وہ وینس کی نازنین ہے جسے کوئی ترک افسر بحری ڈاکوؤں سے چھڑا کر لایا ہے؟"

سلطانہ نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ "محترمہ خاتون یہ وہی ہے۔"

باش قادن آفندی:۔ ہم نے اس کے حسن کی تعریف سنی تھی۔ واقعی بے مثال حسینہ ہے۔ کیا یہ مسلمان ہوگئی ہے؟"

سلطانہ:۔ ملکۂ عالم ابھی یہ عیسائی ہے۔

باش قادن آفندی:۔ ہمیں یہ سن کر بڑا افسوس ہوا۔ یہ لڑکی بڑی ذہین اور زیرک معلوم ہوتی ہے۔ اور سمجھ دار مرد یا عورت عیسائی نہیں رہ سکتا۔ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنے والے خدا کی یکتائی کی توہین کرتے ہیں۔ بیٹے اور بیٹیاں انسانوں کے ہوتے ہیں۔ خدا کے نہیں۔ خدا تو وہ ہے جس نے حضرت آدم کا خاک کا پتلا بنا کر اس میں روح اپنے حکم سے ڈال دی۔ اور گوشت پوست کا بنا دیا۔ اور ان کی دل بستگی کے لیے ان ہی کی جنس سے ان کی پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کر دیا۔ نہ آدم کے ماں باپ تھے۔ نہ حوا کے۔ اسی طرح اس نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ یہ اس کی قدرت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ بہک کر حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنے لگیں۔ وہ نبی بے شک تھے۔ بڑے جلیل القدر نبی۔ لیکن خدا کے بیٹے نہ تھے۔

باش قادن آفندی تقریر کیا کر رہی تھیں۔ ان کے منہ سے پھول جھڑ رہے تھے۔ لیفو سن رہی تھی۔ اور اس کا دل اثر لے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سی کھل گئی تھیں۔ جیسے اسے پہلے یہ باتیں معلوم ہی نہ تھیں۔ وہ سر جھکائے خاموش کھڑی تھی۔ باش قادن آفندی نے اس کے پھول سے رخساروں کو تھپ تھپا کر کہا۔ "بھولی کمسن حسینہ ہماری باتوں کا برا نہ ماننا بلکہ ان پر غور کرنا۔ خدا ہر گناہ معاف کر دیتا ہے لیکن شرک کو معاف نہیں کرتا۔ خدا کے بیٹا بنانا بہت بڑا شرک ہے۔

لیفو نے مترنم لہجہ میں کہا۔ "کنیز کے دل پر ملکۂ عالم کی گفتگو کا بڑا اثر ہوا ہے۔"

باش قادن آفندی:۔ اگرچہ ہم نے تمہیں آج پہلی ہی مرتبہ دیکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم پہلے سے تم سے واقف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہاری بھولی اور پیاری صورت ہمارے دل پر نقش ہوگئی ہے۔"

لیفو نے اور بھی شرما کر سر جھکا لیا۔ سلطانہ نے کہا۔ علیہ حضرت۔ کب تک یہاں کھڑی رہیں گی۔

باش قادن آفندی چونکیں۔ انھوں نے لیفو کا شرمیلا چہرہ اوپر اٹھا کر کہا۔ "اس حور کے حسن نے ہمیں بالکل ہی بے خود کر دیا۔ یہ خیال ہی نہ رہا کہ ہم کھڑی ہیں۔ جب وینس کی نازنین کا حسن ایسا مسحور کن ہے تو حورانِ جنت کو دیکھ کر تو ہوش و حواس میں رہنا بالکل ہی ناممکن ہے۔"

باش قادن آفندی لیفو کا ہاتھ پکڑ کر بڑھیں۔ سلطانہ ساتھ چلی۔ حبشنیں وہیں رک گئیں۔ یہ تینوں کمرہ کے اندر صوفوں پر جا بیٹھیں۔

باب ۲۰

شاہزادہ مُراد اور لیفو

باش قادن آفندی دیر تک بیٹھی باتیں کرتے رہیں۔ وہ لیفو کی میٹھی میٹھی باتوں سے بڑی محظوظ معلوم ہوتی تھیں۔ انہیں اس کے کلام میں بڑی شیرینیت اور طرز تکلم میں بڑی دل کشی نظر آرہی تھی۔ چاہتی تھی کہ وہ خود بیٹھی باتیں کیے جائے۔ سلطانہ نے موقع پا کر عرض کیا۔ "میری خواہش ہے کہ علیہ حضرت آج ما حضر یہیں تناول فرمائیں۔"

باش قادن آفندی:۔ ہمیں منظور ہے۔ کیا لیفو بھی شریک ہو گی۔

لیفو:۔ کنیز اس عزت افزائی کی مستحق کب ہے؟

باش قادن آفندی نے ہنس کر کہا۔" اری چور! تو نے تو ہمارا دل ہی چرا لیا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ تجھے ہم نے پہلے کیوں نہیں دیکھا۔ جلالت مآب اعلیٰ حضرت سلطان المعظم نے تجھے دیکھا تھا۔ انہوں نے ہم سے تیری تعریف بھی کی تھی۔ مگر ہم نے سمجھا کہ اکثر مرد ایسے ہوتے ہیں کہ ذرا کسی لڑکی کی چمکیلی صورت دیکھی۔ اور ریجھ گئے۔ اس کی تعریفیں کرنے لگتے ہیں۔ لیکن آج تجھے دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ سلطان روم نے تیری تعریف میں مبالغہ نہیں کیا تھا۔ تو تو واقعی دلوں میں رکھنے اور آنکھوں میں چھپا لینے کے قابل ہے۔ تو اس قدر نازک اندام ہے کہ اگر بلبل کی آنکھوں پر پیر رکھ دے تو وہ پھول کی پنکھڑی سمجھ کر کھجلائے تک نہیں۔

گذارد و پا اگر در چشم بلبل

نخارد از خیال خندۂ گل۔

لیفو اس قدر شرمائی کہ اس کا سر جھک گیا اور آنکھیں فرش پر جا لگیں۔ شرمانے سے اس کی رعنائی اور دلبری اور بھی بڑھ گئی۔ باش قادن آفندی نے سلطانہ سے کہا۔" بھئی سلطانہ۔ یہ حور تو ہمیں بہت پسند ہے۔ کیا تم اسے ہمیں دے دو گی؟"

سلطانہ خاتون:۔ یہ کیا۔ میری جان بھی آپ کے لیے حاضر ہے۔

باش قادن آفندی:۔ تمہارا شکریہ۔ او ہو لیفو! تمہیں سردی معلوم ہو رہی ہے۔ اچھا ہم آرام کریں گے۔

باش قادن آفندی اٹھ کر دوسرے کمرہ میں آرام کرنے کے بہانہ سے چلی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اونی قبا اتار دینے سے لیفو کو سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اس قدر نازک اور ناز آفرین تھی کہ سردی سے اس کے گلابی ہونٹ نیلگوں ہونے لگے تھے۔ باش قادن آفندی کے جاتے ہی اس نے قبا پہنی۔ سلطانہ نے مسکرا کر کہا۔" لیفو! ہو تم بڑی خوش قسمت۔ باش قادن آفندی تمہیں چاہنے لگی ہیں۔"

لیفو نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔" جی"

سلطانہ:۔ مجھے یہ فکر تھی کہ میری رخصتی ہونے والی ہے۔ تمہیں کس کے سپرد کروں۔ خدا نے خود ہی یہ مسئلہ حل کرا دیا۔ ذرا میں باورچی خانہ تک ہو آؤں۔ یہ کہتے ہی سلطانہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں ایک کنیز نے آ کر لیفو کو چپکے سے کہا۔" صاحب عالم باغیچہ میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

لیفو:۔ یہیں کیوں نہیں چلے آتے۔

کنیز:۔ کہتے تھے۔ باش قادن آفندی آئی ہوئی ہیں۔ ان کی نظریں بڑی تیز ہیں۔ کہیں وہ مشتبہ نہ ہو جائیں۔

لیفو:۔ لیکن جیٹھانیں تو چھپی ہوئی ہیں۔

کنیز:۔ وہ یہ سن کر باش قادن آفندی کھانا کھا کر جائیں گی۔ بارگون میں چلی گئی ہیں۔

لیفو نے اٹھتے ہوئے کہا۔" اچھا چلتی ہوں۔"

کنیز:۔ جائیے۔ میرا آپ کے ساتھ جانا مناسب نہیں۔

لیفو بصد ناز چلی اور بائیں باغ میں چلی۔ حوض کے قریب سرو کے درختوں کی قطاروں میں شاہزادہ مراد اسے ملے۔ وہ لیفو کو دیکھتے ہی اس کی طرف جھپٹ کر آئے اور کہا۔" خدا کا شکر ہے تم آ گئیں۔

لفو نے مسکرا کر کہا "وہ کیوں نہ آتی"

مراد خاں: پاشی قادن آفندی نے تو تمہیں نہیں دیکھا۔

لفو: کیوں نہ دیکھتیں۔

مراد خاں: بہت پسند کیا ہوگا۔

لفو نے شرما کر کہا "خبر نہیں"

مراد خاں: تمہیں خبر نہیں۔ یا تمہیں دیکھ کر انہیں کچھ خبر نہ رہی۔

لفو: میں تو اتنا جانتی ہوں کہ انھوں نے اپنے ساتھ لے چلنے کی دعوت دی ہے۔

مراد خاں: یہ تو برا ہوا۔

لفو: کیوں؟

مراد خاں: اس لیے کہ ملاقات مشکل سے ہو جائے گی۔

لفو: میں تو اس لیے ہی خاموش رہی کہ وہاں ملاقات کے موقعے زیادہ مل سکیں گے۔ لیکن ابھی کچھ نہیں گیا۔ میں انکار کر دوں گی۔

مراد خاں: کہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ وہ ناخوش ہو جائیں گی۔ اور پھر تمہارا محل سرا میں رہنا ناممکن ہو جائے گا۔"

لفو: پھر کیا ہوا۔

مراد خاں: قسمت کی بھاگ ڈور کو رفتارِ زمانہ کے ہاتھ میں دے دو۔ شاید اس میں بھی ہم دونوں کے لیے کوئی بہتری ہی ہو۔

لفو: پاشی قادن آفندی ہیں خوب۔ آتے ہی اسلام اور عیسائیت پر لیکچر پلا دیا۔

مراد خاں: وہ بڑی پرجوش خاتون ہیں۔ مذہب اور شرع اسلام کی بڑی پابند ہیں۔ کیا مجال جو ذرا بھی کسی کو خلاف شرع کوئی حرکت کرنے دیں۔

لفو: بڑی خوش مذاق ہیں۔

مراد خاں: اور بڑی خوش انتخاب بھی۔

لفو نے تیکھی چتون سے دیکھ کر کہا۔ "کیا مطلب؟"

مراد خاں: ان کی نظروں میں معمولی نازنینیں نہیں جچتیں۔ تم بے نظیر حسینہ ہو۔ اس لیے ان کی نگاہوں پر چڑھ گئیں۔

لفو نے شرارت سے کہا "جی"

مراد خاں: خدا کی قسم اس بھولی صورت، پاکیزہ شرارت اور شوخ نگاہوں پر تو فرشتے بھی فریفتہ ہو جائیں۔

اس وقت ایک کنیز نے آ کر کہا۔ مخل در معقولات کی معافی چاہتی ہوں۔ علیہ سلطانہ آپ کو (لفو کو) بلا رہی ہیں۔

مراد خاں خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔ لفو سلطانہ کے پاس آئی۔ سلطانہ نے بے تکلفی کے انداز سے کہا "کہاں مری جا رہی تھی۔ ذرا صبر نہ ہو سکا۔ یہ نہ سوچا۔ پاشی قادن آفندی آئی ہوئی ہیں۔ چل وہ کھانے میں بیٹھی انتظار کر رہی ہیں۔

لفو اور سلطانہ دونوں چلیں۔ کھانے کے بڑے کمرے میں پہنچیں۔ کمرہ حد درجہ آراستہ تھا۔ نہایت تکلف سے خوش نما میز پر کھانا کھانا چنا ہوا تھا۔ سونے چاندی کے برتنوں میں سو سو قسم کا کھانا تھا۔ تینوں نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر دوسرے کمرہ میں گئیں۔ منہ ہاتھ دھوئے اور پاشی قادن آفندی لفو کو اپنے ساتھ لے کر چلیں گئیں۔

باب ۲۱

رمضان المعظم کا چاند

لفو پاشی قادن آفندی کے ساتھ ان کے قصر معلّٰی میں پہنچ گئی تھی۔ قصر کیا تھا۔ ایک

اچھا خاصا چھوٹا سا قلعہ تھا۔ ایک طرف کنیزوں، ماماؤں، حبشنوں اور دوسری عورتوں اور لڑکیوں کے برابر برابر سینکڑوں مکانات بنے ہوئے تھے۔ ان مکانوں کے سامنے باغیچے تھے۔ ایک طرف توشہ خانے، غسل خانے، حمام اور باورچی خانے تھے۔ ایک طرف چھوٹے بڑے سینکڑوں کمرے تھے۔ جو ہر وقت نہایت آراستہ و پیراستہ رہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی آرائش کا یہ عالم تھا کہ دیکھ کر دیکھتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔ کمروں کے سامنے چبوترہ تھا۔ چبوترہ پر پھلواری سجی تھی۔ خاصا چوڑا چبوترہ تھا۔ اس کے سامنے باغیچے تھے۔ باغیچوں میں بعد نہایت عمدہ باغات تھے۔ ان باغات کے بیچ میں دسیوں عمدہ اور دلفریب کوٹھی نما عورتیں تھیں۔ ایک طرف اصطبل، شاگرد پیشہ اور خدا جانے کیا کیا عمارتیں تھیں۔ خواجہ سرا بھی اس طرف رہتے تھے ان عمارتوں کے سامنے بھی باغیچے تھے۔ چوتھی طرف دروازہ تھا اور دروازہ کے ایک طرف مالنوں اور باغوں کی دیکھ بھال کرنے والیوں کے لیے چھوٹے چھوٹے مکانات تھے۔ لیکن یہ چھوٹے مکانات بھی ایسے تھے۔ کہ ان میں سے ہر ایک میں دس بارہ آدمیوں کا کنبہ آسانی سے ساتھ رہ سکتا تھا۔ ایک طرف بہشتنیں، حمام والیاں اور ان سے ذرا فاصلہ پر ایک کونہ میں بھنگنیں رہتی تھیں۔ ان سب کے مکانات بھی اچھے اور ایسے تھے جیسے اوسط درجہ کے لوگوں کے مکانات ہوتے ہیں۔ ان کے مکانوں کے سامنے بھی باغیچے تھے۔ غرض اس قصر کے چاروں طرف عمارتیں تھیں۔ جن میں باش قادن آفندی رہتی تھیں۔ وہ نہایت شاندار اور پرتکلف تھی۔ ایک بات یہ ہے کہ ساری کنیزیں پیش خدمتیں، مامائیں، بہشتنیں، حمام والیاں اور بھنگنیں، خوبرو اور کمان ابرو تھیں۔ اور ان میں سے ہر ایک بڑا اچھا لباس پہنتی۔ زیورات بھی کافی پہنتی تھیں۔ حتی کہ بھنگنیں بھی اس ٹھسہ سے رہتی تھیں کہ بالکل شریف زادیاں معلوم ہوتی تھیں۔ کیا مجال کہ کوئی لڑکی خواہ وہ کسی طبقہ کی ہوتی۔ روزانہ کپڑے بدلتی ہو۔ خود باش قادن آفندی دن میں چار مرتبہ کپڑے بدلتی تھیں۔

لیفو کو باش قادن آفندی دن میں رہنے کے کمروں میں سے دس کمرے دے دیئے اس کے لیے پچاس کنیزیں اور پیش خدمتیں علیحدہ مقرر کر دیں۔ اسے بے شمار اچھے اچھے کپڑے بنوا دیئے۔ کئی پیش خدمتیں زیورات دے دیئے۔ وہ بالکل اسی طرح رہنے لگی۔ جیسے پاشاؤں کی لڑکیاں رہتی تھیں۔ اسے جو کنیزیں ملی تھیں ان میں دو بڑی شکیل اچھی تعلیم یافتہ اور اس کی ہم سن تھیں۔ انھوں نے اس کے مزاج میں اس قدر رسوخ کر لیا کہ اس سے ہنس بول لیتی تھیں چنانچہ ایک روز ایک کنیز نے اس سے کہا۔ "تم اس قدر خوبصورت ہو کہ مجھے تو یہ خوف رہتا ہے۔ کہیں تمہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

لیفو مسکرانے لگی۔ اس نے کہا۔ اگر تم ترکی دو شیزاؤں کا سا لباس پہننے لگو۔ تو خدا کی قسم اور بھی حسین نظر آنے لگو۔"

لیفو:۔ جی تو میرا بھی چاہتا ہے۔

کنیز:۔ مگر اچھا تو جب ہے جب تم مسلمان بھی ہو جاؤ۔

لیفو:۔ کیا۔ اگر میں مسلمان نہ ہوں تو اس قصر سے نکال دی جاؤں گی۔

کنیز:۔ نہیں۔ بلکہ میں یہ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلی شریعتیں اور کتابیں منسوخ ہو گئیں۔ قرآن شریف خدا کا کلام آ گیا۔ اس میں صاف ہے کہ جنت میں وہ داخل ہوں گے جو اسلام قبول کر لیں گے تم جنت کی حور بننے کے قابل ہو۔ اگر مسلمان ہو جاؤ گی تو ضرور جنت میں جاؤ گی۔

لیفو:۔ علیہ خانم قادن آفندی نے بھی ایک روز یہی کہا تھا۔ لیکن میں جب تک اسلام سے واقف نہ ہو جاؤں اسے اختیار نہیں کر سکتی۔

کنیز:۔ واقف ضرور ہونا چاہیئے۔ بغیر سمجھے اور جانے مذہب تبدیل نہیں کرنا چاہیئے۔

لیفو:۔ میں نے قرآن شریف اور دوسری کتابیں پڑھنی شروع کر دی ہیں۔

کنیز:۔ الحمد للہ!

اسی روز شام کے وقت سے ہی قصر والیاں اور خود باش قادن آفندی چاند دیکھنے لگیں۔

شعبان (شب رات) کا مہینہ ختم ہوگیا تھا۔ رمضان کا چاند نظر آنے لگا تھا۔ جب چاند نظر آیا۔ تو سب نے مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر اٹھی ہی تھیں کہ توپیں داغی شروع ہوگئیں۔ نقارے بجنے لگے جلدی سے یہ سب اٹھ کر کھڑی ہوگئیں۔ سب سے پہلے باش قادن آفندی کی نظر چاند پر پڑی۔ انھوں نے اول ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ پھر سجدہ میں گئیں۔ سب کنیزوں اور دوسری لڑکیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب باش قادن آفندی سجدہ کر کھڑی ہوئیں تو سب نے سلام کرنا شروع کیا۔

رمضان کا چاند دیکھ کر خوشی کی ایسی لہر ان سب میں دوڑی کہ ان سب کے چہرے جگمگانے اور آنکھیں چمکنے لگیں۔ لفو دیکھ رہی تھی۔ اسے رشک ہوا کہ عیسائیوں میں ایسی خوشی بڑے دن پر ہی کی جاتی ہے جو عیسائیوں کا زبردست تہوار ہے۔ اس نے بھی باش قادن آفندی کو بڑے ادب سے جھک کر سلام کیا۔ باش قادن آفندی نے اسے چھاتی سے لگا لیا اور کہا۔ کاش تم مسلمان ہوگئی ہوتیں۔"

لفو: میں غور کر رہی ہوں۔

باش قادن آفندی: کب تک غور کروگی نورِ چشمی!

لفو: میں عنقریب طے کرنے والی ہوں۔

باش قادن آفندی نے انعامات تقسیم کرنے شروع کر دیئے۔ رمضان کا چاند دیکھ کر بھی وہ انعامات دیا کرتی تھیں۔ اس عرصہ میں برابر توپیں دغ رہی تھیں۔ آتش بازی چھوٹ رہی تھی۔ اور نقارے بج رہے تھے۔ ساری محل سرا اور سارے شہر میں عجب خوشی کی جا رہی تھی۔ مسلمان کا بچہ بچہ چاند دیکھ کر خوش ہوگیا۔ چونکہ دن چھپ چکا تھا اور رات ہوگئی تھی۔ اس لیے اس محل میں تمام ہانڈیاں اور فانوس روشن کر دیئے گئے تھے۔ دیوالی میں وہ رونق اور روشنی نہیں ہوتی جو محل میں ہوگئی۔ سارا محل جگمگا اٹھا۔ یوں تو عام طور پر محل میں کافی روشنیاں ہوتی تھیں لیکن رمضان کی وجہ سے کچھ اور اضافہ کر دیا گیا تھا۔

لفو اپنے کمرہ میں آکر بیٹھی ہی تھی کہ شاہزادہ مراد خاں آ گئے۔ لفو نے سروقد کھڑی ہو کر ذرا شوخی کے لہجہ میں انہیں سلام کیا۔ شاہزادہ نے بھی شرارت سے کہا۔ "جیتی رہو۔ دودھوں نہاؤ۔ پھولو پھلو۔"

لفو شرما گئی۔ اس نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ "ہٹو۔"

مراد خاں نے شرارت سے کہا۔ "آج چاند رات ہے جس قدر دعائیں لینا ہو لے لو۔ اللہ تمہارے حُسن۔ تمہاری جوانی اور تمہاری حشر سامانیوں کو ہمیشہ ہمیشہ باقی رکھے۔ تم ملکہ بنو۔ باش قادن آفندی بنو۔ اور......"

لفو شرم سے سکڑی جا رہی تھی۔ اس نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ شاہزادہ نے نازک اور حسین ہاتھ چوم لیا۔ لفو نے جلدی سے ہاتھ ہٹا کر کہا۔ "بڑے وہ ہو تم۔"

مراد خاں نے اس کے حسین چہرہ کو دیکھ کر کہا۔ "کون ہیں ہم؟"

لفو: شریر۔

مراد خاں: پہلے تو ہم ایسے نہیں تھے۔ لیکن تمہاری صحبت نے ایسا بنا دیا۔

لفو کچھ افسردہ ہوگئی۔ اس نے کہا۔ "شاہزادہ اپنے رتبہ کا لحاظ رکھو۔ میں ایک کنیز ہوں تم ولی عہد ہو۔ عظیم الشان ترکی سلطنت کے سلطان بننے والے ہو۔ تمہاری شریک حیات کوئی شہزادی ہوگی۔"

مراد خاں: نہیں۔ لفو۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ میری شریکِ حیات یا تم ہوگی ورنہ کوئی بھی نہیں۔

لفو: میں ایسی قسمت ور کہاں ہوں۔

مراد خاں: اس محل سرا میں آکر کنیزوں کی ہی قسمتیں بدل جاتی ہیں۔ تم تو کنیز بھی نہیں ہو۔ میری والدہ باش قادن آفندی ایک کنیز ہی تھیں۔ لیکن آج ترک قلمرو میں دوسرے درجہ کی خاتون ہیں۔ اول درجہ کی والدہ سلطانہ ہیں اور دوسرے درجہ کی وہ ہیں۔

لفو: میرا نصیبہ ایسا نہیں ہے۔

مراد خاں: اگر تمہارا نصیبہ ایسا نہ ہوتا تو تم محل سرا میں نہ آتیں۔ یا آئی تھیں تو سلطانہ تم پر فریفتہ ہو کر تمہیں اپنے ساتھ نہ لے آتیں۔ اور باش قادن آفندی تمہاری گرویدہ نہ ہو جاتیں۔

لفو: لیکن باش قادن آفندی کیوں اس بات کو منظور کریں گی۔

مرادخاں:- وہ مجھ پر بہت مہربان ہیں۔ اور میری ہر بات کو مانتی ہیں۔ ضرور منظور کرلیں گی۔ البتہ ایک بات ہمارے اور تمہارے درمیان حائل ہے۔

لفو:- کیا۔

مرادخاں:- مذہب کی دیوار۔ کوئی شاہزادہ کسی غیر مذہب کی لڑکی سے اس وقت تک شادی نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے۔

لفو نے سر جھکا لیا۔ وہ کوئی فیصلہ کر رہی تھی۔ کہ ایک کنیز چپکے سے دوسری طرف سے داخل ہوئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "باش قادن آفندی۔"

دونوں چونک پڑے۔ مرادخاں نے دریافت کیا۔ "کہاں ہیں وہ۔" کنیز "اس کمرہ سے باہر کھڑی تمہاری باتیں سن رہی تھیں۔ میں تمہیں اطلاع کرنے دوسری طرف سے آئی ہوں۔"

شاہزادہ مراد جس طرف سے کنیز آئی تھی۔ اس طرف سے جھپٹ کر نکل گئے۔ کنیز بھی چلی گئی۔ لفو شرما کر صوفہ پر بیٹھ گئی۔ اس کا ننھا سا دل دھک دھک کرنے لگا۔

باب ۲۲

منجھلا روزہ

رمضان کا مہینہ تھا۔ محل سرائے شاہی میں سب روزہ سے رہتے تھے۔ سلطان بھی اور والدہ سلطانہ بھی باش قادن آفندی بھی، کنیزیں بھی اور شاگرد پیشہ کی تمام لڑکیاں بھی۔ غرض کوئی ایسی لڑکی نہیں تھی جو مسلمان ہو اور روزے نہ رکھتی ہو۔ صبح کو اور عصر کے وقت عام طور پر سب قرآن شریف کی تلاوت کرتی تھیں۔ سارے محل میں شہد کی سی مکھیوں کی آوازیں گونج کرتی تھیں۔ لفو کے دل پر ان باتوں کا بڑا اثر پڑ رہا تھا۔ خود اس کا جی نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے

کو چاہنے لگا تھا۔ اگرچہ اس کے لئے دن میں کھانے کی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ بلکہ مسلمان باورچی حسب معمول اس کے لئے بھی کھانا تیار کرتی تھیں۔ لیکن اسے کھانا کھاتے شرم آنے لگی تھی۔ ایک روز اس نے باورچنوں کو ہدایت کر دی کہ دن میں اس کے لئے بھی کھانا تیار نہ کیا کریں۔ انہوں نے کہا:- "اگر باش قادن آفندی کو اطلاع ہو گئی تو وہ بہت خفا ہوں گی۔"

لفو:- ان سے شکایت کون کرے گا۔ میں ہی تو کر سکتی ہوں۔

ایک باورچن:- بات چھپی نہ رہے گی۔

لفو:- سچ پوچھتی ہو تو خود میرا دل روزہ رکھنے کو چاہتا ہے۔

دوسری باورچن:- تو مسلمان ہو جایئے۔

لفو:- سوچ رہی ہوں۔

تیسری باورچن:- سوچ لیجئے۔ اسلام بہت ہی اچھا مذہب ہے۔

لفو:- اچھا۔ آج سے تم میرے لئے دن میں کھانا نہ تیار کرنا۔

ایک باورچن:- یہ کیسے ہو سکے گا۔

لفو:- ہم حکم بھی دے رہے ہیں۔

وہی باورچن:- کیا یہ بات ہم باش قادن آفندی کے گوش گزار کر دیں۔

لفو:- ابھی نہیں۔ ہم خود کہہ لیں گے۔

اس روز سے لفو کے لئے دن میں کھانا تیار ہونا بند ہو گیا۔ سحری اور افطاری باقاعدہ تیار ہونے لگی۔ وہ دن بھر بھوکی رہتی۔ اس سے اس کی صورت کچھ اور چمکنے لگی۔ منجھلے روزہ کے دن لفو نے دیکھا کہ تمام محل میں بڑا اہتمام ہو رہا ہے۔ اگرچہ صفائی روزانہ خاص طور سے کی جاتی تھی۔ کیونکہ باش قادن آفندی نہایت نفیس مزاج تھیں۔ مگر اس روز صفائی اور بھی اچھی طرح کی جا رہی تھی۔ فراشنیں ایک کمرہ کو صاف کر رہی تھیں۔ کنیزیں چبوترہ کی صفائی پر لگی ہوئی تھیں۔ مالنیں، باغوں اور باغیچوں کو صاف کر رہی تھیں۔ ایک ہزار عورتیں صفائی کے کام میں لگی ہوئی تھیں۔ باورچنیں دوپہر ہی سے اپنے کام میں لگ گئی تھیں۔ لفو کو حیرت ہوئی۔ اس نے اپنی مزاج داں کنیزوں سے پوچھا۔ آج صفائی کا اس قدر اہتمام کیوں ہو رہا۔

اس نے عرض کیا "آج منجھلا روزہ ہے۔ اس دن ہر چیز کا اہتمام خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ دوسرے آج سلطان یہیں آکر لاکر روزہ افطار کریں گے۔ اس محل کی سب لڑکیاں اور تودباش قادن آفندی بہترین لباس پہنے گی۔ کیونکہ سلطان کے سامنے کوئی لڑکی بھی معمولی لباس میں نہیں آسکتی۔ اور سلطان کو صفائی اور ستھرائی کا بڑا خیال رہتا ہے۔ تم بھی آج خوب بن جانا"

لیقو نے مسکرا کر کہا۔ "چل پرے ہٹ"

اسی وقت باش قادن آفندی وہاں آگئیں۔ انھوں نے کہا "نورچشمی! آج ہم نے سلطان کو افطار پر مدعو کر رکھا ہے۔ وہ بڑے نفیس مزاج ہیں۔ تیرے ہاتھ سے ان کے سامنے قہوہ پیش کرایا جائے گا۔ اپنی آراستگی میں کوئی کسر باقی نہ رکھنا۔ ہم یہ کیوں کہہ رہی ہیں۔ شاید تجھے کل ہی اس کی وجہ بھی معلوم ہو جائے۔ اب ہم جا رہی ہیں۔ ممکن ہے۔ پھر بات کرنے کی بھی فرصت نہ مل سکے۔

وہ چلی گئیں۔ لیقو نے اپنا سب سے اچھا جوڑا نکلوایا۔ اور اسی وقت سے بننے سنورنے میں مشغول ہو گئی۔ عصر کے وقت سلطان کی آمد کا شور بلند ہوا۔ لیقو نے سلطان کو ایک دفعہ دیکھا تھا۔ اسے پھر ان کے دیکھنے کی تمنا پیدا ہوئی۔ اس کے دل میں ان کا بڑا احترام تھا۔

دفعتہ سلطان آگئے۔ اس وقت وہ سادہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ خواجہ سراؤں کی پلٹنیں ان کے پیچھے آرہی تھیں۔ ان کی وردی بڑی زرق برق تھی۔ وہ باغیچہ تک آکر رہ گئے۔ لیقو دور سے دیکھنے لگی۔ باش قادن آفندی ایک ہزار سے زیادہ کنیزوں کی پلٹن لیے کھڑی تھیں۔ انھوں نے بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ سلطان بڑے ہال میں جا کر بیٹھ گئے۔

یہ کمرہ آراستہ کر کے عروس نو بنا دیا گیا تھا۔ نہایت قیمتی قالینوں کا فرش تھا۔ اور بیش قیمت زربفت وغیرہ کے پردے دروازوں پر پڑے تھے۔ دیواروں پر قدِ آدم آئینے نیچے کے حصہ میں لگے تھے۔ اوپر بڑے بڑے کتبے تھے۔ جس میں کلام اللہ شریف کی آیتیں یا ترک بزرگوں اور سلطانوں کے مشہور نصیحت آمیز اقوال تھے۔

کنیزیں سب باہر رہ گئی تھیں۔ صرف باش قادن آفندی اور سلطان رہ گئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں کنیزوں نے افطاری لاکر چننی شروع کی۔ سینکڑوں طشتریوں میں طرح طرح کی افطاری تھی۔ یہ تشتریاں خالص سونے کی تھیں۔ لیقو کو بھی بلا لیا گیا تھا۔ وہ اس وقت واقعی جنت الفردوس کی حور بنی ہوئی تھی۔ نہایت ہی حسین و ماہرو معلوم ہو رہی تھی۔ سارا کمرہ روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ لیقو نہایت ہی اچھا لباس اور نہایت عمدہ زیورات پہنے تھی۔ اس کی صورت ایسی جگمگا رہی تھی۔ کہ نظر بھر کر دیکھا نہ جاتا تھا۔ حسن کی شعاعیں اس کے چہرہ سے پھوٹ رہی تھیں۔ وہ دست بستہ کھڑی تھی۔

دفعتہً توپ دغی۔ نقارے بجے۔ ساتھ ہی اللہ اکبر کی اذان کی آواز آئی۔ سلطان نے حکم دیا۔ کہ تمام کنیزیں ان کے سامنے بیٹھ جائیں اور روزہ افطار کریں۔ یہ بڑی عزت کی بات تھی۔ سلطان اور باوش قادن آفندی کے ساتھ کوئی کنیز شریک طعام نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن سلطان جانتے تھے کہ کنیزیں بھی روزہ سے ہیں۔ سب کا ایک ساتھ افطار کرنا ضروری تھا۔ اس لیے انھوں نے حکم دے دیا۔ سب بیٹھ گئیں۔ لیقو بھی ایک طرف بیٹھنے لگی۔ باش قادن آفندی نے اسے اشارہ کیا کہ وہ قہوہ کی پیالی سلطان کے سامنے پیش کرے۔ کنیزوں نے پہلے ہی پیالیاں بھر دی تھیں۔ لیقو نے بڑی نزاکت سے پیالی تشتری میں رکھی اور ادائے جانانہ کے ساتھ سلطان کے حضور پیش کی۔

سلطان نے اس بت طناز کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اس کا بے پناہ حسن دیکھ کر حیران رہ گئے۔ لیقو رعب شاہی سے سٹ پٹا گئی۔ سلطان نے اس کے ہاتھ سے پیالی لے کر قہوہ پیا۔ لیقو ہٹ کر اپنی جگہ بیٹھی۔ سب نے افطار کرنا شروع کیا۔ لیقو بھی صبح سے بھوکی تھی۔ وہ بھی کھانے لگی۔ افطار کرنے کے بعد سلطان دوسرے کمرہ میں نماز پڑھنے چلے گئے۔ سب نے نماز پڑھی۔

نماز پڑھ کر سلطان ایک اور کمرہ میں جاکر بیٹھے۔ باش قادن آفندی بھی پہنچ گئیں۔ انھوں نے کہا۔ "اعلیٰ حضرت نے اس لڑکی کو دیکھا۔ جس نے جلالت مآب کے حضور میں قہوہ پیش کیا تھا"

سلطان نے ان کے حسین چہرہ پر نظریں ڈال کر کہا۔ "دیکھا"

باشی قادن آفندی :۔ کیسی لڑکی ہے؟

سلطان :۔ نہایت حسین و پری جمال ۔ شاید ہماری محلسرا میں اس سے خوبصورت کوئی لڑکی بھی نہیں ہے ۔ یہ کون ہے ۔؟

باشی قادن آفندی :۔ عالم پناہ اسے بھول گئے ۔ یہ وہ لڑکی ہے جسے وینس سے نسیم بک بحری ڈاکوؤں کے ہاتھ سے چھڑا کر لائے تھے ۔

سلطان : ہمیں یاد آ گئی ۔ اس وقت تو وہ عجمیہ (گنوارن) تھی ۔ مگر اب بڑی شائستہ اور مہذب ہو گئی ہے ۔

باشی قادن آفندی :۔ آپ کے صاحبزادہ شاہزادہ مراد اس پر فریفتہ ہو گئے ہیں ۔

سلطان :۔ اس بیچارہ کا کیا قصور ہے ۔ اس کی صورت ہی ایسی ہے کہ فرشتے بھی دیکھیں تو مائل ہو جائیں ۔ وہ تو انسان ہے اور پھر نوجوان ۔

باشی قادن آفندی :۔ کیا جہاں پناہ اسے اپنی بہو بننے کا اعزاز عطا فرما سکتے ہیں ۔

سلطان :۔ بڑی خوشی سے ۔ ہم نے جب پہلی بار اسے دیکھا تھا تو ہماری رائے یہی ہوئی تھی ۔ لیکن کیا وہ مسلمان ہے ۔

باشی قادن آفندی :۔ ابھی نہیں ہوئی ۔

سلطان :۔ لیکن علیمہ خاتون نے اس کا ذکر کیوں کیا ؟

باشی قادن آفندی :۔ مرضئ مبارک معلوم کرنے کے لئے ۔ میرا خیال ہے کہ وہ بہت جلد مسلمان ہو جائے گی ۔

سلطان :۔ لیکن اس کا چہرہ کہہ رہا تھا کہ وہ روزہ سے ہے ۔

باشی قادن آفندی :۔ وہ روزہ تو نہیں رکھتی ۔ لیکن دن بھر بھوکی رہتی ہے ۔ کہتی ہے ۔ مجھے دن میں کھاتے شرم آتی ہے ۔

سلطان :۔ دیکھو اسے مسلمان کرنے کے لیے اس پر نہ زور ڈالنا ۔ نہ اسے لالچ دینا ۔

باشی قادن آفندی :۔ میں ہرگز ایسا نہ کروں گی ۔ کیا میں جانتی نہیں کہ دباؤ ڈال کر یا لالچ دے کر مسلمان کرنا ناجائز ہے ؟

سلطان :۔ ہمیں یہ لڑکی بہت پسند ہے ۔ اگر وہ از خود مسلمان ہو جائے تو ہم خوشی سے اسے شاہزادہ کا شریک حیات بنا دیں گے ۔

باشی قادن آفندی :۔ شکریہ ۔ اب کھانا تناول فرمائیے ۔

سلطان :۔ کیا وہ لڑکی بھی کھانے پر آئے گی ۔

باشی قادن آفندی :۔ ضرور آئے گی ۔

دونوں اٹھ کر دوسرے بڑے ہال میں پہنچے ۔ وہاں سفید دسترخوانوں پر کھانا چنا ہوا تھا ۔ سینکڑوں قسم کا کھانا تھا ۔ اور ایسا لذیذ کہ اس کی خوشبو تمام کمرہ میں مہک رہی تھی ۔ سلطان اور باشی قادن آفندی صدر میں بیٹھ گئے ۔ یعقو بھی آ گئی ۔ اس عرصہ میں وہ دوسرا لباس تبدیل کر کے آئی تھی ۔ یہ لباس ترکی دوشیزاؤں کا سا تھا ۔ اس لباس میں بھی اور بھی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی ۔ سلطان نے اسے اپنے سامنے جگہ دی ۔ وہ بڑے ادب سے بیٹھ گئی ۔ کھانا شروع ہوا ۔ کنیزیں تشتریوں اور قابوں کو آگے بڑھانے اور سامنے پیش کرنے لگیں ۔ سنہری اور روپہلی تشتریاں روشنی میں جگمگا رہی تھیں ۔

باب ۲۲

وینس کی پری آغوش اسلام میں

دوسرے روز یعقو تنہا بیٹھی تھی ۔ اس وقت اس نے سادہ اور سفید لباس پہن رکھا تھا ۔ بالکل حور پری معلوم ہو رہی تھی ۔ اس کا گداز جسم اور گل چاندنی سا سفید چہرہ بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا ۔ بڑی بڑی آنکھوں پر لمبی لمبی پلکوں کی چلمن پڑی تھی ۔ اس کی مزاج دان کنیز مسکراتی ہوئی آئی ۔ یعقو

نے کہا۔" اس وقت تمہیں ہی یاد کر رہی تھی۔"

کنیز:۔جی کیوں نہیں۔

لقو:۔کیا تو غلط سمجھ رہی ہے؟

کنیز:۔نہیں۔ بالکل صحیح۔

لقو:۔میں جھوٹ نہیں بولا کرتی ہوں مست ناز۔

اس کنیز کا نام مست ناز تھا۔ خاصی خوب صورت اور مست ناز ہی تھی۔ اس نے کہا۔

"بھلا کیوں یاد کر رہی تھیں تم مجھے؟"

لقو:۔بتاؤں گی۔ لیکن تیری شرارت بھری چتون کہہ رہی ہے کہ تو بھی کوئی بات پیٹ میں چھپائے ہے۔ پہلے تو بتا۔ کیا بات ہے؟

مست ناز:۔ ہاں میں ایک بات کہنے کے لیے رات سے بے چین ہوں۔ لیکن جب سلطان کھانا کھا چکے تو ادھر تو تم اپنے کمرہ میں آ گئیں۔ اُدھر میں انہیں رخصت کرنے میں لگ گئی۔ جب واپس آئی تو رات زیادہ آ گئی تھی۔ اور تم سو گئیں تھیں۔ اب صبح سے موقع ڈھونڈ رہی تھی۔ خدا خدا کر کے اس وقت موقع ملا ہے۔

لقو:۔ تو نے تو اس قدر تمہید بیان کی کہ مجھے اس بات کے معلوم کرنے کا بڑا اشتیاق ہو گیا۔ پہلے تو ہی بتا۔ کیا بات ہے۔

مست ناز نے شرارت سے کہا۔"جی نہیں۔ پہلے تم بتاؤ۔ میں اس کے بعد بتاؤں گی۔ جب تم میٹھا منہ کراؤ گی۔"

لقو نے مسکرا کر کہا۔ باؤلی تجھے مٹھائی کی کیا ضرورت ہے۔ تو تو خود مٹھاس ہے۔"

مست ناز۔ اور تم ...... تم ایسی قیرینی ہو کہ جو تمہیں دیکھے منہ میں پانی بھر آئے۔

لقو:۔ باتیں نہ بنا۔ بتا کیا بات ہے؟

مست ناز:۔ پہلے تم بتاؤ۔

لقو:۔ بات یہ ہے کہ رات میں نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا جس کی داڑھی سفید تھی۔ چہرہ روشن تھا۔ میں نے ان سے کہا۔"تم کوئی ولی اللہ معلوم ہوتے ہو۔ بتاؤ میری قسمت میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا۔ تیری قسمت، تیری صورت کی طرح بڑی روشن ہے۔ مگر تیری قسمت کا دروازہ اس وقت کھلے گا جب تو مسلمان ہو جائے گی۔"

مست ناز اشتیاق بھری نظروں سے لقو کے چاند سے زیادہ روشن چہرہ کو دیکھنے لگی۔

لقو نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔" میں نے ان بزرگ سے پوچھا۔" کیا اسلام سچا مذہب ہے۔" انھوں نے جواب دیا۔ ہاں! اسلام خدا کا پسندیدہ مذہب ہے۔ قیامت تک اب یہی مذہب جاری رہے گا۔ نجات اس کو ملے گی جو اس مذہب کو اختیار کر لے گا۔ وہ چلے گئے۔ میری آنکھ کھل گئی۔ صبح ہو چکی تھی۔ تمہاری اذان ہو رہی تھی۔ میں پریشان میں پڑ گئی۔ اسی وقت اٹھی۔ منہ ہاتھ دھویا۔ اپنے طریقہ پر نماز پڑھنی چاہی۔ روز پڑھتی تھی۔ لیکن آج جی نہ چاہا۔ میں سوچنے لگی۔ آخر سوچتے سوچتے یہ طے کر لیا کہ میں آج مسلمان ہو جاؤں۔"

مست ناز کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اس نے کہا۔" اللہ اکبر۔ خدا کا شکر ہے آخر کھینچنے والے نے تمہیں بھی کھینچ ہی لیا۔ تم نے باشن قادن آفندی کو اطلاع کر دی۔

لقو:۔ابھی نہیں کی۔ اسی لیے تو تیرا انتظار کر رہی تھی۔ تو اطلاع کرنا۔

مست ناز نے چلنے کا ارادہ کیا۔ لقو نے اس کا آنچل پکڑ کر کہا۔" بیٹھ کہاں چلی۔ پہلے اپنی بات بھی تو بتاتی جا۔

مست ناز:۔ اس بات کا تمہارے خواب سے بڑا تعلق ہے۔ پہلے یہ اقرار کر لو کہ جب تمہاری قسمت تمہیں بڑی جگہ پہنچا دے گی تو تم مجھے بھول نہ جاؤ گی۔

لقو:۔یہ کہنے کی کیا بات ہے۔ میں اپنی مست ناز کو بھول سکتی ہوں۔

مستِ ناز۔ تو سنو۔ رات سلطان نے تمہاری بڑی تعریف کی۔ ہوا یہ کہ میں کمرہ کے قریب سے گزر رہی تھی۔ باتوں کی آواز کان میں آئی۔ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ ڈر بھی رہی تھی کہ کہیں کوئی اور کنیز نہ آ مرے اور میری موجودگی کی شہرت ہو کر میری جان پر نہ بن جائے۔ لیکن ذکر میرا ہو رہا تھا۔ اس لیئے سب کچھ برداشت کرنے کے قصد سے کھڑی ہو گئی۔ باشن قادن آفندی کہہ رہی تھیں۔ آپ کے صاحبزادہ شاہزادہ مراد اس پر (یعنی تم پر) کیونکہ تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔ فریفتہ ہو گئے ہیں۔ عالم پناہ نے کہا۔ اس بے چارہ کا کیا قصور ہے

اس کی صورت ہی ایسی ہے کہ فرشتے بھی دیکھیں تو مائل ہو جائیں۔ وہ تو انسان ہے۔ اور پھر نوجوان۔"

یقو نے شرما کر کہا "چل ری چڑیل! مجھے بنا رہی ہے۔"

مست ناز:۔ خدا کی قسم سچ کہہ رہی ہوں۔

یقو:۔ اچھا! پھر کیا ہوا۔

مست ناز:۔ ہوا یہ کہ سلطان نے صاف طور پر کہہ دیا۔ کہ اگر یقو مسلمان ہو جائے تو وہ اسے شاہزادہ کا شریک حیات بنا دیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی کہ تم پر نہ دباؤ ڈالیں۔ نہ تمہیں لالچ دیں۔ مگر خدا نے یہ مسئلہ جلد ہی حل کر دیا۔ اور تم از خود مسلمان ہونے کو تیار ہو گئیں۔ میں یہ خوشخبری باش قادن آفندی کو پہنچا دوں۔

یہ کہتے ہی وہ اٹھی۔ دوڑی ہوئی باش قادن آفندی کے پاس پہنچی اور ایک ہی سانس میں انہیں یہ خوشخبری جا سنائی۔ وہ بہت ہی خوش ہوئیں۔ انھوں نے یقو کو طلب کر کے تصدیق کی۔ اور جب اطمینان ہو گیا تو والدہ سلطانہ سے درخواست کی کہ وہ معلمہ دینیات کو بھیج دیں۔ وینس کی پری مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ چند ہی گھنٹے میں معلمہ دینیات آ گئیں۔ انھوں نے آتے ہی یقو سے پوچھا۔ "کیا تم اپنی خوشی سے مسلمان ہونا چاہتی ہو؟"

یقو نے کہا "جی ہاں۔"

معلمہ:۔ کیوں مسلمان ہوتی ہو؟۔

یقو:۔ مجھے اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے کہ یہی مذہب راست اور درست ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنا خواب بیان کیا۔ معلمہ دینیات نے اپنا اطمینان کر کے اسے مسلمان کر لیا۔ باش قادن آفندی نے یقو کا منہ چوم کر کہا۔ اب تو مجھے بیٹی سے زیادہ عزیز ہو گئی ہے۔ باش قادن آفندی نے اس خوشی میں اس روز شام کے وقت اتنی مٹھائی تقسیم کی کہ ایک ایک کنیز کو ایک ایک ٹوکری بھر کر ملی۔ یقو کا نام سلطانہ[1] صفیہ یعنی شاہزادی صفیہ رکھ دیا گیا۔

---

[1] از تاریخ عثمانیہ جلد اول

باب ۲۴

عید کا چاند

یقو نے مسلمان ہو کر باقاعدہ نماز پڑھنی شروع روزہ رکھنے شروع کر دیئے۔ قرآن شریف بھی پڑھنے لگی۔ اس کے مسلمان ہونے سے عام طور پر سب ہی کو خوشی ہوئی۔ لیکن سب سے زیادہ مسرت باش قادن آفندی کو ہوئی اور جب شہزادے نے سنا تو ان کا رواں رواں خوش ہو گیا۔ وہ کئی مرتبہ اس حور سے ملنے آئے مگر اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی بے احتیاطی کی وجہ سے ان کی محبت کا افسانہ عام ہو گیا تھا کہ ان میں اسے اپنی بدنامی نظر آئی۔ اس لیے وہ نہیں ملی۔ دور سے انہیں آتا دیکھ کر چھپ گئی یا ٹل کر باش قادن کے پاس چلی گئی۔

شاہزادہ کو اس کا بڑا ملال ہوا۔ انہیں یہ غلط فہمی ہو گئی کہ وہ ان سے کسی بات پر ناخوش ہو گئی ہے۔ انہوں نے مست ناز کے ہاتھوں پیغام بھیجا کہ مجھے تمہاری خفگی کی وجہ نہیں معلوم ہوئی۔ بتا تو دو۔ میں اپنے قصور کا اقرار کر کے معافی مانگ لوں۔" اس نے کہلا دیا۔ "میں خفا نہیں ہوئی۔"

مگر اس جواب سے شاہزادہ کی تسلی نہیں ہوئی۔ انہوں نے ملاقات کرنی چاہی تو اس سنگدل نے جس کی صورت چاندی کی طرح سفید و دلکش اور دل برف کی قاش کی طرح ٹھنڈا اور بے حس تھا۔ کہلا دیا۔ کہ "ابھی انتظار کرو۔" مست ناز نے ہر چند کہا کہ شاہزادہ بہت بے چین اور غمگین ہے۔ ہیں۔ یا نہیں ملاقات کا موقع دو۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ایک روز تو اس نے بگڑ کر کہہ دیا۔ میں نے ایک دفعہ کہہ دیا ہے انتظار کریں۔ تم کیوں بار بار کہتی ہو۔" مست ناز سے پھر کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

دن گزرتے رہے۔ یہاں تک کہ چاند رات آ گئی۔ ابھی اچھی طرح دن نہیں چھپا تھا کہ

لوگ چاند دیکھنے لگے۔ باش قادن آفندی بھی لیفو کو ساتھ لے کر کنیزوں کی پلٹن کے ساتھ باغیچہ میں چلی گئیں۔ وہیں سبز سبز گھاس پر دبیز قالینوں کا فرش کر کے صوفے ڈال دیئے گئے تھے۔ لیفو اور باش دونوں ایک صوفہ پر بیٹھ گئیں۔ لیفو ایک عیسائی لڑکی تھی۔ مانا کہ وہ ایک امیر کبیر کی لڑکی بیٹی تھی۔ لیکن باش قادن آفندی سلطنت عثمانیہ کی ملکہ تھیں۔ ان کی بڑی عزت وعظمت تھی۔ یورپ کی شہزادیاں بھی ان کے پاس نہیں بیٹھ سکتی تھیں۔ لیکن لیفو مسلمان ہو کر اس کی مستحق ہو گئی تھی۔ جب روزہ افطار کی توپ دغی اور اذان ہوئی تو سب نے وہیں روزہ افطار کیا۔ نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر چاند دیکھنے لگیں۔ اتفاق سے لیفو کی نظر چاند پر پڑی۔ اس نے انگشتِ حنائی اٹھا کر کہا۔ "وہ رہا چاند"۔ ساتھ ہی باش کی نظر پڑی۔ انہوں نے دعا پڑھی اور رمضان کا مہینہ بخیریت گزارنے پر درگاہِ رب العزت میں سجدہ کیا۔ لیفو اور تمام کنیزوں نے بھی سجدہ کیا۔

اس عرصہ میں بہت سی توپیں دغنی شروع ہوئیں۔ نقارے اور ترکی باجے بجنے شروع ہوئے۔ جب باش قادن آفندی اور لیفو سجدہ کر کے کھڑی ہوئیں تو لیفو نے نہایت ادب سے جھک کر باش کو سلام کیا۔ باش نے اس چینی کی گڑیا کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اور اس کی روشن پیشانی پر ایک لمبا بوسہ دیا۔ اس کے بعد انھوں نے گلے میں سے ایک بہت ہی بیش قیمت موتیوں کی مالا اتار کر لیفو کے گلے میں ڈال دی۔ لیفو نے جھک کر پھر سلام کیا۔ باش نے پھر اس کا منہ چوم لیا۔ یہ مالا اس قدر جگمگ جگمگ کرتی تھی کہ لیفو کے دونوں رخسار اور بھی جگمگا اٹھے۔

اسی وقت مالنیں آئیں۔ انھوں نے باش کے اوپر پھولوں کی بارش کر دی۔ کنیزیں خوش ہو کر ایک دوسرے کو مبارک باد دینے اور گلے ملنے لگیں۔ جو پھول باش پر نچھاور ہو کر فرش پر گر گئے تھے۔ کنیزیں اٹھا اٹھا کر انہیں ایک دوسرے پر اچھالنے لگیں۔ ابھی پھولوں کی بارش ہو رہی تھی کہ باش کی خزانچی آئی۔ اس نے پہلے باش کے اوپر سے روپیوں کی بکھیر کی۔ پھر اشرفیاں بکھیریں۔ کنیزوں، مالنوں اور دوسری لڑکیوں نے لوٹ لیں۔

جب باش قادن آفندی اور لیفو وہاں سے لوٹیں تو محل کے چپہ چپہ پر اس کثرت سے روشنی کر دی گئی تھی کہ دنیا بھر کے چراغاں ماند پڑ گئے تھے۔ بالکل دن سا نکل آیا تھا۔ ساری عمارت اوپر سے نیچے تک ایسی جگمگا رہی تھی۔ جیسے اندھیرے میں آسمان جگمگایا کرتا ہے۔ روشنی چاندی کی طرح پھیل رہی تھی۔ باغیچوں میں بھی پھولوں کے اونچے پودوں اور پھلوں کے درختوں میں بتیاں لگا کر روشن کر دی گئی تھیں۔ یہ بتیاں عجیب بہار دے رہی تھیں۔

باش اپنے کمرہ میں آئی ہی تھیں کہ کنیز نے آکر شاہزادہ مراد کے آنے کی اطلاع کی۔ سعادت مند بیٹے نے حاضر ہو کر نہایت ہی ادب سے ماں کو سلام کیا۔ ماں نے دعا دے کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ مراد کچھ دیر کے بعد وہاں سے اٹھے اور کمرہ سے باہر نکل کر کتراتے ہوئے لیفو کے کمرہ کی طرف چلے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے۔ کہ وہ برق وش ایک گھوم سے نکل کر اچانک ان کے سامنے آگئی۔ انہیں بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے چودھویں رات کا چاند دفعۃً نمودار ہو گیا ہو۔ وہ اس کا حسین بے پناہ کہ حیران رہ گئے۔ اس نے ان پر سحر انگیز نگاہ ڈالی۔ وہ مدہوش سے ہو چلے۔ لیفو نے ان سے بچ کر نکلنا چاہا۔ وہ سنبھل گئے۔ انھوں نے دیکھ کر لپک کر اس کا نرم و نازک ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا "کیا خفا ہو؟"

اس کی نگاہیں زمین پر جھک گئیں۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی اور شیریں لہجہ میں کہا "نہیں"۔

مراد خاں: "پھر بھاگی کیوں جا رہی ہو۔؟"

لیفو: کہاں بھاگ رہی ہوں۔ میں تو کھڑی ہوں۔ ہاں چھوڑ دیجئے۔ دُکھنے لگا۔

مراد خاں:- اللہ رے نزاکت۔ یہ بتاؤ۔ یہ مالا کہاں سے چرائی۔

لفو:- میں چور ہوں۔

مراد خاں:- قسم خدا کی چور ہو۔ چور آنکھیں نہیں ملایا کرتے۔

لفو نے آنکھیں اٹھا کر ذرا تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ "میں نے آپ کا کیا چرایا ہے۔"

مراد خاں:- "دِل"

لفو شرما گئی۔ مراد خاں نے کہا "یوں تو تمہاری ہر ادا بڑی ہی پیاری ہے لیکن شرمانے کی ادا تو بالکل ہی ایمان شکن ہے۔"

لفو:- چھوڑ دیجیے۔ کوئی آجائے گا۔

مراد خاں:- آنے دو۔

لفو:- مجھے بدنام کرنا چاہتے ہو۔

مراد خاں:- اب تک کون سی بدنام ہو گئیں۔

لفو:- اچھا ابھی کچھ معلوم ہی نہیں۔ باش قادن آفندی اور سلطان تک معلوم ہو گیا۔

مراد خاں:- کیا معلوم ہو گیا؟

لفو:- اپنے دل سے پوچھو۔

مراد خاں:- پوچھ لیا۔ وہ کہتا ہے۔ کچھ معلوم نہیں ہوا۔

لفو:- مت ناز سے پوچھنا۔

مراد خاں:- میں تو تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔

لفو:- یہاں کھڑے ہو کر۔ تاکہ بدنامی میں جو بات باقی رہ گئی ہے۔ وہ بھی پوری ہو جائے۔

مراد خاں۔ تم بدنامی سے اس قدر کیوں ڈرتی ہو۔

لفو:- نہیں۔ بڑی خوش ہونے کی بات ہے۔

مراد خاں:- مجھے تو فخر ہوتا ہے۔

لفو نے مسکرا کر کہا۔ "فرہاد کے شاگرد جو ٹھیرے۔"

مراد خاں:- مگر تم تو رشکِ شیریں ہو۔

لفو نے گھبرا کر کہا۔ دیکھیے وہ باش آگئیں۔"

مراد خاں نے جلدی سے ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں باش کہاں تھی۔ انہوں نے کہا "شریر" اب جو دیکھتے ہیں تو لفو بھی غائب ہے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔ پری جل دے گئی۔"

باب ۲۵

آلِ عثمان کی عید

دوسرے روز عید ہوئی۔ باش قادن آفندی کا مکان دلہن کی طرح آراستہ کیا گیا تھا۔ کمروں میں سنہرے کلابتو کے جال پورے گئے تھے اور باہر چبوترہ پر خوشبودار اور خوش رنگ پھولوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ ہر کنیز اور ہر لڑکی نے اچھی سے اچھی پوشاک بدلی تھی۔ خود باش نے ایسی سنہری پوشاک زیب تن کی جس سے ان کی جوانی اور خوب صورتی کو واپس لوٹا دیا۔ ان کے چہرہ پر غازہ پھر گیا۔ ان کے سر پر تاج رکھا گیا۔ وہ چاندی کے تخت پر بیٹھ گئیں۔ کئی خواصیں پیچھے کھڑی ہو کر مگس رانی کرنے لگیں۔

کئی حبشنیں پچھلی گوشوں کے پاس مسلح کھڑی ہو گئیں۔ محل کی معزز عورتوں نے انہیں نذریں پیش کرنی شروع کیں۔ وہ ان کی حسب حیثیت انعام دیتی جاتی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں لفو بھی نہایت پر تکلف لباس پہنے آئی ہے۔ لباس باش نے اس کے لیے خاص طور پر تیار کرایا تھا۔ بڑا ہی زیب دے رہا تھا۔ اس کا بے پناہ حسن اور بھی چمک اٹھا تھا۔ اور زیورات جو اس نے پہنے تھے ان سے اور بھی اس کے حسن میں چار چاند لگ گئے تھے۔

وہ پیکرِ حسن و ناز بڑے دل ربا انداز سے آئی اور اس نے نہایت ہی ادب سے نذر پیش کی۔ باش تاون آفندی نے اسے کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور آہستہ سے کہا۔ "مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ تخت تمہارے نازک قدموں سے زینت پانے والا ہے۔"

لفو نے شرما کر سر جھکا لیا۔ باش نے کہا۔ "شرماتی ہو صفیہ۔ بڑی شرمیلی ہو۔ نظریں اٹھاؤ۔ ہماری طرف دیکھو۔"

لفو کا نام صفیہ رکھ دیا گیا تھا۔ آئندہ ہم بھی اس کا نام صفیہ ہی لکھیں گے۔ اس نے آہستہ آہستہ شرمیلی نظریں اٹھا کر باش کو دیکھا۔ باش نے اس کی گوری پیشانی چوم لی اور ایک موتیوں کا جگمگاتا ہار اپنے گلے سے اتار کر اس کے گلے میں ڈال دیا۔ صفیہ نے کھڑے ہو کر سلام کیا اور شکریہ ادا کر کے پھر بیٹھ گئی۔ ابھی وہ بیٹھی ہی تھی کہ شاہزادہ مراد خاں کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ باش نے کہا "آنے دو۔"

شاہزادہ مراد خاں آئے۔ وہ صفیہ کو دیکھ کر ایسے مدہوش ہوئے کہ یہ خیال ہی نہ رہا کہ باش کس طرف بیٹھی ہیں۔ نیم سرشاری کی حالت میں صفیہ کے سامنے نذر پیش کر دی۔ صفیہ سمٹ کر شرم کی گڑیا بن کر رہ گئی۔ باش نے لطیف قہقہہ لگایا۔ مراد خاں چونکے۔ انہیں جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ بھی اس قدر شرمائے کہ نذر اپنی والدہ محترمہ کے سامنے پیش کر کے وہاں سے ہٹ کر ایک دم بھاگ گئے۔

باش نے صفیہ کو دیکھا۔ اس کی شرم دیکھ کر خوش ہوئیں اور بولیں "ہم نے نہ کہا تھا کہ یہ تخت تمہارے قدموں سے زینت پانے والا ہے۔ دیکھ لو۔ ہماری پیشن گوئی کس قدر صحیح نکلی۔ تمہیں نذریں بھی پیش ہونے لگیں۔"

صفیہ اور بھی شرما گئی۔ باش نے اس کا منہ چوم کر کہا۔ "خدا کی قسم! تمہارے شرمانے کی ادا کس قدر دل فریب ہے۔"

اس وقت چند کنیزوں نے سلطان المعظم کے آنے کی اطلاع دی۔ باش جلدی سے اٹھیں صفیہ بھی اٹھی۔ اس نے کہا۔ "مجھے اجازت ہے۔"

صفیہ:۔ ان کے سامنے ہوتے شرم آتی ہے۔

باش:۔ تم ہو ہی بہت شرمیلی۔ شرمایا نہیں کرتے۔

اتنے میں سلطان کمرہ کے دروازہ پر آ گئے۔ جلدی سے باش نے بڑھ کر استقبال کیا اور ساتھ لا کر تخت پر بٹھایا۔ تو خود صوفہ پر بیٹھنے لگیں۔ سلطان نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ باش بیٹھتے ہی فوراً اٹھی اور سلطان کو نذر پیش کی۔ سلطان کے حکم سے خلعت فاخرہ جس میں کئی مالائیں اور بیش قیمت ہار تھے۔ عطا کیے۔

اب باش نے صفیہ کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھی اور ادا و ناز سے بل کھا کر شرماتی لجاتی سلطان کے حضور میں پہنچی اور نذر گزاری۔ سلطان نے بڑی شفقت سے اس کے خوبصورت سر پر ہاتھ رکھا۔ اور اسے بھی خلعت فاخرہ جس میں کئی قیمتی اور نہایت عمدہ شالائیں تھیں عطا کیں۔ صفیہ انہیں سر تک لے گئی۔ سلطان کو اس کی یہ ادا بہت ہی پسند آئی۔ اب کنیزوں اور محل کی دوسری عورتوں نے نذریں گزارنا شروع کیں۔ سلطان نے انہیں اس قدر انعامات دیئے کہ وہ اچھی خاصی دولت مند ہو گئیں۔

جب نذریں پیش ہو چکیں۔ تب سلطان نے باش سے کہا تھا۔ کہو "دیوانہ بھی آیا تھا"۔

باش:۔ آئے تھے۔ (صفیہ کو کن انکھیوں سے دیکھ کر) اپنی دیوی کو نذر پیش کر کے چلے گئے۔

صفیہ اس قدر شرمائی کہ اگر زمین پھٹ جاتی تو وہ اس میں سما جاتی۔ سلطان نے دیکھ لیا۔ انہوں نے کہا۔ "صفیہ بیٹی! تم جا سکتی ہو۔"

اس نے سلطان کو سلام کیا اور سیدھے قدموں چل کر کمرہ سے نکلی۔ اور تیزی سے چلی۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ شاہزادہ نے آ پکڑا۔ اس بت طناز نے پیشانی پر بل ڈال

کر کہا۔ "بس معاف کیجئے"

شاہزادہ مراد نے عاجزی سے کہا۔ "ذرا سنو تو"

صفیہ:۔ "کیا سنوں ۔۔۔۔۔۔۔۔ آخر تم نے مجھے رسوا کرنے کی کیوں قسم کھائی ہے"

مراد خاں:۔ یک طرفہ فیصلہ نہ دو۔ پہلے میری عرض تو سن لو۔

صفیہ:۔ توبہ توبہ۔ بھرے دربار میں تم نے مجھے کس قدر رسوا کیا ہے۔

صفیہ کو اس وقت غصہ آ رہا تھا۔ جوش اور غصہ سے اس کے گلابی رخسارے تمتما کر آتش ناک ہو گئے تھے۔ مراد خاں نے کہا۔ "یہ غلطی کیوں ہوئی۔ وہی تو عرض کر رہا ہوں۔

صفیہ:۔ میں کچھ نہیں سنتی۔

شاہزادہ نے اس کا گداز اور نرم بازو پکڑ کر کہا۔ "سننا پڑے گا"

صفیہ نے ایسی نگاہوں سے جس میں شرم اور غصہ دونوں کی ملی جلی جھلک تھی شاہزادہ کو دیکھ کر کہا۔ "کیا زبردستی بھی"

شاہزادہ نے ڈر کر اس کا بازو چھوڑ دیا اور کہا۔ زبردستی کرنے کی میری مجال کہاں ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر یہ عرض تو سن لو"

صفیہ:۔ کہو۔

مراد خاں:۔ اس میں قصور میرا نہیں۔ تمہارا ہے۔

صفیہ یا تو غصہ ہو رہی تھی یا بے ساختہ مسکرا پڑی اور بولی۔ سلطان المعظم ٹھیک فرما رہے تھے"

مراد خاں:۔ یہی تو میں کہنے والا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں دیوانہ ہو گیا ہوں۔

صفیہ:۔ خدا رحم کرے۔

مراد خاں:۔ تم مذاق سمجھ رہی ہو۔ سنو صفیہ! میری حالت ایسی ہو گئی ہے کہ جس طرف نظر پڑتی ہے۔ تم ہی نظر آتی ہو۔

صفیہ:۔ اور ترقی کرو۔

مراد خاں:۔ کر رہا ہوں۔ یاد رکھو صفیہ! اگر تمہاری یہی سرد مہری رہی تو ایک دن

میرے جنوں کی وہ حالت ہو جائے گی کہ تم بھی افسوس کرو گی۔

صفیہ:۔ جی۔

مراد خاں:۔ خدا مجھے بھی تمہارے ہی جیسا دل عطا کرتا۔

صفیہ:۔ اب راستہ بھی دو گے۔

مراد خاں:۔ معاف کر دیا۔

صفیہ:۔ دیوانوں سے کون خفا ہوا کرتا ہے۔

یہ کہہ کر وہ مسکرائی۔ مراد خاں نے کہا۔ "تمہیں باتی نے اور اعلیٰ حضرت نے بھاری بھاری تحفے دیئے ہیں۔ اس دیوانہ کا بھی یہ تحفہ قبول کرو"

انہوں نے جیب میں سے ایک سونے کی ڈبیہ نکالی۔ اسے کھول کر اس میں سے ہار نکالا۔ نہایت ہی قیمتی اور بڑا ہی خوش نما تھا۔ انہوں نے کہا۔ "اجازت ہے کہ تمہیں خود پہنا دوں"

صفیہ نے تبسم بکھیر بکھیر کر کہا۔ دیوانوں کو ہر بات کی اجازت ہے۔

شاہزادہ نے اس کی حسین آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "شکریہ" اور ہار اس کی صراحی دار گردن میں ڈال دیا۔ اس ہار کے پہننے سے اس کی صورت اور بھی چمک گئی۔

مراد خاں ہمہ تن متوجہ ہو کر دیکھنے لگے۔ وہ پری رو وہاں سے ٹل گئی۔

باب ۲۶

گوھر مراد

عید کے روز سلطانہ کا عقد ہو گیا۔ جب وہ اپنے میکہ جانے لگیں تو رخصتی کے وقت صفیہ بھی ان سے ملنے گئی۔ وہ اسے اب بھی لفو کہا کرتی تھی چلتے وقت وہ اس طرح گلے ملیں گی جیسے بہن سے رخصت ہو رہی ہوں۔ صفیہ کا دل بھر آیا۔ سلطانہ نے کہا۔ "باؤلی! یہ رونے کا موقع ہے یا خوش ہونے کا۔"

صفیہ۔ "اب مجھ سے کب ملو گی؟"

سلطانہ:۔ جب خیر سے تمہاری شادی ہو گی۔

صفیہ شرما گئی۔ سلطانہ نے مسکرا کر کہا۔ "آخر تو ایسی شرم کی گڑیا کیوں ہے۔"

صفیہ:۔ میری فطرت ہی کچھ ایسی ہے۔

سلطانہ:۔ لیکن بھائی جان تو تیری بڑی بڑائی کرتے تھے۔

صفیہ:۔ کیا کہتے تھے۔

سلطانہ:۔ نہیں بتاتے۔

صفیہ:۔ مت بتاؤ۔ میں سمجھ گئی۔

سلطانہ:۔ کہیں سمجھ گئی نہ ہو۔

صفیہ:۔ بتا دوں۔

سلطانہ:۔ بتاؤ۔

صفیہ:۔ سنگدل اور بے وفا کہہ رہے ہوں گے۔

سلطانہ:۔ دیکھ ایک بات بتا دوں۔ بھائی جان بہت ہی سیدھے ہیں۔ تو ہے شوخ۔ انہیں پریشان نہ کرنا۔

صفیہ:۔ ایک تم سیدھی ہو۔ ایک تمہارے بھائی جان سیدھے ہیں۔

سلطانہ کی رخصتی سے پہلے صفیہ کی مراد خاں سے منگنی ہو گئی۔ باش قاون آفندی صفیہ کے اور خود سلطان المعظم شاہزادہ مراد کے سرپرست مقرر ہوئے۔ سلطان نے بھاری جوڑا اور چند زیورات صفیہ کو دیئے۔ باش نے جواہرات کی انگوٹھی شاہزادہ کو دی۔ اس روز اس قدر شیرینی تقسیم کی گئی کہ ساری محل سرا میں جس میں ایسے ایسے کئی محل

تھے۔ جیسا باش قاون آفندی کا تھا۔ سب کو اس قدر ملی کہ کئی کئی روز رکھ کر کھائی۔ کئی روز میں یہ شیرینی تیار کرائی گئی تھی۔

اب صفیہ نے شاہزادہ مراد کے سامنے آنا بالکل بند کر دیا۔ دراصل وہ تو بہترا آنا چاہتی۔ لیکن اس کی بڑھی ہوئی شرم اجازت نہ دیتی تھی۔ چند روز کے بعد شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ اب صفیہ بالکل ہی گوشہ گیر ہو گئی۔

ایک روز شاہزادہ مراد خاں گھومتے گھامتے صفیہ کے کمرہ میں جا گھسے۔ وہ چینی کی گڑیاں وہاں موجود تھی۔ شاہزادہ کو دیکھتے ہی سمٹ کر بیٹھ گئی۔ شاہزادہ نے اس کے سامنے بیٹھ کر کہا۔ "یہ تم مجھ سے دور کیوں بھاگنے لگی ہو۔"

صفیہ نے بجائے جواب دینے کے خود ان سے ہی سوال جڑ دیا۔ "تم یہاں کیوں گھس آئے؟"

مراد خاں:۔ پہلے میرے سوال کا جواب دو۔

صفیہ:۔ پہلے میرے سوال کا جواب دو۔

مراد خاں:۔ تمہیں کئی روز سے نہیں دیکھا تھا۔ دل پریشان ہونے لگا۔ چلا آیا۔

صفیہ:۔ اگر باش قاون آفندی آ جائیں تو کیا ہو۔

مراد خاں:۔ اب میں نہیں ڈرتا۔ سارا معاملہ طے ہو گیا ہے۔ تم میری منگیتر ہو۔

صفیہ:۔ تو کیا تمہارے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ منگیتروں کو بدنام کیا کرتے ہیں۔

مراد خاں:۔ اور تمہارے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ آگ لگا کر تماشہ دیکھا کرتے ہیں۔

صفیہ:۔ میں بحث نہیں کرنا چاہتی۔

مراد خاں:۔ میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔

صفیہ:۔ کب جاؤ گے تم؟

مراد خاں:۔ جب تم رخصت کرو گی۔

صفیہ:۔ میں نے بلایا کب ہے؟

مراد خاں:۔ آمدن بہ ارادت اور رفتن بہ اجازت۔

صفیہ:۔ اچھا میں اجازت دے دی۔

مراد خاں:۔ بغیر منہ میٹھا کرائیے۔

صفیہ:۔ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

مراد خاں:۔ میرے پاس ہے۔

یہ کہتے ہی مراد خاں نے جیب میں سے ایک رومال نکالا۔ اس میں کوئی عجیب قسم کی مٹھائی بند تھی۔ اسے کھول کر نکالا اور صفیہ کے سامنے پیش کر کے کہا "ملاحظہ فرمایئے۔"

صفیہ نے مسکرا کر کہا۔ "ملاحظہ فرما لیا۔"

مراد خاں:۔ لاحول ولا قوۃ کیا کہہ دیا میں نے۔ تناول فرمایئے۔

صفیہ: شکریہ۔ مہربانی۔

مراد خاں نے جلدی سے ایک ٹکڑا اٹھا کر صفیہ کے منہ میں ٹھونس دیا۔ وہ کچھ برہم ہونے لگی۔ شاہزادہ اٹھ کر رفو چکر ہو گئے۔ صفیہ نے اس شیرینی کو بہت کچھ ذائقہ لے کر کھایا۔

ہوتے ہوتے شادی کی تاریخ آ گئی۔ ولی عہد کی شادی تھی۔ سلطان المعظم نے تین روز تک تمام شہر قسطنطنیہ کی دعوت کی اور دھوم دھام سے محل سرا میں تو روز عید اور رات شب رات رہنے لگی۔ بڑی شان سے بارات چڑھی۔ محل سرا سے باہر مرد مہمانوں کا ہجوم تھا۔ بارات محل سرا سے نکل کر قسطنطنیہ کے بازاروں میں سے گزر کر مسجد ابو ایوب انصاری میں پہنچی۔ وہاں شاہزادہ نے دو رکعت ادا کیے اور بارات وہاں سے روانہ ہو کر دوسرے بازاروں میں سے گزر کر محل سرا میں واپس آ گئی۔ نکاح شیخ الاسلام نے پڑھایا۔ ڈھائی لاکھ روپے نکاح خوانی کے انہیں ملے۔ اسی روز رخصتی ہو گئی۔ باشا نے اس قدر جہیز دیا کہ اپنی بیٹی سلطانہ کو بھی نہیں دیا۔ بے شمار اشرفیاں دلہن پر سے نثار کی گئیں۔

شاہزادہ مراد کے لیے ایک عالیشان قصر آراستہ کر دیا گیا تھا۔ دلہن وہیں اتاری گئی۔ قدم قدم پر سلطان کو بے شمار انعامات تقسیم کرنے پڑے۔ یہ قصر دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ ایک بڑے کمرہ میں جس میں قد آدم حلبی آئینے لگے ہوئے تھے۔ دلہن پہنچائی گئی۔ قریباً ایک ہزار کنیزیں اور مامائیں اس قصر میں بکھری ہوئی تھیں۔ مست ناز اور دوسری منہ چڑھی کنیز گل چمن بھی ساتھ آئی تھیں۔ اس وقت وہ دونوں ہی اس کے پاس تھیں تھوڑی ہی دیر میں شاہزادہ مراد آ گئے۔ وہ دونوں کھسک گئیں۔ صفیہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ وہ اس وقت ایسا عمدہ لباس اور زیورات اچھے زیورات پہنے تھی کہ اس کا حسن ہزار چند بڑھ گیا تھا۔ اس قدر بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا کہ انسان اور فرشتے تو کیا حوریں بھی فریفتہ ہو جائیں۔ شاہزادہ نے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔ "ہم حکم دیتے ہیں۔ منہ اوپر اٹھاؤ۔"

صفیہ نے ایک نگاہ غلط انداز جس میں جادو ہی جادو بھرا تھا۔ شاہزادہ پر ڈال کر کہا۔ "منہ دھو رکھو۔"

مراد خاں:۔ ہم منہ دھو کر آتے ہیں۔ ہمارے حکم کی تعمیل ہو۔"

صفیہ۔ ہو چکی۔ حکم ہمارا چلے گا۔

مراد خاں:۔ ہمیں معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ دنیا پر عورت نے حکومت کی ہے۔ حکم تمہارا ہی چلے گا۔

صفیہ نے جادو نگار نظریں اٹھا کر مراد خاں کو دیکھا اور مسکرائی۔ مراد خاں بھی مسکرا دیئے۔ انہوں نے کہا۔ ایسی دل فریب نگاہ اور ایسے دل کش تبسم پر کون فدا نہ ہو جائے۔ بھئی صفیہ ہمیں تو گوہر مراد آج حاصل ہوا ہے۔"

باب ۲۷

ملکہ معظمہ

شاہزادہ مراد صوبہ منگنیشیا کے گورنر تھے۔ شادی کے ایک ہفتہ بعد سلطان المعظم خاں ثانی نے انہیں منگنیشیا بھیج دیا۔ ۱۵۷۴ء میں سلطنتِ عثمانیہ پر کئی بلائیں نازل ہوئیں[1]۔ ایک تو اس کثرت سے بارش ہوئی کہ طغیانی آگئی۔ گاؤں کے گاؤں بہہ گئے۔ عثمانی رعایا کو سخت نقصان پہنچا۔ ابھی اس کی تلافی نہ ہوئی تھی کہ قسطنطنیہ میں اس زور کا زلزلہ آیا کہ بڑے بڑے مضبوط اور مستحکم عمارتوں کو بنیادیں ہل گئیں۔ اکثر مکانات گر پڑے۔ مسجد ایا صوفیہ کا کچھ حصہ شکستہ ہو رہا تھا۔ وہ بھی گر گیا۔ شہر میں کئی جگہ آگ لگ گئی۔ محل سرائے شاہی کا بھی کچھ حصہ جل گیا۔

سلطان سلیم خاں ثانی نے اوّل مسجد کی مرمت کرائی۔ یہ شرف انہیں حاصل ہوا۔ ان سے پہلے کسی سلطان نے مسجد کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ مرمت کے علاوہ انھوں نے اس میں کئی عمارتیں بھی نئی بنوائیں۔ اس کے بعد انھوں نے محل سرائے شاہی کا آتش زدہ حصہ تعمیر کرانا شروع کیا۔

چونکہ کثرت باراں سے پہلے طغیانی آئی۔ پھر زبردست زلزلہ آیا۔ اس کے بعد آگ لگنے کی وارداتیں ہوئیں۔ اس سے انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ یا تو سلطنتِ عثمانیہ کا زوال قریب ہے یا ان کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔

سلطان ایک روز محل سرائے کے اس حصہ کو جس کی تعمیر ہو رہی تھی۔ دیکھنے گئے۔ وہ

---

[1] از تاریخ عالم اسلام جلد چہارم صفحہ ۵۰۹

معائنہ کرتے پھر رہے تھے۔ سنگِ مرمر کا فرش تھا۔ اتفاق سے پیر پھسل گیا۔ وہ گر پڑے۔ گرتے ہی دماغ میں چوٹ آئی۔ اس کے صدمہ سے بے ہوش ہو گئے۔ خدام نے اٹھا کر قصر عالی میں لے گئے۔ شاہی طبیبوں نے علاج شروع کیا۔ چوٹ معمولی سمجھی جا رہی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ معلوم ہوا کہ بھیجہ اپنی جگہ سے ہل چکا ہے۔ ہر چند علاج کیا۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اور سلطان نے اس صدمہ سے ۲۷ شعبان المعظم ۹۸۲ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۵۷۴ء کو وفات پائی۔

ان کا انتقال ہوتے ہی تمام عمارتوں کے شاہی جھنڈے سرنگوں کر دیئے گئے۔ سفارت خانوں میں جن جن ملکوں کے جھنڈے تھے وہ بھی جھکا دیئے گئے۔ رعایا کو اپنے محبوب سلطان کی وفات کی اطلاع ہو گئی۔ چونکہ سلطان نہایت نیک اور محب ملک و قوم تھے۔ اس لیے سب کو ان کی وفات کا قلبی رنج ہوا۔ محمد سقلی پاشا وزیر اعظم تھے۔ انھوں نے شاہزادہ مراد خاں کو ان کے والد کے انتقال کی خبر بھیجی۔ شاہزادہ کو بھی بے حد صدمہ ہوا۔ ان کے آنسو جاری تھے۔ جب طبیعت کو سکون ہوا۔ تو وہ میگنیشیا سے روانہ ہو کر روانہ ہو کر قسطنطنیہ میں پہنچے۔

ان کا استقبال نہایت شان کے ساتھ کیا گیا۔ وہ آتے ہی سب سے پہلے شاہی قبرستان میں پہنچے اور اپنے باپ سلطان سلیم خاں ثانی کے مزار پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی جب تک وہ فاتحہ پڑھتے رہے ان کی آنکھوں سے برابر آنسو بہتے رہے۔ اس وقت ان کے ساتھ تمام ارکانِ سلطنت، شہر کے سارے امیر اور جاگیردار، سب وزراء اور ساری سلطنتوں کے سفیر موجود تھے۔ سب ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ شاہزادی کو روتا دیکھ کر ان میں سے اکثر رونے لگے۔ اور پھر کچھ ایسا سماں بندھا کہ اپنے پرائے سب ہی آنسو بہانے لگے۔ فاتحہ پڑھ کر شاہزادہ نے کہا، شفیق باپ اتم سلطنت و حکومت کی زبردست ذمہ داری میرے نازک کندھوں پر ڈال کر قبر میں چلے گئے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے بارِ حکومت اٹھانے کی توفیق

---

[1] از تاریخ عثمانیہ۔

دے"۔

اب وہ وہاں سے لوٹے محل سرائے تک لوگ ساتھ آئے۔شاہزادہ محل سرائے میں داخل ہو گئے۔ اور یہ سب لوگ وہاں سے لوٹ کر دارالعوام میں پہنچے۔ وہاں انہوں نے تخت نشینی کی تاریخ اور وقت مقرر کیا۔

شاہزادہ مراد خاں جب محل سرائے میں داخل ہوئے تو وہ سیدھے اپنی والدہ باش قاون آفندی کی خدمت میں پہنچے۔ ان کا نام نور بانو حیات تھا۔غم و صدمہ نے ان کے نازک جسم کا خون نچوڑ لیا تھا۔پیکر غم بن کر رہ گئی تھیں۔شاہزادہ مراد نے جب انہیں جا کر سلام کیا تو باوجود ضبط کرنے کے ان کا دل بھر آیا۔بے اختیار زار و قطار رونے لگیں۔شاہزادہ بھی رونے لگے۔

کچھ وقفہ کے بعد شاہزادہ نے کہا۔"امی جان! میں جانتا ہوں کہ تمہارے دل کو کس قدر صدمہ پہنچا ہے۔میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کس قدر کمزور ہو گئی ہو۔لیکن امی! موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔انسان مجبور اور لاچار ہے۔ضبط و صبر کرو۔حکومت کا بار ان گراں میرے کندھوں پر آن پڑا ہے۔میری مدد کرو۔اور دعا دو کہ اللہ تعالیٰ مجھے حکومت کی توفیق عطا فرمائے"۔

نور بانو حیات نے آنسو پونچھے۔انہیں دعا دی اور کہا۔"بیٹا! اپنی دلہن کی خبر لو۔رو رو کر اس نے اپنا برا حال کر لیا ہے۔سب سمجھا کر تھک گئیں لیکن اس کے آنسو بند ہونے نہیں رکے"۔

شاہزادہ مراد خاں وہاں سے صفیہ کے پاس پہنچے۔انہوں نے دور سے دیکھا۔ وہ مہ پارہ غم کرتے کرتے بہت کمزور ہو گئی تھیں۔جوں ہی شہزادہ اس کے پاس پہنچے۔وہ کھڑی ہو کر ان کے سینہ سے لگ گئی۔اور بلک بلک کر رونے لگی۔شاہزادہ کے بھی آنسو جاری ہو گئے۔انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔"جانِ حیات صبر کرو"۔

صفیہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔"شاہزادہ یہ کیا ہو گیا"؟

مراد خاں۔خدا کو جو منظور تھا۔وہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صبر کا حکم دیا ہے۔صبر کرنا چاہیئے۔

شاہزادہ نے اس ماہ رو کے آنسو کے آنسو پونچھے۔رفتہ رفتہ اس کے آنسو تھمے اور غم ہلکا ہوا۔دوسرے ہی روز شاہزادہ کو تخت نشینی کی مراسم ادا ہونے لگیں۔ایک بھاری جلوس میں چری سپاہ بھی شامل تھی۔اور سارے وزیر، امیر، اراکین سلطنت اور دوسری سلطنتوں کے سفیر بھی شریک تھے۔محل سرائے شاہی سے روانہ ہوا۔شاہزادہ مراد ایک عربی گھوڑے پر سوار ہو کر چلے۔وہاں سے مسجد ابوایوب میں پہنچے۔اس مسجد میں تبرکات محفوظ رہتے تھے۔ آں حضور صلعم کی ردائے مبارک، سلاطین عثمانیہ کے مورث اعلیٰ غازی عثمان کی تلوار اور دوسری چیزیں مسجد کے متولی نے یہ تبرکات کھول کر سامنے رکھے اور ردائے مبارک شاہزادہ کے شانوں پر ڈالی گئی۔تلوار حمائل کی گئی۔سر پر تاج رکھا گیا۔انہوں نے حلف اٹھایا کہ وہ مذہب کیلئے ملک کے لیے اور قوم کے لیے اپنی جان تک دے دیں گے۔اس کے بعد وہ واپس آئے اور دربار میں آکر باقاعدہ تخت نشین ہوئے۔سب نے نذریں پیش کیں۔انہوں نے خلعتیں اور انعامات دیئے۔تخت نشینی کی خوشی میں بے شمار توپیں سر کی گئیں۔ان مراسم سے فارغ ہو کر وہ محلسرا میں پہنچے۔باش قاون آفندی والدہ سلطانہ بنائی گئیں۔ والدہ سلطانہ بنانے کی رسمیں ادا ہوئیں۔اس کے بعد بفو یعنی صفیہ کے سر پہ تاج رکھا گیا۔اور وہ باش قاون آفندی بنا دی گئیں یعنی عظیم الشان سلطنت عثمانیہ کی ملکہ معظمہ۔

اس طرح وینس کے ایک امیر کی لڑکی جو معمولی ریاست وینس کی رہنے والی تھی۔اور جسے بحری ڈاکو چرا کر لایا تھا۔جو گرفتار ہو کر کنیزوں کی طرح قسطنطنیہ میں آئی تھی۔اسلامی سلطنت کی ملکہ معظمہ بن گئی۔اسلام کی مساوات اس واقعہ سے بھی ظاہر ہے۔ جب تک بفو عیسائی رہی کنیز کی حیثیت سے رہی۔ اور جب وہ مسلمان ہو کر صفیہ ہو گئی تو ایک دم ملکہ معظمہ بن گئیں۔ یہ تمام واقعات جو اس وقت تک ہم بیان کرتے چلے آئے ہیں۔مسلمان اور عیسائی دونوں مورخوں نے اپنی تاریخوں میں اسی طرح لکھے ہیں۔جس طرح ہم نے بیان کی ہیں۔

باب ۲۸

شراب کی بندش

چوں کہ مراد خاں کے نام کے دو سلطان پہلے گزر چکے تھے اور اس کے نام کے یہ تیسرے سلطان ہوتے - اس لیے وہ سلطان مراد خاں سوم کے مشہور ہیں -

سلطان مراد خاں سوم عین نوجوانی کے عالم میں تخت نشین ہوئے تھے - ان کی رگوں میں ترکی خون دوڑ رہا تھا - انھوں نے سب سے پہلے فوج کا جائزہ لیا - اور یہ دیکھا کہ سپاہی چاق وچوبند ہیں یا نہیں - ان کی وردیاں درست ہیں - ان کے پاس سامانِ حرب کافی ہے - اس کا انتظام انھوں نے یہ کیا کہ جو فوجیں قسطنطنیہ میں موجود تھیں - اول ان کا معائنہ کیا - جب ان کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو انہیں دوسری چھاؤنیوں میں بھیجا - اور وہاں جو فوجیں متعین تھیں - انہیں مع توپ خانہ کے طلب کیا - روزانہ کسی نہ کسی چھاؤنی سے فوجیں آنے لگیں - سلطان نے اپنے وزیر اعظم محمد سقلی پاشا کو ساتھ لے کر معائنہ کرتے - جو کمی کسی فوج میں دیکھتے - اسے پورا کرنے کا حکم دیتے -

محمد سقلی پاشا وزیر اعظم سلطان مراد خاں سوم کے والد سلطان سلیم خاں ثانی کے زمانہ سے وزیر تھے - سلطان نے بھی انہیں ہی وزیر رکھا - وہ تھے بھی بڑے دلیر اور مدبر -

تمام فوجوں کے معائنہ کے بعد انھوں نے جہازوں کا معائنہ کیا - سلطانی بحری بیڑہ نہایت زبردست تھا - ساری عیسائی سلطنتوں کے بیڑے مل کر بھی سلطانی بیڑے کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے - جب سلطانی جہاز سمندر میں چلتے تھے - تو سمندر کے جس حصہ میں ہوتے - اسے ڈھک لیتے تھے - سلطان نے بحری بیڑہ میں بھی بعض نقائص دیکھے - انہیں درست کرنے کا حکم دیا - بہت جلد ان کی درستی ہو گئی -

اب سلطان نے شہر کی طرف توجہ کی - وہ اکثر چھپ کر پبلک تفریح گاہوں، پارکوں اور بازاروں میں جاتے اور وہاں دیکھتے کہ رعایا کس حال میں ہے - کیا کہتی اور کیا کرتی ہے - انھوں نے پارکوں میں بھی بعض ترمیمیں کیں - مثلاً ہر پارک میں ایک خوشنما عمارت بنوا دی - اس کے ایک حصہ میں کتب خانہ قائم کر دیا - لوگ جا کر جب سیر کرنا چاہتے - سیر کرتے اور جب سیر سے اکتا جاتے تو دارالمطالعہ میں داخل ہو کر مطالعہ کرنے لگتے -

ایک روز سلطان مراد خاں سوم بازار میں سے گزر رہے تھے - ان کے ساتھ چند جاں باز وجاں نثار رہتے تھے - جو چند قدم پیچھے رہتے تھے - اتفاقاً ان کا گزر ایک کلال خانہ کے سامنے سے ہوا - ممکن تھا وہ آدمی دیکھے بغیر چلے جاتے لیکن دفعتاً وہاں شور بلند ہوا - سلطان نے اس طرف دیکھا - کئی ینگچری سپاہی اپنی وردیاں پہنے شراب پی رہے تھے اور نشہ میں سرشار ہو کر خرافات بک رہے تھے -

ینگچری فوج ان سما لڑکوں کی بھرتی کی جاتی تھی جو مسلمان ہو جاتے تھے - یہ مسلمان عموماً وفادار اور جاں نثار ہوتے تھے - مسلمان اس زمانہ میں شراب نہ بالکل نہ پیتے تھے - لیکن نومسلم عیسائی کبھی کبھی چھپ کر پی لیتے تھے - خصوصاً ینگچری سپاہی تو اکثر پیتے تھے -

سلطان نے پھر بھی کچھ زیادہ توجہ نہیں کی - دل میں یہ خیال کر لیا کہ ینگچری سپاہیوں کو حکم دیں گے کہ وہ آئندہ شہر میں نہ جائیں - نہ وہ شہر میں جائیں گے - نہ شراب پئیں گے -

لیکن اس وقت وہاں ہنگامہ سا برپا ہو گیا - سپاہیوں نے جو نشہ میں چور تھے - زبردستی شراب کی بوتلیں اٹھا اٹھا کر پینی اور پھوڑنی شروع کر دیں - کلال خانہ میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے - اور انھوں نے بڑی مشکل سے ینگچری سپاہیوں کو دھکے دے کر وہاں سے نکالا -

یہ بدمست سپاہی جھومتے جھامتے چلے جا رہے تھے - ترک انہیں تحقیر کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے - اتفاق سے سامنے سے ایک ادھیڑ عمر کی ترک خاتون چہرہ پر نقاب

ڈالے آگئی۔ سپاہی بھوکے کتوں کی طرح اس کی طرف لپکے۔ خاتون گھبرا گئی۔ سپاہیوں نے اسے پکڑ کر۔ اول اس کا نقاب کھینچ کر پھاڑ ڈالا۔ پھر اس کے ساتھ زیادتی کرنے لگے۔ اس نے چیخ ماری۔ اور ان سے بچنے کے لیے جدوجہد کرنے لگی۔

راہ گیر سپاہیوں کی طرف جھپٹے۔ انھوں نے ینگچریوں کو پکڑ کر ٹھوکنا شروع کر دیا۔ ینگچریوں کی قوت اور جہالت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ترکوں کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ کسی ینگچری سپاہی کو کچھ کہہ سکتے۔ کیونکہ جب اس کی اطلاع ان کے کیمپ میں پہنچتی تو سارے سپاہی بندوقیں اور تلواریں لے کر دوڑ پڑتے اور جو لوگ کسی سپاہی سے الجھتے۔ انہیں قتل کر ڈالتے۔ اور ان کے مکانات لوٹ لیتے۔

سلطان مراد خاں سوم نے فوراً ایک ہمراہی کو ینگچری کیمپ میں بھیجا۔ اور ان کے افسروں کو حکم دیا۔ کہ سلطان ینگچریوں کا معائنہ کریں گے۔ تمام سپاہی کیمپ میں صف بستہ ہو جائیں۔ یہ حکم اس لیے بھیجا کہ ینگچری اس ہلڑ کی خبر پا کر یہاں نہ دوڑ آئیں اور دوسرے ہمراہی کو کوتوال شہر کے پاس گارڈ طلب کرنے کو روانہ کیا۔ گارد فوراً آگئی۔ سلطان نے سپاہیوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ پولیس والے جھجکے۔ کیوں کہ انہیں خوف ہوا کہیں ینگچری سپاہی تھانہ پر نہ آ ٹوٹیں۔ لیکن سلطان نے جب ان پر اپنی شخصیت ظاہر کی تو انھوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ سپاہیوں کو ینگچری کیمپ میں لے کر چلو۔ وہ چلے گئے۔

سلطان جلدی سے خفتان میں پہنچے۔ محلسرائے شاہی کو خفتان کہتے تھے۔ اور وہاں سے شاہی لباس پہن کر ینگچری کیمپ میں آئے۔ تمام سپاہی صف بستہ تھے۔ ابھی سلطان نے معائنہ شروع نہ کیا تھا کہ پولیس مخمور سپاہیوں کو لے کر میں لے کر آ گئی۔ اگر سلطان موجود نہ ہوتے تو سپاہی ضرور پولیس والوں سے الجھ پڑتے۔ سلطان نے تمام سپاہیوں کو مخاطب ہو کر کہا۔ "سلطنتِ عثمانیہ کے وفادارو! حکومت کو تمہاری جاں نثاری پر ناز ہے۔ تم مسلمان ہو مسلمانوں کو اللہ کی حدوں سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے پروردگار عالم نے شراب پینے کی ممانعت کی ہے۔ شراب بہت بری چیز ہے۔ شرابی اپنے

ہوش میں نہیں رہتا۔ تمہارے ان بھائیوں نے جنہیں پولیس والے گرفتار کر کے لائے ہیں۔ شراب پی کر ہنگامہ برپا کیا تھا۔ ایک ترک خاتون کے اوپر دست درازی کی ہے۔ ہم ان پر شرعی حد جاری کرتے ہیں۔ اور حکم دیتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو اسّی ۸۰ اَسّی کوڑے لگائے جائیں۔

سلطان حکم میں چون وچرا کرنے کی کسے جراَت تھی۔ تمام ینگچریوں سپاہیوں کے سامنے مدہوش سپاہیوں کو کوڑے لگائے گئے۔ پندرہ ۱۵ بیس ۲۰ کوڑوں کے بعد ان کا نشہ ہرن ہو گیا۔ اب لگے توبہ تلا کرنے، رونے، گڑگڑانے، عاجزی کرنے اور معافی مانگنے۔ لیکن سلطان نے معاف نہ کیا۔ صاف کہہ دیا کہ ہم سلطان ہیں اور خلیفۃ المسلمین بھی۔ شرعی قصور کرنے والے کو شرعی سزا ضرور دیں گے۔ چنانچہ بدمست لوگوں کے پورے کوڑے لگائے گئے۔

اسی وقت سلطان شراب کی بندش کا حکم جاری کر دیا۔ ٹھیکہ داروں نے جو زرِ ٹھیکہ خزانہ میں داخل کیا تھا۔ وہ واپس کر دیا۔ یہ اعلان کر دیا کہ ترکی حدود میں شراب کھینچی گئی یا فروخت کی گئی تو ملزم کو عمر قید کی سزا ملے گی۔ اور اس کا تمام مال واسباب ضبط کر لیا جائے گا اور جو لوگ شراب پیتے ہوئے دیکھے گئے یا نشہ کی حالت میں پائے گئے۔ انہیں عوام الناس کے سامنے اسی ۸۰ کوڑے لگائے جائیں اور ان میں سے ایک مہینہ تک بھنگیوں کے ساتھ کام کرایا جائے۔

فوراً ہی شراب خانے بند ہو گئے۔ ولایتی یا دیسی جس قدر شرابیں تھیں۔ وہ نالیوں میں بہا دی گئیں۔ غیر ممالک کے لوگ اور عیسائی رعایا نے درخواستیں دیں کہ ان کے یہاں شراب جائز ہے۔ انہیں اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ مگر سلطان نے مستثنیٰ نہیں کیا۔ اب لوگوں نے ینگچریوں کو بھڑکایا۔ یہ لوگ عیسائی تھے نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ابھی عیسائیت کا اثر ان میں باقی تھا۔ انھوں نے اول سلطان سے شراب کی بندش دور کرنے کا کے لیے التجائیں کیں۔ اور جب سلطان نہ مانے تو دھمکیاں دینے لگے۔

سلطان کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے ایک روز سارے ینگچریوں کی پریڈ کرا کر کہا۔

"یاد رکھو! اگر تم نے ذرا بھی کوئی نامناسب حرکت کی تو ہم تمہیں سب کو توپوں سے اڑا دیں گے۔"

ینگچری ڈر گئے۔ انہیں سرکشی اور بغاوت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

باب ۲۹

فرانس سے ناراضی

صفیہ سے سلطان مراد کو کچھ ایسی محبت ہوئی کہ وہ اس کے ہی ہو کر رہ گئے۔ ہر معاملہ میں وہ دخیل ہو گئی۔ یوں بھی وہ ترکی سلطنت کی ملکہ معظمہ بن گئی تھی۔ اس کے دخل دینے کا حق بھی ہو گیا تھا۔

ترکی سلطان کو باب عالی، سلطان روم اور خلیفۃ المسلمین بھی کہتے تھے۔ باب عالی کے دربار میں شاہانِ یورپ کے سفیر کے رہتے تھے۔ اسپین، جرمنی، فرانس، انگلستان، وینس، روس اور پولینڈ وغیرہ کئی ممالک کے سفیر تھے۔ جب سلطان مراد خاں تخت نشین ہوئے تو ہر سفیر نے یہ پتہ لگانے کی کوشش شروع کر دی کہ ملکہ معظمہ کون ہیں اور کہاں کی رہنے والی ہے۔

بدقسمتی سے ایک عرصہ سے یہی طریقہ جاری تھا۔ کہ غیر ممالک کی مہ جمال لڑکیاں جو کنیزیں بن کر خفستان (محلسرائے) میں آتی تھیں۔ ان میں ہی سے کسی حور وش سے سلطان نکاح کر لیتے تھے اور وہی ملکہ قرار دے دی جاتی تھی۔ جس ملک کی لڑکی ملکہ بن جاتی تھی۔ اس ملک کے ساتھ سلطنت عثمانیہ کو مراعات کرنی پڑتی تھی۔

سفیروں کے تمام اخراجات باب عالی برداشت کرتے تھے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا جیسا کہ اب بھی ہوتا ہے کہ ہر سفیر کے اخراجات اس کا ملک برداشت کرے۔ کیوں کہ ہر حکومت اپنا سفیر دوسرے ملک میں اپنے حقوق کی نگرانی کے لیے رکھتی ہے۔ مگر سلطان المعظم سفیروں کو اپنا مہمان سمجھتے تھے۔ اور کوئی مسلمان بھی مہمان سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ لینا پسند نہیں کرتا۔

رفتہ رفتہ یہ بات عام طور پر مشہور ہو گئی کہ وینس کی پری ملکہ معظمہ بنی ہے۔ وینس کے سفیر نے اس بات کی اطلاع فوراً اپنی حکومت کو دے دی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ میں فرانس کی حکومت بڑی تھی اور وینس کی چھوٹی۔ لیکن فرانس کے پاس ایک جہاز بھی نہیں تھا اور وینس کے پاس کئی مضبوط بیڑے تھے۔ وینس کا رعب تمام یورپ پر چھایا ہوا تھا۔

حکومت وینس نے اپنے سفیر کو لکھا کہ یہ معلوم کرو۔ یہ لڑکی جو ترکی کی ملکہ بن گئی ہے۔ کون ہے۔ اس کا کیا نام ہے۔ کس کی بیٹی ہے۔ کب اور کس طرح خفستان میں داخل ہوئی اور اس کا اثر سلطان پر کس قدر ہے۔ سفیر نے سراغ لگانا شروع کر دیا۔

لیکن معاملہ خفستان کا تھا۔ جو علیحدہ ایک چھوٹی سی دنیا کہلاتی تھی۔ وہاں مرد تو مرد باہر کی کوئی عورت بھی نہیں جا سکتی تھی۔ بعض امراء اور وزراء کی بہو بیٹیاں جاتی تھیں۔ وہ ترکنیں ہوتی تھیں۔ اور ترکوں کے محلوں میں بھی عام عورتیں آ جا نہیں سکتی تھیں۔

باب عالی یعنی سلطان مراد خاں سوم نے اپنی تخت نشینی کی اطلاع تمام شاہان یورپ کو بھیج دی تھی۔ لیکن شاہ فرانس کو نہیں بھیجی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مراد خاں شاہ فرانس سے ناراض ہو گئے تھے۔ اس وقت فرانس کا بادشاہ چارلس نہم تھا۔

... عالی کی خفگی کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ہولینڈ سلطان کے ماتحت تھا۔ وہاں کا بادشاہ

باب عالی مقرر کیا کرتے تھے سلطان مراد خاں کے والد سلطان سلیم خان ثانی نے پولینڈ میں فرانس کے بادشاہ چارلس نہم کے بھائی ہنری ڈیوک آف انجو کو تخت نشین کر دیا تھا۔

بدقسمتی سے ہنری بزدل اور عیاش تھا۔ وہ نازنینانِ فرانس کو چھوڑ کر پولینڈ میں نہ رہ سکا۔ پھر اسے یہ بھی خوف ہوا کہ کہیں روس جو پولینڈ پر قبضہ کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ اچانک حملہ نہ کر دے۔ وہ بدبخت بغیر سلطان کو اطلاع کیے وہاں سے فرانس بھاگ گیا۔

مراد خاں کو اس کی یہ حرکت ایسی ناگوار گزری کہ وہ چارلس نہم سے خفا ہو گئے اور اسے اپنی تخت نشینی کی اطلاع نہیں دی۔

مگر چارلس کو ان کی تخت نشینی کا حال معلوم ہوگیا۔ اس نے اپنے سفیر کو ہدایت کی کہ وہ باقاعدہ سلطان کو مبارک دے اور ہنری کے بھاگ آنے سے جو سلطان المعظم ناراض ہو گئے ہیں۔ اس کی معافی چاہیے۔ چنانچہ فرانس کے سفیر نے دربار میں حاضری کی اجازت چاہی سلطان نے اجازت نہیں دی۔ سفیر بڑا چالاک تھا۔ اس نے محمد صقلی پاشا وزیر اعظم سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ اسے سلطان کے حضور میں پیش کر دیں۔ وزیر اعظم نے کہا "باب عالی! تمہارے بادشاہ سے بہت ناخوش ہیں۔ میری یہ جرأت نہیں کہ میں تمہیں اعلیٰ حضرت کے سامنے پیش کر سکوں"۔

پھر بھی وہ کوشش سے باز نہیں آیا۔ برابر جدوجہد کرتا رہا۔ وزیر اعظم کی اس قدر خوشامدیں کیں کہ آخر وہ مجبور ہو گئے۔ اور انھوں نے ایک روز اسے سلطان روم کے پر ہیبت وجلال دربار میں پیش کر دیا۔ یہ سفیر پہلے بھی کئی مرتبہ دربار میں شریک ہو چکا تھا۔ لیکن محض شرکت کی تھی سلطان سے کچھ عرض کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ آج عرض کرنا تھا۔ اس پر رعب چھا گیا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے چل کر اس مقام پر پہنچا۔ جہاں کھڑے ہو کر لوگ عرض حال کیا کرتے تھے۔ اس نے نہایت عاجزی سے شاہ فرانس کی طرف سے معافی کی درخواست پیش کی۔ سلطان نے کہا "فرانس والے بزدل اور عیش پرست ہیں۔ انہیں ایک بہادر قوم سے رابطہ۔ اتحاد قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔ سفیر کو کچھ اور کہنے کی جرأت نہ ہوئی"۔

اسی دربار میں پولینڈ کے وہ سفیر جنہیں امرائے پولینڈ نے بھیجا تھا۔ سلطان کو تخت نشینی کی مبارک باد پیش کرنے آئے تھے۔ انھوں نے سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر مبارک باد پیش کی۔ سلطان نے انہیں خلعت دیا اور ان سے کہا۔ "اپنے ملک میں جا کر ہمارے وفادار امیروں کو ہمارا یہ حکم پہنچاؤ کہ وہ ٹرنسلوینیا کے حکمران کو جس کا نام اسٹیفن باتھوری ہے۔ پولینڈ کا حکمران بنا لیں۔

سفیروں نے سر اطاعت خم کر کے کہا "جلالت مآب کے حکم کی تعمیل کی جائے گی ہم یقین دلاتے ہیں۔ کہ پولینڈ والے اسی کو اپنا بادشاہ منتخب کریں گے۔ جسے باب عالی پسند فرمائیں گے"۔

سلطان نے فرمایا۔ جب تک پولینڈ والوں کے دلوں میں سلطنتِ عثمانیہ سے وفاداری کا جذبہ رہے گا۔ اس وقت تک کسی کی یہ مجال نہیں ہوگی۔ کہ پولینڈ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ لے"۔

سفیروں نے شکریہ ادا کیا اور وہاں سے پولینڈ پہنچ کر انہوں نے سلطان روم کا حکم سنایا۔ اہل پولینڈ نے ۱۵۷۵ء میں اسٹیفن کو اپنا بادشاہ مقرر کر لیا۔ اسٹیفن نے سلطان کو اپنی تخت نشینی کی اطلاع دی اور اپنی اطاعت و وفاداری کا یقین دلایا۔

باب ۲۱

پریشان خواب

سلطان مراد خاں ثانی کو صفیہ سے والہانہ محبت تھی۔ وہ اپنا زیادہ وقت اس

کے پاس گزارتے تھے۔ چوں کہ محمد سقلی پاشا نہایت مدبر اور بڑے بہادر وزیر اعظم تھے
اس کو سلطان کو بے فکری تھی۔ انہوں نے سیاہ و سفید کا مالک انہیں کر رکھا تھا۔ وزیر اعظم
بڑی ہوشیاری، وفاداری اور جاں نثاری سے ملک داری کے کام انجام دیتے تھے۔ وہ
طبقہ کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور سب ہی ان سے خوش تھے۔

ایک رات کو صفیہ کے حرم ناز میں سلطان مراد خاں استراحت فرما رہے تھے۔
ان کی آنکھ کھل گئی اور وہ کچھ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھے۔ صفیہ کی بھی آنکھ کھل گئی۔ وہ شب
کا ڈھیلا لباس جو قدرے برہنگی لیے تھا۔ پہنے تھی۔ کمرہ میں کافی روشنی ہو رہی تھی۔ رات
قدرتی سکوت چھایا ہوا تھا۔ ماہ پیکر صفیہ نے مخمور آنکھوں سے سلطان کو دیکھا۔ ان کی
بڑی آنکھوں میں نیند گھل رہی تھی۔ لیکن سلطان کی صورت سے پریشانی اور فکر مندی کے
آثار ٹپکتے دیکھ کر ہوشیار ہو گئی۔ اس نے اس طرف ادائے خاص سے دیکھ کر کہا "خیر
جلالت مآب کی طبیعت کیسی ہے"

سلطان نے اس کے پھول سے رخساروں کو دیکھ کر کہا "خدا کا شکر ہے۔ ا
ہے"

صفیہ:۔ "لیکن دفعتاً عالم پناہ پریشان کیوں نظر آنے لگے۔

سلطان:۔ ملکۂ عالم! ہم نے ابھی ایک خواب دیکھا ہے۔

صفیہ:۔ کیا خواب دیکھا ہے؟

سلطان:۔ ہم نے دیکھا کہ ہم بری فوج کے ساتھ کسی مہم پر جا رہے ہیں سے
لشکر ساتھ ہے۔ ایک وسیع میدان ہے تمام لشکر خیمہ زن ہے۔ اچانک شور بلند ہوا۔ ہم
خیمہ سے نکل آئے محمد سقلی پاشا وزیر اعظم ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ ہم نے اس سے پو
"یہ کیسا شور ہے؟" وزیر نے عرض کیا۔ ابھی میرے پاس خبر آئی ہے کہ لشکر کے پچھلے
پر کوئی بلا نازل ہوئی۔ اور وہ بہت سے سپاہیوں کو اٹھا کر لے گئی"
ہمیں بڑا تعجب ہوا۔ ہم وزیر اعظم کو ساتھ کر اس جگہ پہنچے۔ جہاں یہ واقعہ ہوا

سامنے ہوا کہ کچھ آدمی غفلت میں پڑے تھے۔ وہ از خود سرکنے لگے اور سرکتے سرکتے
غائب ہو گئے۔ ہماری آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر تو ہم پڑے رہے۔ اضطراب بڑھتا رہا لیکن
طبیعت جب زیادہ پریشان ہوئی تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ہمارے اٹھتے ہی تمہاری آنکھ بھی
کھل گئی۔"

صفیہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "بس اس خواب نے آپ کو پریشان
کر دیا"

سلطان:۔ یہ معمولی بات نہیں ہے کسی جگہ کے مسلمانوں پر ضرور کوئی آفت نازل ہوئی
ہے"

صفیہ:۔ خدا نہ کرے۔ یہ خواب و خیال ہے۔ میں ایک بات عرض کرتی ہوں۔

سلطان نے شرارت کے انداز سے کہا "عرض کرو"

صفیہ بگڑ گئی۔ اس نے کہا "منہ دھو رکھو۔ ضرور عرض کیا"

سلطان۔ ایک مرتبہ ہم نے منہ دھویا تھا تو تم گلے پڑ گئیں۔ اب منہ دھونے کا حوصلہ
ہی نہیں رہا۔

سلطان مسکرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن اضطراب اور پریشانی کھل کر نہیں
مسکرانے دیتے تھے۔ صفیہ اور بھی بگڑی۔ اس کے گلابی رخسارے اور بھی سرخ ہو گئے۔ اس نے
ترچھی چتون سے دیکھ کر کہا "جی میں گلے پڑ گئی"

سلطان نے اس ماہرو کو کچھ ایسی تیز نظروں سے دیکھا۔ کہ وہ کچھ شرما گئی۔ سلطان
نے "ارے تم تو ملکۂ عالم ہو۔ وہ کوئی اور تھی تم تو جان مراد ہو"

صفیہ: جی نہیں میں ہی گلے پڑ گئی تھی۔

سلطان:۔ مذاق کی بات کا برا نہ مناؤ۔ معاف کر دو۔

صفیہ نے شوخی سے کہا "بس۔ لگے معافی مانگنے۔ مجھ سے بڑھ سکتے ہو"

سلطان۔ توبہ کرو۔ عورت سے مرد بڑھ سکتے ہیں۔ عورت تو پیکر حسن ہے۔ عورت
نازو نزاکت کا مجسمہ ہے۔ پھول سے زیادہ جاذب نظر اور خوشبو سے زیادہ لطیف ہے۔

سچ پوچھتی ہو تو عورت کائنات کی رونق اور دل فریب روشنی ہے۔ اگر عورت نہ ہوتی
میں بھی نہ ہوتا۔

صفیہ نے خوب صورت سر کو اس طرح جنبش دی۔ جس سے اس کے کانوں کے آو
جھوم کر منہ چوم لیا۔ اور ناز بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "عالم پناہ نے عورت کی تعریف
مبالغہ نہیں کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر عورت نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اولادِ آدم
پیدا ہوتی اور کیسے پھیلتی"۔

سلطان۔ لیکن عورت ہی وہ ہے جو انسان کو جنت الفردوس سے دنیائے تیرہ
کھینچ لائی۔

صفیہ:۔ یہ بھی عورت کا انسانوں پر احسان ہے۔ جنت میں یہ لذتیں اور کیفیت
کہاں تھیں جو دنیا میں ہیں۔ عیش و آرام بے شک تھا۔ لیکن ایسا عیش بالکل بے کیف
سلطان۔ بھئی۔ عورتوں سے کون جیت سکتا ہے۔ ہاں! تم کیا بات کہہ رہی تھیں
صفیہ:۔ میں کہہ رہی تھی کہ جب تک میں عیسائی تھی مسلمانوں کو اچھا نہ سمجھتی تھی
وجہ میرا بڑھا ہوا تعصب تھا۔ تعصب اس لیے تھا کہ جب میں چھوٹی تھی تو انا اور
دونوں ایسے واقعات و حالات سنایا کرتے تھے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مسلمان
تہذیب، ڈاکو، عیسائیوں کے بدترین دشمن، مرد تو مرد عورتوں اور بچوں پر بھی رحم نہ کھا
والے سفاک ہیں۔ لیکن جب میں مسلمانوں میں آئی اور ان کا اخلاق، ان کی تہذیب
کی رحمدلی دیکھی تو تعصب میں بڑی حد تک کمی ہو گئی۔ اور جب سے مسلمان ہوئی ہوں
دنیا کے مسلمانوں سے بڑی ہمدردی اور محبت ہو گئی ہے۔ جب سنتی ہوں کہ کسی نے کسی مسلم
کو ستایا ہے تو طبیعت میں ایسا جوش پیدا ہوتا ہے کہ ستانے والے کا منہ نوچ لوں"۔

سلطان نے مسکرا کر کہا۔ "بس منہ نوچ لو۔ قتل نہ کر ڈالو۔ ہو نا عورت، سیم تن
گلفام عورت"۔ "سو ملکۂ عالم! حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں جو اخوت اور محبت ہے۔
دوسری اقوام میں نہیں ہے۔ اس وقت اذان ہوئی۔ سلطان نے کہا۔ "صبح ہو گئی"
وہ اور صفیہ دونوں اٹھ کر خواب گاہ سے نکل آئے۔

باب ۲۱

ناخوشگوار اطلاع

سلطانؒ اس روز دن بھر متفکر اور پریشان رہے۔ انہیں یہ پورا یقین تھا کہ کہیں کہیں مسلمانوں پر کوئی بلا نازل ہوئی ہے یا ہونے والی ہے۔ صفیہ سلطانہ نے ان کی طبیعت بہلانے کی کوشش کی۔ وقتی دلچسپی سے کچھ طبیعت بہل جاتی۔ لیکن پھر ایک نامعلوم خلش بے چینی پیدا کر دیتی۔

دوسرے روز بھی سلطان کی بے چینی برابر رہی۔ بلکہ اس روز اور بھی بڑھ گئی۔ صفیہ نے کہا۔ اعلیٰ حضرت کل سے بے چین ہیں۔ ہمیں بھی اضطراب پیدا ہو چلا ہے۔ کوئی نامعلوم فکر لاحق ہو گیا ہے۔ کسی طبیب سے مشورہ کیجیے۔

سلطان مسکرا پڑے۔ انہوں نے کہا۔ دل کی خلش کا مشورہ اور طبیب سے بڑی معقول بات کہی تم نے۔

صفیہ:۔ اگر طبیب سے نہیں تو وزیر اعظم سے کیجیے۔

سلطان:۔ یہ بات ایک حد تک ٹھیک ہے۔ لیکن ابھی نہیں۔ ایک دو روز اور دیکھتے ہیں یا تو طبیعت کو سکون ہو ہی گیا۔ ورنہ صدر اعظم (ترکوں میں وزیر اعظم کو صدر اعظم کہتے ہیں) یا شیخ الاسلام سے رجوع کریں گے۔

صفیہ کو جیسے کچھ اچانک یاد آ گیا ہو۔ اس کا چہرہ جگمگا اٹھا اور آنکھیں ستاروں کی طرح چمکنے لگیں۔ اس نے کہا "ہم بھی کس قدر بے وقوف ہیں۔ دراصل خواب کے متعلق شیخ الاسلام ہی بتا سکتے ہیں۔ بے چارہ طبیب کیا جانے"۔

یہ کہہ کر وہ ہنس پڑی۔ ہنسنے سے اس کے سفید آبدار موتیوں جیسے دانت کی

لڑیاں نظر آکر بجلی گرا گئیں۔ سلطان نے اس کے رخ انور کو دیکھ کر کہا۔ "یہ بے وقوفی نہیں ہے سادگی ہے۔ ملکۂ عالم کے سن کی لڑکیوں میں سادگی ہی ہوتی ہے۔"

صفیہ نے اپنی موہنی آنکھیں سلطان کی آنکھوں میں ڈال کر کہا۔ "شکریہ"۔ "اعلیٰ حضرت نے ہمیں بالواسطہ بے وقوف نہیں کہا۔"

اس گفتگو سے صفیہ کا مطلب یہ تھا کہ سلطان کی طبیعت پہلے سلطان کو بھی کچھ دیر کے لیے نامعلوم خلش سے نجات مل جاتی تھی۔

رات کو پھر سلطان پھر سوئے۔ صبح صادق کے وقت انہوں نے پھر خواب دیکھا۔ وہ پھر بیدار ہو گئے۔ صفیہ کی بھی آنکھ کھل گئی۔ کمرہ میں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ صفیہ نے دیکھا۔ سلطان کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔ اس نے کہا۔ "کیا جہاں پناہ نے پھر کوئی خواب دیکھا ہے۔"

سلطان:۔ ہم ہم نے اٹھنے میں بڑی احتیاط کی ملکۂ عالم۔ لیکن تم پھر بھی اٹھ گئیں۔

صفیہ:۔ کیوں نہ اٹھ جاتی۔ ہم بناوٹ سے نہیں کہتیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ روح کی گہرائیوں کے ساتھ سلطان سے محبت کرتی ہیں۔ ہماری یہ روح سلطان کے ساتھ رہتی ہے اس لیے سلطان کے ساتھ سوتے اور سلطان کے ساتھ اٹھتے ہیں۔

سلطان:۔ ہمیں اس سے بڑی مسرت ہوتی ہے کہ ہم نے جس گلعذار کو چاہا۔ اس نے ہماری محبت کو سراہا۔

صفیہ:۔ سلطان نے کیا خواب دیکھا ہے۔

سلطان:۔ ہم نے دیکھا کہ ہم پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہے ہیں۔ ایک بزرگ جن کی داڑھی سفید اور صورت نورانی تھی۔ دفعتاً ہمارے سامنے آئے۔ ان کے چہرے سے جلال ظاہر تھا۔ انہوں نے کہا۔ "اے آلِ عثمان کے تاجدار! تیرے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر مصیبت آئی اور تو غافل ہے۔" ہم نے کہا۔ "ہم نے خواب دیکھا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کہاں کے مسلمانوں پر آفت آئی۔" انہوں نے کہا۔ "بادشاہ کی آنکھیں لمبی ہونی چاہئیں۔ راعی اپنی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ جس طرح اچانک آئے تھے۔ اسی طرح غائب ہو گئے۔ اس خواب نے ہمارے اضطراب اور ہماری خلش کو اور بڑھا دیا ہے۔ یقیناً کسی جگہ کے مسلمانوں پر مصیبت آئی ہے۔ کاش ہمیں معلوم ہو جائے کہ کن مسلمانوں پر آفت آئی۔ کس سفاک نے انہیں ستایا۔ ہم بغیر انتقام لیے نہ رہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اذان ہوئی۔ سلطان نے وضو کیا۔ نماز پڑھی اور دعا مانگی کہ "الٰہ العالمین! میں تیرا مجبور بندہ ہوں۔ تو غیب کی باتیں جانتا ہے۔ مجھ پر ظاہر کر دے کہ کس ملک کے مسلمانوں پر آفت آئی۔ اور مجھے توفیق دے کہ میں ان کا انتقام لوں۔"

اس عرصہ میں صفیہ نے بھی نماز پڑھ لی۔ دونوں نے ناشتہ کیا۔ اس روز دربار کا دن تھا۔ سلطان درباری لباس پہن کر شبستان (محل سرائے) سے باہر نکلے اور دربار میں پہنچے۔ سلطنت عثمانیہ کے تاجدار کا دربار تھا۔ بڑی شان و جلال کا تھا۔ اراکین سلطنت فوجی افسر، عمائدین شہر، وزراء، اور غیر ممالک کے سفیر اپنی اپنی جگہ نہایت شان و تجمل سے بیٹھے تھے۔ سلطان کے دربار میں قدم رکھتے ہی چوبداروں نے للکار کر کہا۔ "ہوشیار! فخر خاندانِ آلِ عثمان، جلالت مآب سلطان مراد خاں ثانی رونق افروز ہوتے ہیں۔"

تمام درباری سرو قد کھڑے ہو گئے۔ سلطان تخت پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے ایک سرسری نظر تمام درباریوں پر ڈالی۔ سب سر جھکائے، نظریں نیچی کیے کھڑے تھے۔ چوبداروں نے آواز بلند کی "فلک بارگاہ۔ عالم پناہ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے تخت کو زینت دی۔"

سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ سلطان نے دیکھا کہ آج خلاف معمول دربار پر سناٹا ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ ضرور کوئی نئی بات ہے۔ انھوں نے وزیر اعظم کی طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے کہا۔ "یہ آج ہم یہ نئی بات کیا دیکھ رہے ہیں۔"

محمد سقلی پاشا:۔ اعلیٰ حضرت آج ہمیں آپ کو ایک ایسی روح فرسا خبر گوش گزار کرنی ہے۔ جس نے اس خانہ زاد کو بے چین کر دیا ہے۔

سلطان:۔ عرض کرو۔

محمد سقلی پاشا:۔ جلالت مآب۔ عیسائی حکمرانوں کا ایک عرصہ سے ارادہ ہے کہ وہ خود چین سے بیٹھتے ہیں نہ ہمیں بیٹھنے دیتے ہیں۔ آئے دن جنگ و جدل کا بازار گرم رکھتے ہیں۔ نہ معلوم ان کے دلوں میں کیسا کینہ اور انہیں ہم سے کیا عداوت ہے کہ بلا کسی وجہ

کے لڑائی شروع کر دیتے ہیں۔ اور اپنے قریب رہنے والے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے لگتے ہیں۔

سلطان کے چہرہ سے جوش و جلال ظاہر ہونے لگا۔ انہوں نے کہا۔ اب کسی بدبخت نے ظلم کی ابتدار کی ہے؟

محمد سقلی پاشا۔ جرمن کے اس بادشاہ نے جسے سلطان سلیمان اعظم صاحبقراں نے قیصر روم کا خطاب عطا کیا تھا۔

سلطان: کیا قیصر میکسلمین نے؟

محمد سقلی پاشا: جی ہاں! اعلیٰ حضرت۔

میکسلمین جرمن کا بادشاہ تھا۔ یہ نہایت ہی مکار اور دغاباز شخص تھا۔ آسٹریا اس کا ایک صوبہ تھا۔ اس نے سلطان سلیمان صاحبقراں سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اسے قیصر روم کا خطاب عطا فرمائیں۔ اس زمانہ میں سلطنتِ عثمانیہ کا تاجدار جو خطاب کسی عیسائی بادشاہ کو دے دیتا تھا۔ ساری دنیا میں وہ خطاب مشہور ہو جاتا تھا۔ چنانچہ صاحبقراں نے اسے قیصر روم کا خطاب عطا کر دیا۔ تمام عیسائی بادشاہ اسے قیصر روم کہنے لگے۔ حالاں کہ اٹلی کے بادشاہ کا لقب قیصر روم تھا۔

اس زمانہ میں ہنگری کا علاقہ ترکوں نے فتح کر کے سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لیا تھا۔

میکسلمین اس فکر میں رہتا تھا کہ ہنگری کا علاقہ ترکوں سے واپس لینے کے لیے کئی مرتبہ اس نے حملے کیے تھے۔ اب اس نے یہ دیکھا کہ اب اس نے یہ دیکھا کہ نئے سلطان تخت نشین ہوئے ہیں۔ ناتجربہ کار اور دوسرے معاملات میں مصروف ہیں۔ اس نے تمام عہدنامے توڑ ڈالے اور ہنگری کے ان سرحدی مقامات پر حملہ کر دیا۔ جن میں مسلمان آباد تھے۔

عیسائیوں کا یہ رویہ رہتا تھا کہ جب انہیں موقع ملتا تھا۔ وہ مسلمانوں پر نہایت ہی سفاکانہ مظالم کیا کرتے تھے۔ تاریخیں ان کے ظلم و ستم کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں۔ آسٹریا نے مسلمانوں پر نہایت ہی بربرانہ مظالم کیے۔ محمد سقلی پاشا کو ان کی اطلاع ہوگئی۔

سلطان نے کہا: "اس نے ظلم کی ابتدا کس طرح کی ہے؟"

محمد سقلی پاشا۔ اس بدبخت نے ہنگری کے سرحدی مقام پر حملہ کر کے وہاں کے مسلمانوں کو کچل ڈالا۔ عورتوں اور بچوں تک کو ذبح کر دیا۔ نوجوان عورتوں کی عصمت دری کی۔ غرض انھوں نے وہ کچھ کیا جو ایک درندہ کر سکتا ہے۔

سلطان کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ چہرہ لال بھبھوکا ہوگیا۔ رعب و جلال اور بڑھ گیا۔ درباریوں کی یہ مجال تو کہاں تھی کہ سلطان کی طرف دیکھ سکتے۔ نظریں نیچی کیے دم بخود بیٹھے تھے۔ ان کے جسموں میں تھرتھری پڑی ہوئی تھی۔ ڈر رہے تھے کہ سلطان کیا کہتے اور کیا کر رہے ہیں۔

باب ۲۲

سلطان کا تحمل

دربار میں پہلے ہی سے سناٹا طاری تھا۔ اب اس قدر سکوت چھا گیا کہ سانس لینے کی آواز بھی آنے لگی۔ دفعتہً سلطان کی گرجدار آواز سنائی دی۔ "جرمن کا سفیر کہاں ہے؟"

یہ سنتے ہی جرمن سفیر کی جان نکل گئی۔ اول یورپ کے اور سفیر بھی کانپ اٹھے۔ جرمن کا سفیر ڈرتا ڈرتا اٹھا۔ اور سنگِ مرمر کے اس چبوترہ کے پاس پہنچا۔ جس پر تخت شاہی تھا۔ اس نے بڑے ادب سے چبوترہ کو بوسہ دیا۔ اور عاجزی سے کہا: "خانہ زاد حاضر ہے۔"

سلطان: تم نے سنا صدر اعظم نے کیا کہا۔؟

سفیر:۔عالم پناہ سنا۔

سلطان:۔تمہیں اس حملہ کی اطلاع ملی ہے۔

سفیر:۔جلالت مآب نہیں۔ میری حکومت نے مجھے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی۔

سلطان:۔تو کیا یہ غلط ہے کہ قیصر جرمنی نے ہمارے مقبوضات پر حملہ کر دیا ہے۔

سفیر:۔مجھے ندامت و افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اطلاع صحیح ہے۔

سلطان: تم ہمارے دربار میں موجود ہو۔ کیا ہماری طرف سے کوئی ایسی بات جس نے قیصر میکسلین کو برافروختہ کر دیا ہو۔

سفیر:۔نہیں۔ فلک بارگاہ۔

سلطان:۔کیا ہمارے باپ دادا نے اس کی عزت و ثروت نہیں بڑھائی۔ کیا سلطان صاحبقران نے اسے قیصر روم کا خطاب نہیں دیا۔

سفیر:۔یہ باتیں آفتاب کی طرح روشن ہیں۔

سلطان:۔کیا بغیر نوٹس دیئے حملہ کر دینا انسانیت میں داخل ہے۔ کیا آبادیوں کو جلانا اور ویران کرنا شرافت ہے۔ کیا بچوں اور عورتوں کو ذبح کرنا بہادری ہے؟

سفیر:۔جلالت مآب! یہ سب حرکتیں کمینہ پن کی ہے۔

لوگوں کو تعجب ہو رہا تھا کہ باوجودیکہ سلطان کو سخت غم و غصہ ہے۔ لیکن وہ بڑے تحمل سے باتیں کر رہے ہیں۔ تمام سفیروں کو یہ یقین تھا کہ جرمن کے سفیر کو تو اس میں کوئی شک ہی نہیں تھا کہ وہ کھڑے ہوتے ہی قتل کر دیا جائے گا۔ سب اس بات کو جانتے تھے کہ کوئی بھی عیسائی سلطنت ہوتی۔ ایسے سفیر کو جس کے بادشاہ نے بلاوجہ حملہ کر دیا ہو ضرور قتل کر ڈالتی۔ اس مہذب زمانہ میں بھی یہ قاعدہ ہے کہ جب دو سلطنتوں میں اعلان جنگ ہو جاتا ہے تو ایک سلطنت دوسری سلطنت کے سفیروں کو ہی نہیں بلکہ ان لوگوں کو بھی جو تجارت، ملازمت یا اور کسی وجہ سے وہاں ہوتے ہیں۔ گرفتار کر کے قید کر دیتی ہے۔

سلطان نے دُوَل یورپ کے اور سفیروں کی طرف دیکھا اور کہا تم عیسائی سلطنت

کے سفیروں نے سنا کہ قیصر جرمنی نے بلاوجہ اور بغیر کسی نوٹس کے حملہ کر دیا اور سرحد کے مسلمانوں کو ذبح کر ڈالا۔"

تمام سفراء تھے۔ اور چبوترہ کے پاس پہنچ کر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے اسپین کے سفیر نے کہا۔"ہم سب سفیروں کو اس بات کا دکھ ہے افسوس ہے۔ میں عالم پناہ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس وحشیانہ بربریت سے حکومت اسپین کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

انگلینڈ کے سفیر نے کہا۔"عالم پناہ کو یہ بات معلوم ہو گی کہ حکومت برطانیہ قیصر جرمنی کی کبھی ہم نوا نہیں ہوئی۔ قیصر کی یہ حرکت نہایت ہی سفاکانہ ہے۔ میں اعلیٰ حضرت کو یاد کراتا ہوں کہ حکومت برطانیہ کا قیصر جرمن کی اس بہیمانہ حرکت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

فرانس کے سفیر نے کہا۔" جلالت مآب! یہ خانہ زاد بھی حکومت جرمن کی بربرانہ حرکت کی مذمت کرتا ہے۔ اور یقین دلاتا ہے کہ ایسے انسانیت سوز حرکت کی حمایت میری حکومت کسی حالت میں بھی گوارا نہ کرے گی۔"

پولینڈ کے سفیر نے کہا۔"خانہ زاد تو یہ سمجھتا ہے کہ ایسے خود سر اور سفاک آدمی کو سزا دینا ہر انسان کا اخلاقی فرض ہے۔ میں عالم پناہ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری حکومت سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ مل کر قیصر کا قافیہ تنگ کر ڈالے گی۔"

اور دوسرے سفیروں نے بھی سلطان کو یہ یقین دلایا کہ وہ قیصر میکسلین کی وحشیانہ حرکت سے بہت بیزار ہیں۔ سفیروں نے یہ باتیں اس لیے نہ کہی تھیں کہ کہیں سلطان روم ان کی حکومتوں سے بھی بدظن ہو کر وہ مراعات واپس نہ لے لیں۔ جو انہیں عطا کر رکھی تھیں۔ یا ان کے خلاف بھی اعلان جنگ نہ کر دیں۔

اس بات کا دنیا بھر میں شہرہ تھا کہ ترکوں سے بہتر لڑنے والی کوئی قوم نہیں ہے۔ پھر سلطنتِ عثمانیہ کے پاس اتنا زبردست بحری بیڑہ تھا کہ دُوَل یورپ کی کئی سلطنتیں مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لیے شاہان یورپ باب عالی سے دبتے اور ڈرتے تھے۔

سلطان مراد خاں سوم نے پرغضب لہجہ میں کہا۔"ہمیں افسوس ہے کہ عیسائی حکمرانوں

عہد و قرار کی پابندی نہیں کرتے۔ انسانیت اور شرافت کو کچھ نہیں سمجھتے۔ نام کے عیسائی ہیں۔ اگر حقیقت میں سچے عیسائی ہوتے تو لڑائی جھگڑوں سے گریز کرتے۔ قول و قرار کو نبھاتے۔ عیسائیت کی تعلیم یہ ہے کہ اس درجہ نرم اور متحمل مزاج بن جاؤ کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر ایک طمانچہ مارے تو تم غضب ناک ہو کر اس سے انتقام نہ لو۔ بلکہ درگزر کرو۔ اور ایسے پیکر متحمل بن جاؤ کہ دوسرا گال بھی دوسرا طمانچہ کھانے کے لیے اس کے سامنے پیش کر دو۔ اس کے برعکس اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی تمہارے ایک دھپ مارے تو تم بھی ایک ہی دھپ مارو۔ مطلب یہ کہ جس قدر کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اگر اس پر اسی قدر زیادتی کرو۔ تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ لیکن مسلمان پھر بھی درگزر کرتے ہیں۔ اور عیسائی بے رحمی اور سفاکی کرتے ہیں۔"

سلطان خاموش ہو گئے۔ جرمن سفیر لرز اٹھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اسے قتل کیا جائے گا۔

سلطان نے اس کی طرف دیکھا اور کہا "تم گھبراؤ مت تم سے کوئی زیادتی نہیں کی ہے تمہاری قوم نے البتہ سفاکی کی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ زید کی زیادتی کا بدلہ بکر سے لیا جائے انتقام ان ہی لوگوں سے لیا جائے گا .... جنہوں زیادتی کی ہے تمہیں سزا دینا تو درکنار قید بھی نہ کیا جائے گا۔ نہ کوئی پابندی[1] لگائی جائے گی۔"

یہ سن کر سفیر کی جان میں جان آئی۔ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا "سلطان ادم زندہ باد۔"

سلطان نے صدر اعظم کو حکم دیا۔ کہ اسلامی لشکر انتقام لینے کے لیے روانہ کر دیا جائے۔ جو لوگ رضاکارانہ طریقہ پر جائیں۔ انہیں بھی ساتھ لے لیا جائے۔

---

[1] تاریخ خاندان عثمانیہ جلد اول میں لکھا ہے کہ سلطان مراد خان نے سفیر پر کوئی سختی نہیں کی۔ اسے قید تک نہیں کیا۔ نہ کوئی پابندی عائد کی۔ صادق صدیقی سردھنوی۔

باب ۲۲

اظہارِ حقیقت

اسلامی لشکر کی روانگی کی تیاریاں زور شور سے شروع ہوئیں۔ ترکوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا۔ کہ بدبخت جرمنوں اور آسٹریا والوں نے بے گناہ مسلمانوں کو ذبح کر ڈالا ہے۔ اسلامی بستیوں کو جلا دیا ہے۔ عورتوں اور بچوں کو کچل دیا ہے۔ ان میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ جوش و غصہ نے انتقام لینے پر آمادہ کر دیا۔ وہ رضاکارانہ فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ چند ہی روز میں تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں محمد سقلی پاشا صدر اعظم نے سلطان کو اطلاع دی اس مہم پر خود سلطان کا ارادہ جانے کا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک روز ماہ پیکر صفیہ سلطانہ سے کہا "تم نے دیکھا۔ ہمارا خواب کس قدر صحیح ہوا۔"

صفیہ نے دل نواز نگاہوں سے سلطان کو دیکھ کر کہا "مسلمان سلطان، خلیفہ اور بادشاہ کو ظل اللہ سمجھتے ہیں مسلمان ہونے کے بعد میرا بھی یہ خیال ہو گیا ہے کہ اسلامی بادشاہوں پر خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ خدا ہونے والے یا آنے والے واقعات کا بادشاہ پر القا کر دیا ہے۔ ظل اللہ کا خواب بالکل درست نکلا۔"

سلطان:۔ ہمیں افسوس ہے کہ عیسائی کسی اقرار کی پابندی نہیں کرتے۔ بلا وجہ جنگ شروع کر دیتے ہیں۔ اور پھر ایسی درندگی اور سفاکی کرتے ہیں کہ انسانیت کانپ جاتی ہے اور شرافت لرز جاتی ہے۔

صفیہ:۔ یہ اس تعصب کا نتیجہ ہے جو عیسائی مائیں اپنی اولاد کے سینوں میں عہد طفلی ہی میں پیدا کر دیتی ہیں۔ انہیں بتایا جاتا ہے کہ مسلمان عیسائیوں کے بدترین دشمن ہیں۔ انھوں نے بے شمار عیسائی حکومتوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ عیسائیت کو دنیا سے مٹانا چاہتے

ہیں۔ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے ۔ عیسائیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ جو عیسائی مسلمان نہیں ہوتے یا تو انہیں قتل کر ڈالتے ہیں یا ان سے جزیہ لیتے ہیں۔ عیسائی حسین عورتوں اور لڑکیوں کو اپنی کنیزیں بنا لیتے ہیں اور لڑکوں کو غلام کر لیتے ہیں۔ یہ زہریلے جراثیم عیسائی بچوں میں ان کی عمر کے ساتھ ساتھ پرورش پاتے رہتے ہیں۔ اور بڑے ہو کر وہ مسلمانوں کے بدترین دشمن بن جاتے ہیں۔ یہ کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو مٹا ڈالیں۔ ان کی حکومتوں پر قبضہ کر لیں۔ وہ مسلمانوں کو سانپ اور ان کے بچوں کو سپولیئے سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سانپوں کو مار ڈالنا اور سپولیوں کو اس لیے زندہ چھوڑنا کہ وہ بڑے ہو کر ڈسیں عقلمندی نہیں ہے۔ سانپوں کے ساتھ سپولیوں کو بھی کچل ڈالنا چاہیئے۔ ان کا خیال یہ بھی ہے کہ ایک مسلم خاتون یا دختر اسلام کو کنیز بنانا اس لیے سخت خطرناک ہے کہ وہ اسلام کو نہیں چھوڑ سکتی۔ بلکہ یہ کوشش کرتی ہے کہ عیسائیوں کو مسلمان بنا لے۔ اور چونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے ۔ اس لیے وہ عورتوں کو بھی مار ڈالتے ہیں۔

صفیہ تقریر کر رہی تھی۔ اس کے چہرہ کی دلکشی بڑھتی جاتی تھی۔ آنکھوں سے موہنی ٹپک رہی تھی۔ منہ سے پھول جھڑ رہے تھے۔ سلطان دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "ماشاءاللہ تم تو خوب تقریر کرنا جانتی ہو۔ تقریر کرتے کرتے تمہارا چہرہ کس قدر دلفریب ہو گیا ہے۔ آنکھوں میں کیسی چمک آگئی ہے۔ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ آواز میں کیسی شیرینی ہے۔"

صفیہ شرما گئی۔ شرمانے سے اس کے چہرہ پر اور بھی رعنائی دوڑ گئی۔ اس نے شوخی کے انداز میں کہا۔ "شکریہ"۔ اور مسکرانے لگی۔

سلطان نے کہا۔ "آج تم نے وہ وجوہات بیان کر دیں جو عیسائیوں کی اسلام دشمنی کا باعث ہیں۔ لیکن یہ تعصب ہی تعصب ہے۔ حقیقت نہیں۔ مسلمانوں نے کسی عیسائی سلطنت پر کبھی از خود حملہ نہیں کیا۔ عیسائیوں نے ہی مسلمانوں کی قوت بڑھتے ہوئے دیکھ کر ان سے چھیڑ خانی کی۔ آخر اپنی حکومتیں گنوا بیٹھے۔ یہ سچ ہے کہ ہم حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ صرف اس قدر مانتے ہیں کہ وہ ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ خدا کی

اولاد بنانا اول درجہ کا شرک اور کفر ہے۔ رہا مسلمان عورتوں کا۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان عورت ہو یا بچہ مر جائے گا لیکن اپنا مذہب نہ چھوڑے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ کنیز یا غلام بن جائے۔ چونکہ وہ اسلام پر قائم رہتا ہے اور اسلام میں صداقت ہے۔ اس لیے عیسائیوں پر خود ہی اثر پڑ جاتا ہے اور وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ اب ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ جرمنوں اور آسٹرویوں کی گوشمالی کے لیے خود جائیں۔"

صفیہ: نہایت مبارک ارادہ ہے۔ کیا ہمیں بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت ہے؟

سلطان نے اس کے پھول سے رخساروں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا ملکہ کو بھی اجازت لینے کی ضرورت ہے؟"

صفیہ: سلطان سے اجازت لینی ضروری ہے۔ ہماری تمنا یہ ہے کہ ہم بھی سلطان کے ساتھ چلیں۔"

سلطان نے خفیف قہقہہ لگا کر کہا۔ "اچھا یہ بات ہے۔"

صفیہ نے شرمیلی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "خدا جانے آپ کیا سمجھ گئے۔"

سلطان: ہم نے وہی سمجھا جو تمہارے دل میں ہے۔

صفیہ: بہت سمجھا۔

سلطان: اچھا تم بتاؤ۔ تمہارا کیا مطلب تھا۔

صفیہ: مسلمانوں کے انتقام کا جوش جیسا ترکوں کے اور اعلیٰ حضرت کے دلوں میں ہے۔ ایسا ہی ہمارے دل میں بھی ہے۔ ہم بھی وہی جذبہ لے کر میدان جنگ میں جانا چاہتے ہیں۔ جو کہ سلطان لے کر جانا چاہتا تھا۔

سلطان: خدا کا شکر ہے۔ جب تو ہم نے غلط سمجھا تھا۔

صفیہ: ہم نے پہلے ہی نہ کہا تھا۔ مرد کسی معاملہ میں عورت کی شرکت کے معنے غلط ہی لیا کرتے ہیں۔

سلطان: اس وقت تو ایسا ہی ہوا۔

صفیہ نے شیریں نظروں سے سلطان کو دیکھ کر کہا۔ فرمایئے پھر کیا حکم ہے؟

سلطان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ جانتی ہو۔ یہ خفتان (محلسرائے)[1] ہے۔ یہاں پر تو والدہ سلطانہ کا حکم چلتا ہے یا صفیہ سلطانہ کا؟"

صفیہ:۔ گویا مجھے والدہ سلطانہ سے اجازت لینی چاہیئے۔

سلطان:۔ ہاں! اگر تم مناسب سمجھو۔

صفیہ:۔ نامناسب کی کیا بات ہے۔ وہ مجھ پر میری امی سے زیادہ مہربان ہیں۔ ان کی اطاعت مجھ پر لازم اور ان کا حکم ماننا مجھ پر فرض ہے۔

سلطان۔ مگر جانتی ہو کہ انہیں یہ شکایت ہے کہ ہم تمہارے ہی ہو کر رہ گئے ہیں۔

صفیہ نے ایسی نگاہوں سے جن میں شرم اور شوخی دونوں ملی جلی تھیں۔ سلطان کو دیکھ کر کہا "اعلیٰ حضرت ہمارے ہو گئے ہیں یا ہمیں اپنا بنا لیا ہے"

والدہ سلطانہ نور بانو حیات کو واقعی سلطان سے یہ شکایت ہو گئی تھی کہ وہ سلطانہ صفیہ کے حسن وجمال پر اس بری طرح مٹے ہیں کہ حکومت و سلطنت کی طرف سے لاپروا ہو گئے۔ صفیہ نے کہا "ان کی شکایت بے جا نہیں ہے۔ جلالت مآب امورِ سلطنت کو اچھی طرح انجام کیوں نہیں دیتے۔

سلطان:۔ تمہاری تھوڑی دیر کی بھی جدائی ہمیں گوارا نہیں ہوتی۔ اگر تم بھی دربار میں ہمارے پیچھے پردہ میں بیٹھ جایا کرو۔ تو پھر ہم دل لگا کر حکومت کا کام کیا کریں۔

صفیہ:۔ ہم سے تو یہ نہ ہو سکے گا۔

سلطان:۔ کیوں؟

صفیہ:۔ شرم اجازت نہیں دیتی۔

سلطان:۔ لیکن تم ملکہ ہو۔ حکومت میں نصف کی شریک ہو۔

صفیہ:۔ عالم پناہ اس سے معاف ہی فرمائیں۔

سلطان:۔ ہم مجبور نہیں کر سکتے۔

---

[1] از تاریخ عالم اسلام جلد چہارم صفحہ ۵۱۴

صفیہ:۔ شکریہ۔

وہ شوخی سے مسکرانے لگی۔ سلطان اس شوخ حسینہ کو دیکھتے رہ گئے۔

باب ۲۴

ترکوں کا جوش وجذبہ

جب لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو سلطان نے فرمان جاری کیا کہ وہ بھی جرمنوں اور آسٹرو آسٹرویوں کی گوشمالی کے لیے فوج کے ہمراہ چلیں گے۔ سلطان کے اس فرمان سے سنسنی پھیل گئی۔ عیسائی سفیر بہت مضطرب ہوئے خصوصاً جرمن کا سفیر زیادہ پریشان ہوا۔ ادھر ترکوں میں بڑا جوش وخروش پیدا ہو گیا۔ جب سلطان دربار میں تشریف لائے تو حسب معمول سارے دربار میں سناٹا چھا گیا اور درباری سر جھکائے بیٹھے تھے۔ سلطان نے فرمایا "صدر اعظم"۔

وزیر اعظم محمد سقلی پاشا اپنی جگہ سے اٹھ کر سنگ مرمر کے چبوترہ کے قریب جا کر کھڑے ہوئے۔ سلطان نے کہا۔ ہماری عدم موجودگی میں امور مملکت تم انجام دو گے۔ ہمیں تمہاری وفاداری اور دانش مندی پر پورا پورا اعتماد ہے۔

محمد سقلی پاشا:۔ یہ خانہ زاد کچھ عرض کرنا چاہتا ہے؟

سلطان:۔ عرض کرو۔

محمد سقلی پاشا:۔ جرمن اور آسٹریلیا کی مہم کوئی زبردست مہم نہیں ہے۔ جرمنی کی ہستی ہی کیا۔ اس کے مقابلے میں جہاں پناہ کو تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو یہ عرض کروں گا کہ کسی بڑے افسر کو بھی اس مہم پر نامزد نہ فرمایئے۔ چھوٹے درجہ کے افسروں میں سے کسی کو بھیج دیئے۔

سلطان :۔ لیکن صدرِ اعظم تم نے ہمارے جوش کا اندازہ نہیں کیا۔

محمد سقلی پاشا :۔ جلالت مآب کے جوش کا اندازہ تو مجھے کیا ساری قلمرو کو اس فرمان سے ہو گیا جو صادر ہو چکا ہے۔ لیکن وابستگان دولت اس بات کو قوم کی توہین سمجھتے ہیں کہ جرمن جیسی کم مایہ حکومت کے مقابلہ میں سلطانِ روم تشریف لے جائیں۔

سنان پاشا کھڑے ہوئے۔ یہ بحری فوج کے سب سے بڑے سپہ سالار تھے تمام عثمانی بیڑہ ان کے تحت میں تھا۔ انھوں نے کہا۔ "عالم پناہ : میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

سلطان :۔ تم بھی غالباً صدرِ اعظم کی تائید کرو گے۔

سنان پاشا :۔ بے شک میں تائید کرنے ہی کے لیے کھڑا ہوا ہوں۔ لیکن اگر صدرِ اعظم اس کی تحریک نہ کرتے تو میں خود کرتا۔ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جلالت مآب کے ادنیٰ افسروں میں ایسی قابلیت، جرأت اور دلیری ہے۔ جو نہ صرف جرمن بلکہ ہر اس قوم و ملک کا مقابلہ کر سکتے ہیں جو حملہ آور ہو۔ اگر اس معمولی مہم پر اعلیٰ حضرت بہ نفسِ نفیس تشریف لے جائیں گے تو ہم خاکساروں کی بڑی توہین ہوگی۔ دنیا یہ کہے گی کہ ترکوں میں ایک بھی ایسا دلیر افسر نہ تھا جو جرمنوں کا مقابلہ کرتا۔ سلطانِ روم کو خود آنا پڑا۔

ایک اور افسر نے جن کا نام احمد پاشا تھا کہا۔ "یہ ہیچمدان بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔"

سلطان :۔ تم بھی کہو۔

احمد پاشا :۔ جرمن خونخوار اور سفاک ہیں۔ ایسے لوگوں میں جرأت و ہمت نہیں ہوا کرتی۔ ان کی سرکوبی کے لیے عالم پناہ کا تشریف لے جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ میں ایک ادنیٰ سپاہی ہوں۔ مجھے حال ہی میں ترقی ملی ہے۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ بڑے افسروں کے برابر نہ میرا تجربہ ہے۔ نہ مجھ میں جرأت و ہمت ہے۔ لیکن میں اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ جرمنوں کا مقابلہ بڑی آسانی سے کر سکتا ہوں۔ لہٰذا میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں اور عرض گزار ہوں کہ اس مہم پر مجھے نامزد فرمایا جائے۔

سلطان :۔ ہمیں تمہاری دلیرانہ گفتگو سن کر بڑی مسرت ہوئی۔

ایک اور افسر حازم پاشا کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ "ایک گزارش میری بھی ہے۔"

سلطان :۔ تم بھی کہہ ڈالو۔

حازم پاشا :۔ میرے محترم دوست احمد پاشا کئی مہموں میں شریک ہو کر شہرت اور ناموری حاصل کر چکے ہیں مجھے اب تک کوئی موقع نہیں ملا ہے۔ میری تمنا ہے کہ مجھے اس مہم پر بھیجا جائے۔

ایک اور افسر فرہاد پاشا نے کھڑے ہو کر کہا۔ "عالم پناہ! میں اپنی ایک دیرینہ آرزو کے عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

سلطان :۔ اجازت ہے۔

فرہاد پاشا :۔ ایک عرصہ سے میری خواہش ہے کہ میں جہاد کروں۔ قدرت نے یہ موقع دیا ہے۔ لہٰذا مجھے اس مہم پر روانہ فرمایئے۔

سلطان :۔ ہمیں یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ فرزندانِ اسلام میں جوش بھی ہے اور جذبہ جہاد بھی۔ یہ جوش اور جذبہ مبارک ہے۔ لیکن سوچو تو ہم بھی اسلام کے فرزند ہیں۔ کیا ہم میں جوش اور جذبہ نہیں ہے؟

صدرِ اعظم :۔ ضرور ہے۔ اور ہم خانہ زادوں سے زیادہ ہے۔ لیکن یہ مہم ایسی نہیں ہے۔ جس کے لیے اعلیٰ حضرت تکلیف فرمائیں۔

سلطان :۔ مگر ہم قصد کر چکے تھے۔

صدرِ اعظم :۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایران کی مہم پر جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن جب مشیرانِ قوم نے مخالفت کی اور سمجھایا تو وہ رک گئے تھے۔ اور تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ ان کا رکنا نہایت ہی اچھا ہوا تھا۔ ہم خانہ زادوں کا بھی مشورہ ہے کہ جہاں پناہ اس مہم پر نہ جائیں۔

سلطان :۔ پھر کسے بھیجا جائے۔ ہر سردار لڑائی پر جانے کا خواہشمند ہے۔

صدرِ اعظم :۔ جسے اعلیٰ حضرت مناسب سمجھیں۔

سلطان :۔ تم ہی اس کا فیصلہ کرو۔

فرہاد پاشا نے کہا "سب سے زیادہ خواہش تو میری ہے۔ مجھے اجازت دی جائے۔"

احمد پاشا :۔ لیکن سب سے زیادہ میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے۔"

سلطان :۔ اچھا قرعہ اندازی کر لو۔

تمام بڑے بڑے افسروں کے نام لکھ کر گولیاں بنائی گئیں اور قرعہ ڈالا گیا۔ احمد پاشا کا نام نکلا۔ جس وقت صدر اعظم نے ان کے نام کا اعلان کیا ہے تو ان کا چہرہ خوشی کے سبب چمک اٹھا۔

سلطان نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ خدا نے فیصلہ کر دیا تمہارا نام قرعہ میں نکلا ہے۔ ہم تمہیں چند ہدایتیں کرتے ہیں۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ آسٹرویلوں نے بڑی درندگی کی ہے مسلمانوں کو بڑی سفاکی سے قتل کیا ہے۔ قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہے۔ اگر اسی قدر تم بھی کرو تو تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ لیکن اگر معاف کر دو تو یہ اچھا ہے۔ اگر تم درندگی کا جواب درندگی سے دو گے تو تم میں اور عیسائیوں میں کیا کیا رہے گا۔ تم جوش انتقام میں اندھے نہ ہو جانا۔ قتل عام نہ کرنا۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، اپاہجوں اور بیماروں کو ہرگز قتل نہ کرنا۔ کھیتی کو نہ جلانا، مکانوں کو آگ نہ لگانا، بستیوں کو ویران نہ کرنا، جو ہتھیار ڈال دیں۔ انہیں امان دینا۔"

اس کے سلطان نے احمد پاشا کو خلعت دیا۔ لشکر پہلے ہی سے تیار تھا۔ اگلے ہی روز بڑی شان سے آسٹریا ہنگری کی طرف روانہ ہو گیا۔ نسیم بک بھی اس لشکر کے نائب ہو کر گئے۔

باب ۲۵

جنگ کی ابتدا

اسلامی لشکر ہنگری کی طرف روانہ ہوا۔ اس لشکر کی روانگی کی اطلاع دول یورپ کے

سفیروں نے اپنے اپنے بادشاہ کو کر دی تھی۔ اور عثمانی دربار کے تمام واقعات، ترکوں کا جوش، سلطان کا عزم یہ سب حالات بھی لکھ دیئے۔ ہر حکومت دم بخود ہو گئی۔

ترکوں کی قوت کا اندازہ کر کے ہر بادشاہ اپنی جگہ خائف ہو گیا۔ اسلامی لشکر کوچ و قیام کرتا ہوا ہنگری کے علاقہ میں داخل ہوا قیصر جرمنی کو بھی اس لشکر کے آنے کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے آسٹروی سپاہ بھاری تعداد میں مقابلہ کے لیے بھیج دی۔ وہ سفاک فوج بھی اس لشکر میں شامل ہو گئی۔ جس نے مسلمانوں پر تاخت کی تھی۔ یہ دونوں مل کر مل کر بڑی زبردست طاقت بن گئی۔

احمد پاشا کو بھی اس لشکر کی صحیح تعداد کا علم ہو گیا تھا۔ ترکوں سے چہار گنا تھا لیکن احمد پاشا نے دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت کی پرواہ نہ کی۔ وہ برابر بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ ہنگری کا بڑا حصہ طے کر لیا۔ چونکہ دشمن بہت قریب رہ گیا تھا۔ اس لیے اب احتیاط کرنے لگے تھے۔ آخر وہ مقام کر دیا کے قریب پہنچے۔ یہاں تمام عیسائی لشکر زن تھا۔ احمد پاشا نے گھوڑے پر سوار ہو کر بلند مقام پر کھڑا ہو کر عیسائی لشکر کی طرف تھا۔ حد نگاہ تک پلٹنیں اور رسالے کھڑے ہوئے نظر آتے۔ توپوں کی نالیں اور دوسرے ہتھیار دھوپ میں چمک رہے تھے۔

ترکوں نے بڑی پھرتی سے اپنے خیمے نصب کیے۔ توپیں آگے بڑھا کر دمدمے قائم کر دیئے۔ لشکر اور توپوں کی حفاظت کا کافی انتظام کر دیا۔ رات کو نگہبان مقرر کر دیئے۔ عیسائی ہراول شبخون مارنے کی فکر میں رہا۔ لیکن محافظوں نے اس کا موقع ہی نہ آنے دیا۔ عیسائی سمجھ رہے تھے کہ ترک دور دراز کا سفر کیے چلے آ رہے ہیں۔ تھک گئے ہوں گے۔ رات کو ان پر چھاپہ مار کر انہیں پسپا کر دیں۔ لیکن جب انھوں نے ترکوں کو بیدار اور ہوشیار دیکھا تو خاموش ہو گئے۔

صبح کو اسلامی لشکر میں اذان ہوئی۔ ترکوں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جب وہ نماز سے فارغ ہو کر کیمپ میں آئے تو انھوں نے عیسائیوں کی نقل و حرکت دیکھی۔ وہ سمجھ گئے کہ عیسائی حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ترکوں نے بھی جلدی جلدی مورچے قائم کیے

تمام محاذ میں دور تک دمدمے بنا کر ان پر توپیں چڑھا دیں۔ اور توپوں کے پیچھے سپاہیوں کی پناہ کے لیے خندقیں کھود ڈالیں۔

بالکل ایسا ہی انتظام عیسائیوں نے بھی کیا۔ انہوں نے بھی آگے پیچھے کئی مورچے قائم کئے۔ ہر مورچہ کے سامنے توپیں نصب کر کے ان کے پیچھے خندقیں کھود لیں۔ وہ تمام دن مورچوں کی تیاری میں صرف ہو گیا۔ فریقین نے مورچے اس طرح بنائے کہ میسرہ میمنہ اور قلب قائم ہو گئے۔ رات کو ہر فریق نے مورچوں کی حفاظت کا معقول انتظام کر لیا۔

اگلے روز جب کہ آفتاب کی کرن نمودار ہوئی۔ عیسائی مورچہ سے پہلا گولہ سر ہوا۔ یہ گولہ خاصی گرج کے ساتھ ترکی مورچہ کے قریب جا کر گرا۔ لیکن وہ دمدمہ کی مٹی کے ڈھیر میں جا گھسا۔ یہ مٹی گارے کی شکل میں تھی۔ وہ پھٹ نہ سکا۔

چونکہ عیسائیوں نے پہلا گولہ سر کر کے اعلان جنگ کر دیا۔ اس لیے فوراً ہی اس کے جواب میں ترکی توپ نے بھی گرج کے ساتھ گولہ اگلا۔ یہ گولہ بجلی کی تیزی کے ساتھ جھپٹ کر عیسائی مورچہ کو عبور کر کے خندق کے پار میدان میں جا کر پھٹا۔ اس سے بھی کوئی نقصان نہیں ہوا۔

اب فریقین کی توپوں نے بادل جیسی گرج کے ساتھ گولے اگلنے شروع کیے۔ گولوں کی گرج سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ دھوئیں بلند ہونے لگے۔ جب گولے پھٹتے تھے تو زمین کو پھاڑ کر دور تک مٹی بکھیر دیتے تھے۔ اتفاق سے عیسائی توپ کا ایک گولہ ایک ترکی توپ کے پاس آ کر پھٹا۔ وہاں غار پیدا ہو گیا۔ ترکی توپ غار میں جا گری۔

یہ دیکھ کر ترک توپچیوں کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے تاک تاک کر گولے سر کرنے شروع کیے۔ دو گولے دو عیسائی توپوں پر جا کر لگے۔ دونوں توپیں پیچھے کی طرف الٹ کر خندق میں جا گریں۔ کئی سپاہی ان کے نیچے دب کر رہ گئے۔

گولے برابر چل رہے تھے۔ آگ اور لوہے کی بارش ہو رہی تھی۔ گولے برابر چل رہے تھے۔ فضا تیرہ و تار ہو گئی تھی۔ دھوئیں کے بادلوں میں دونوں کیمپ چھپ گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عیسائی توپیں کچھ زیادہ لمبی کی نہیں تھی۔ ترکی توپیں ان سے زیادہ مار کرتی تھیں۔ چنانچہ کئی ترکی گولے عیسائی مورچوں میں جا کر پھٹے۔ جو سپاہی قریب تھے۔ ان کے پرخچے اڑ گئے۔ ان سپاہیوں کی ہڈیاں دوسرے سپاہیوں کے جا لگیں تو وہ بھی مجروح اور مضروب ہو گئے۔ اس پہلے عیسائی مورچہ میں ابتری پیدا ہو گئی۔

ابھی عیسائی صورت حال پر غور ہی کر رہے تھے۔ کہ چند گولے عین خندق میں آ کر پھٹے پھر کئی سپاہیوں کی ہڈیاں چورا ہو کر اڑ گئیں۔ مٹی اس زور سے اٹھی کہ بہت سے سپاہیوں کو دبا کر بیٹھ گئی۔ چونکہ پہلا مورچہ غیر محفوظ ہو گیا۔ اس لیے عیسائی افسروں نے اس مورچہ کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ سپاہی خوفزدہ ہو ہی گئے تھے۔ نہایت بے ترتیبی کے ساتھ دوڑ کر خندق سے نکلتے اور اوپر چڑھ کر بھاگنے لگے۔

ترکی توپیں برابر گولے اگل رہی تھیں۔ ان لوگوں میں سے کچھ تو خندق میں گر رہے تھے۔ کچھ خندق سے پار پہنچ رہے تھے۔ عیسائی بھاگنے میں بڑی بے احتیاط کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے جو خندق کے پار جا جا کر پھٹ رہے تھے۔ ان کے ٹکڑے اڑا دیئے سینکڑوں سپاہیوں کے چیتھڑے اڑ گئے۔ سپاہیوں ایسے شدید زخمی ہو گئے جو بڑھی ہوئی تکلیف کی وجہ سے زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے۔ عیسائی کیمپ میں رونے اور چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ ان کی آوازیں توپوں کی گرج میں جذب ہو کر اور دب کر رہ جاتی تھیں۔

تھوڑی دیر میں عیسائیوں کا پہلا مورچہ قریب قریب بالکل تباہ ہو گیا۔ ان کی توپیں یا تو الٹ گئیں یا ان کی نالیں خراب ہو گئیں۔ یا ان کے نیچے سے زمین نکل جانے کی وجہ سے وہ اندھی ہو کر گر گئیں۔ جو دو چار اپنی جگہ پر قائم بھی رہیں۔ ان سے عیسائی کام نہ لے سکے۔ انہیں خوف ہوا کہ اگر گولہ انداز ان توپوں کے قریب رہے تو ترکی گولے انہیں بھی اڑا ڈالیں۔ اس لیے وہاں سے ایک ایک عیسائی سپاہی نکل کر بھاگ گیا۔ توپچی بھی بھاگ گئے۔

ترکوں نے اس بات کو محسوس کر لیا کہ عیسائیوں کا پہلا مورچہ تباہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ اب عیسائیوں کی طرف سے گولے آنے بند ہو گئے تھے۔ ترکوں نے اپنی چند توپیں مورچہ سے آگے بڑھا دیں۔ جو توپیں وہاں باقی رہیں۔ ان کی نالیں اونچی کر دی گئیں اور وہ رک رک کر گولے اگلنے لگیں۔

باب ۲۶

فتوحات

دوسرے روز آفتاب طلوع ہوتے ہی ترکوں نے گولہ باری شروع کر دی۔ عیسائی بھی تیار بیٹھے تھے۔ وہ بھی گولے پھینکنے لگے۔ پھر آگ اور لوہے کی بارش ہونے لگی۔ آسمان کے نیچے دھوئیں کا سائبان چھا گیا۔ توپوں کی گرج سے کانوں کے پردے پھٹنے اور گولوں کے پڑنے سے زمین ہلنے لگی۔

فریقین کی توپیں بڑے شور کے ساتھ چل رہی تھیں۔ آگ لپکتی اور دھواں اٹھتا تھا۔ گولوں کے پھٹنے سے لوہے کے ٹکڑے برس رہے تھے۔

صبح کا وقت تھا۔ آفتاب بہت کچھ بلند ہو چکا تھا۔ دھوپ تمام کیمپ میں پھیل گئی تھی ہوا چل رہی تھی۔ فریقین کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ترک اس مورچہ سے توپیں چلا رہے تھے۔ جو عیسائیوں کا تھا۔ اور جس پر انھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ عیسائی اس مورچہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ جو ایک روز پہلے دوسرا تھا۔ اور آج پہلا ہو گیا تھا۔

ترک غضب کے بہادر ہوتے ہیں۔ وہ دھاوہ کی تیاری کر رہے تھے۔ توپیں چل رہی تھیں اور گولے برس رہے تھے۔ موت کا فرشتہ توپوں کی نالوں میں سے جھانک رہا تھا۔ گولے موت کا پیغام لے کر آ رہے تھے۔ نہایت خوفناک منظر آ تھا۔ ایسے پُرخوف مقام میں مورچوں سے نکلنا موت کے منہ میں جانا تھا۔ لیکن مسلمان موت کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے کہ موت وقت سے پہلے نہیں آتی۔ خدا نے موت کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ وقت میں ایک لمحہ کی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ پھر موت سے کیا ڈرنا۔ چنانچہ وہ دھاوا وہ کی تدبیر سوچ رہے تھے۔

توپیں سر ہو رہی تھیں۔ گولے ایک دوسرے کے مورچہ میں جا کر پھٹ رہے تھے۔

جو گولہ سپاہیوں کے قریب جا کر پھٹتا تھا۔ وہ ان کے ٹکڑے اڑا دیتا تھا۔ ایک گولہ ترکوں کے مورچہ میں پھٹا۔ کئی ترک اڑ گئے۔ یہ دیکھ کر عام ترکوں کو جوش آ گیا۔ وہ بندوقیں ہاتھوں میں لے کر مورچہ کے ادھر ادھر سے نکلے اور آہستہ آہستہ دونوں کے کناروں کی طرف سے آگے بڑھنے لگے۔ ان اطراف میں گولے کم آ رہے تھے۔

ترک اول تو آہستہ آہستہ چلے۔ پھر انہوں نے بندوقیں چھپا کر تیزی سے آگے بڑھنا شروع کیا۔ چونکہ دھوئیں کے غٹ پھیلے ہوئے تھے۔ اس لیے عیسائیوں نے انہیں بڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ وہ مورچہ کے قریب پہنچ کر خندق میں اترنے لگے۔

عیسائیوں نے انہیں دیکھا۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ان کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ ترک گولوں کی زد سے بچ کر کس طرح ان کے مورچہ میں چلے آئے۔ اور کیسے خندق میں اترنے لگے۔ ان پر ہیبت چھا گئی وہ ترکوں کو انسان نہیں کچھ اور ہی سمجھنے لگے۔

ترکوں نے خندق میں اترتے ہی بندوقوں کے فائر شروع کیے۔ بہادر عیسائی گولیاں کھا کھا کر گرنے لگے۔ موت کی گرم بازاری ہو گئی۔ عیسائیوں نے بھی بندوقیں سنبھالیں۔ لیکن ان پر حیرت وخوف کا ایسا غلبہ ہو گیا تھا کہ ہاتھ تھر تھرانے لگے تھے۔ بندوقیں نہ اٹھتی تھیں۔ ترکوں نے انہیں بھون ڈالا۔ وہ بے اوسان ہو کر وہاں سے بھاگے۔ چشم زدن میں ترکوں نے خندق پر قبضہ کر لیا۔ اس مورچہ کے عیسائی توپچی اب تک گولے برسا رہے تھے۔ توپوں کی گرج اور دھوئیں کے اندھیرے میں نہ انھوں عیسائیوں کی چیخوں کی آوازیں سنی نہ ترکوں کو دیکھا۔ نہایت اطمینان سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ چند ترک خندق سے اوپر چڑھے۔ انہوں نے گولہ اندازوں کو اور گولے اٹھانے والوں کے بازو جا پکڑے۔ جب ان عیسائیوں نے گھوم کر دیکھا۔ اور انہیں ترک نظر آئے تو وہ سہم کر رہ گئے۔ ان کے ہاتھ پیر پھول گئے اور اوسان جاتے رہے۔ گھگیانے لگے۔ ترکوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اور اس مورچہ کی تمام توپوں پر قبضہ کر لیا۔ ترکوں کی آمد آمد جاری تھی۔ اور چونکہ اب عیسائیوں کی طرف سے گولہ باری موقوف ہو گئی تھی۔ اس لیے ترک تیزی سے اپنے مورچوں سے نکل کر عیسائی مورچوں کی طرف دوڑنے لگے۔ ترکوں کی وردیاں اور سرخ ٹوپیاں چمک رہی تھیں اور ہتھیار جگمگا رہے تھے۔ ان کے

دوڑ کر چلنے سے عجب دل کش منظر ہو گیا تھا۔ انھوں نے عیسائی کے مورچہ میں پہنچتے ہی دنادن بندوقیں چلانی شروع کر دیں۔

عیسائی اس حملہ کے لیے بالکل ہی تیار نہیں تھے۔ انہیں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ ترک سر ہتھیلیوں پر رکھ کر ان کے مورچوں میں آ گھسیں گے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی یعنی عیسائیوں کی تعداد ترکوں سے کہیں زیادہ ہے۔ ترک ایسی جرأت کبھی نہ کریں گے۔ کہ ان کے مورچہ میں آ گھسیں گے لیکن جب خلاف توقع ترک مورچوں میں آ گھسے تو وہ کمال متعجب اور بہت زیادہ خوفزدہ ہوئے حیرت و خوف کی وجہ سے ان سے بندوقیں نہ اٹھ سکیں۔ اور اگر اٹھیں بھی تو یہ خیال نہ رہا کہ بندوقیں خالی ہیں۔ ان میں گولیاں بھری ہوئی نہیں ہیں۔ انھوں نے خالی بندوقیں چھتیائیں۔ اور جب فیر کیے تو ان میں سے کچھ بھی نہ نکلا۔ وہ اور بھی ڈر گئے۔ غلطی سے انھوں نے یہ سمجھا کہ ترک مسلمان ہیں مسلمانوں کے آباؤ اجداد جادوگر بتاتے چلے آتے تھے۔ ان کی مائیں اور انائیں مسلمانوں کے حیران کن واقعات کو جادوگری بتایا کرتی تھیں۔ وہ سمجھے مسلمانوں نے جادو کر دیا ہے اور جادو کے زور سے بندوقیں خالی ہو گئیں۔

اس خیالی حماقت کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بندوقیں پھینک پھینک کر بھاگنے لگے۔ غلطی پر غلطی یہ کی کہ بندوقیں ڈال کر امان نہ مانگ لی۔ اگر وہ امان مانگ لیتے تو ان کی جانیں ضائع نہ ہوتیں۔ ان کے بھاگتے ہی ترکوں نے ان پر گولیوں کا مینہ برسا دیا۔ اور وہ قدم قدم پر مر کر اور زخمی ہو کر گرنے لگے۔ ان کی لاشوں سے میدان بھر گیا۔

صورت یہ واقع ہو گئی کہ عیسائی آگے بھاگ رہے تھے اور ترک ان پر فیر کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ جب وہ اس ہیبت سے آگے پیچھے دوڑ رہے تھے تیسرے مورچہ میں پہنچے۔ اور اس مورچہ کے عیسائیوں نے یہ نظارہ دیکھا تو وہ بھی گھبرا گئے۔ ان کے بھی ہاتھ پیر پھول گئے۔ فائر کرنا بھول گئے۔ جانیں بچانے کے لیے وہ اس مورچہ میں سے بھی نکل کر بھاگنے لگے۔

عیسائیوں پر ترکوں کے اچانک حملہ کرنے سے کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ ان کی صورتیں دیکھتے ہی بھاگنے لگے۔ اور بغیر مقابلہ بھاگنے سے ان کا نقصان ہونے لگا۔ ترکوں

نے انہیں بھوننا شروع کر دیا۔ اس وقت کارتوسی بندوقیں نہیں تھیں۔ بلکہ توڑہ دار تھیں۔ ان کے بھرنے اور ٹھونک ٹھانک کرنے میں کافی وقت لگ جاتا تھا۔ ترک ایسا کر رہے تھے کہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر گولیاں اور بارود دھر کر گزوں سے ٹھونکتے اور کچھ دوڑ کر عیسائیوں پر فیر کرتے۔ جو لوگ فیر کر چکے ہوتے وہ کھڑے ہو کر بندوقیں بھرنے لگتے اور بندوقیں بھرتے ہی بھاگ کر فیر کر دیتے۔

اس طرح ترک متواتر فیر کر رہے تھے۔ عیسائی گھبرا گئے تھے۔ انہیں بندوقیں بھرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ وہ بھاگتے ہی رہے۔ بھاگ کر ایک مورچہ سے دوسرے میں پہنچتے اور دوسرے سے تیسرے میں جا داخل ہوتے۔ ترک ان پر فیر کرتے، انہیں مارتے۔ ان کے پیچھے لگے چلے جا رہے تھے۔ انھوں نے چار مورچوں پر بڑی آسانی سے قبضہ کر لیا۔ اور اب پانچویں کی طرف بڑھنے لگے۔

باب ۲۷

شکست فاش

ترک کچھ اس تیزی سے بڑھے اور بڑھ کر مورچوں پر قبضہ کرتے چلے جا رہے تھے۔ کہ عیسائیوں کو ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی تھی۔ وہ برابر پسپا ہو رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں سے مورچوں پر مورچے چھنتے چلے جا رہے تھے۔ توپوں پر توپیں ترکوں کے قبضہ میں چلی جا رہی تھیں۔ لیکن یہ ہمت نہ ہوتی تھی۔ کہ جمتے، ترکوں کا مقابلہ کرتے، لڑتے اور توپوں کی حفاظت کرتے۔

ترکوں نے پانچویں مورچہ پر یلغار کر دی۔ اس طرف عیسائیوں کا یہ آخری مورچہ تھا۔ جب ان مورچوں والوں نے اچانک ترکوں کو بھاگ کر آتے ہوئے دیکھا تو پہلے تو کچھ گھبرائے۔ لیکن فوراً ہی سنبھلے اور جلدی جلدی میں گولے ڈالنے اور بارود بھرنے لگے۔ ابھی وہ ایک توپ بھی سر نہ کرنے پائے تھے کہ ترک مورچہ کے نیچے پہنچ کر اس پر چڑھنے لگے یہ کیفیت دیکھ کر عیسائیوں کے جسموں میں سنسنی پھیل گئی۔ ان پر رعب و خوف طاری ہو گیا۔ وہ بھاگنے کی تیاری کرنے لگے۔ جوں ہی ترک اوپر پہنچے وہ خندق میں کود گئے۔ ان کے پیچھے ہی ترک خندق میں کود سے اور بندوقیں پھینک کر تلواریں سونت کر عیسائیوں پر جا پڑے۔

ترک عیسائیوں پر بالکل اس طرح دوڑ کر گرے۔ جس طرح چڑیوں پر شکرے گرتے ہیں۔ یا بکریوں پر بھیڑیے آپڑتے ہیں۔ انھوں نے بے دریغ انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ عیسائی لڑائی پر مطلق بھی تیار نہ تھے۔ وہ ترکوں کی تلواریں دیکھ کر کچھ ایسے خوفزدہ ہوئے کہ جانیں بچا کر بھاگنے لگے۔ ترکوں نے انہیں تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیا۔ سینکڑوں جانباز عیسائی مارے گئے۔ سینکڑوں بھاگے۔ ترک جلدی سے ان کے پیچھے بھی دوڑے اور جو لوگ خندق پر چڑھنے کے لیے کود پھاند کرنے لگے تھے۔ انہوں نے انہیں ٹھکانے لگانا شروع کر دیا۔ بہت کم لوگ بھاگ سکے۔ باقی سب ترکوں کی تلواروں کا لقمہ بن گئے۔

ترکوں نے اس مورچہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ انہوں نے توپوں کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا۔ اس مورچہ کے دوسری طرف عیسائی فوجوں کے دستے اس طرح پھیلے ہوئے تھے کہ تمام میدان کو ڈھک لیا تھا۔ ترک آگے نہیں بڑھے۔ انہوں نے بڑی پھرتی سے توپوں کے رخ بدل کر ان میں گولے ڈالے۔ بارود بھری اور آگ لگا دی۔ بڑی سخت گرج کے ساتھ توپیں چلیں اور نہایت شور کے ساتھ توپوں کی نالوں سے گولے نکلے۔ عیسائیوں نے شور سنا۔ وہ حیرت سے دیکھنے لگے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ہی گولے اگلی صفوں میں آ کر پھٹے۔ لوہے کے ٹکڑے برسے۔ اور ہزاروں آدمی ریزہ ریزہ ہو کر اڑ گئے۔ ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے والے آدمیوں کی ہڈیاں جو قریب کھڑے ہوئے عیسائیوں کے لگیں۔ تو ان کے بھنڈارے کھل گئے۔ اور وہ دلدوز چیخیں مار کر اوندھے منہ گر رہے۔

اس سے عیسائیوں میں ابتری پھیل گئی۔ وہ پیچھے دبنے لگے۔ لیکن کثرت سے صفیں آگے پیچھے کھڑی تھیں۔ کہ اگلی صفوں کو پیچھے ہٹنے کا موقع نہ ملا۔ اس عرصہ میں پھر توپوں کی گرج کی۔ اور پھر نالوں نے گولے اگلے اور پھر آگ اور لوہے کی بارش ہونے لگی۔ پھر ہزاروں عیسائی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہوا میں اڑ گئے۔

اب عیسائی اور بھی خوفزدہ ہو گئے۔ وہ بھاگنے کے لیے پیچھے مڑے۔ لیکن وہاں بھاگنے کی جگہ ہی نہ تھی۔ صفیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئیں۔ اس وقت ترک خندق سے نکل کر تیزی سے بڑھے۔ عیسائیوں کی کئی صفیں پشت پھیر کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ بالکل ایسے جیسے بچے کسی چیز سے ڈر کر آنکھیں بند کر کے یہ خیال کرنے لگتے ہیں۔ کہ جس چیز سے وہ ڈر رہے ہیں۔ آنکھیں بند کرنے سے ان کے پاس نہ آئے گی۔ یا آئی بھی تو نقصان نہ پہنچائے گی۔ عیسائی بھی اپنے دل میں یہ سمجھ گئے تھے کہ اس طرف پشت کر لینے کی وجہ سے گولے آ کر انہیں نقصان نہ پہنچائیں گے۔

عیسائیوں کی اس حماقت سے ترکوں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ آہستگی مگر تیزی کے ساتھ دوڑ کر ان کے قریب پہنچ گئے۔ جب عیسائیوں نے ان کے بھاری جوتوں کی آواز سنی تو گھبرا کر اپنی پشتوں کی طرف دیکھا۔ ترک تلواریں سونتے اقریب نظر آئے۔ ان پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ اپنے سامنے والوں کے سروں سے ٹھوکے مارنے لگے۔ ان میں اب بھی یہ ہمت نہ ہوئی کہ پلٹ کر ترکوں کا مقابلہ کرتے۔ بلکہ یہ آرزو ہوئی کہ کسی طرح ان کے آگے کی صفیں پھٹ جائیں۔ اور وہ ان میں گھس کر اپنی جانیں بچا لیں۔

ترکوں نے ان کے قریب پہنچتے ہی تلواروں کے وار شروع کر دیئے۔ عیسائی زخم زخم کھا کھا کر چلانے لگے۔ ترکوں نے جوش میں آ کر حملے کر کر کے عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ لاشوں پر لاشے گرنے لگیں۔ خون کے فوارے ابلنے لگے۔ سر اچھلنے لگے۔

ترکوں نے چشم زدن میں ان عیسائیوں کا خاتمہ کر ڈالا۔ جو ان کی طرف سے پشت پھیرے کھڑے تھے۔ اب وہ ان عیسائیوں پر حملہ آور ہوئے۔ جن کے رخ ان کے سامنے تھے۔ وہ عیسائی بھی ترکوں کی خون آشام تلواریں دیکھ کر زرد پڑ گئے۔ سوکھ گئے۔ وہ عیسائی

بے جان پتلے سے ہو گئے۔ ترکوں نے ان پر بھی یلغار کر کے انہیں بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ ترکوں کی تلواروں سے پناہ ملنی ناممکن ہے تو وہ بھی جانیں بچانے کے لیے تلواریں اٹھا کر مقابلہ میں آ گئے۔

اب تک عیسائی ترکوں کا مقابلہ نہ کر سکے تھے۔ ترکوں نے ان پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ کہہ رہے تھے کہ کس قدر نامرد اور بزدل ہیں کہ مر رہے ہیں لیکن لڑ کر بہادروں کی موت نہیں مرتے۔ اب جس طرح عیسائیوں نے مقابلہ شروع کیا تو ترکوں نے اپنے حوصلے نکالنے کا ارادہ کر لیا۔ انھوں نے نہایت سختی سے مقابلہ کیا اور صفوں میں دراڑیں ڈال کر عیسائیوں میں گھس گئے۔ ان کے بے پناہ حملے اور جان لیوا تلواریں عیسائیوں کے ٹکڑے اڑانے لگیں۔

میدان میں دور تک تلواریں اٹھنے اور انسانی سمندر میں ڈوبنے لگیں۔ بڑی شدومد سے جنگ شروع ہو گئی۔ اب اکا دکا ترک بھی مرنے لگا۔ لیکن کوئی ایک ترک اس وقت مرتا تھا۔ جب پانچ سات عیسائی کو مار ڈالتا تھا۔ اور جب کوئی ترک مارا جاتا تھا تو اس کے قریب لڑنے والے ترک کو بڑا غصہ آتا تھا۔ وہ جوش میں آکر زور سے حملہ کرتا تھا۔ اور دو چار عیسائیوں کو قتل کیے بغیر نہ رہتا تھا۔

گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ عیسائی ترکوں میں اور ترک عیسائیوں میں گھس گئے تھے ترکی دستے برابر دوڑے چلے آ رہے تھے۔ اور آتے ہی سختی سے جنگ شروع کر دیتے ہیں۔ زور شور سے تلواریں چل رہی تھیں۔ پھرتی سے سر دھڑوں سے جدا ہو رہے تھے۔ خون کی بارش ہو رہی تھی۔ لاشیں درختوں کی طرح کٹ کٹ کر گر رہی تھیں۔ منظر نہایت ہیبت ناک ہو گیا تھا۔

ترکوں نے یہ ہوشیاری اور کی کہ عام عیسائی سپاہیوں کو چھوڑ کر افسروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پچاس ساٹھ افسروں کے مارے جاتے ہی سارے عیسائی لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ افسر ہٹنے لگے۔ افسروں کو ہٹتے دیکھ کر سپاہی بھی دبنے لگے۔

ترکوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس جوش سے حملہ کیا۔ اور اس زور سے تلواریں

چلائیں کہ عیسائی صفیں بچھتی چلی گئیں۔ کچھ دیر تو عیسائیوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ لیکن جب وہ قتل ہوتے ہی چلے گئے تو گھبرا کر بھاگ نکلے۔ ترکوں نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا اور پھر شدت سے دھاوا کر دیا۔ اب عیسائیوں میں بالکل ہی مقابلہ کی سکت باقی نہ رہی۔ وہ سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ اور اس بری طرح بھاگے کہ اپنے ہی آدمیوں کو گراتے اور کچلتے چلے گئے۔ ترکوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ قیصر جرمنی نے بڑا عظیم الشان لشکر مسلمانوں کو کچلنے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن ترکوں نے مقام کردپا کے قریب شکست[1] فاش دے کر اسے پارہ پارہ کر دیا۔

باب ۲۸

قیصر کی موت

آسٹروی سپاہ کو ایسی ہزیمت ہوئی کہ وہ اپنا تمام سازوسامان سینکڑوں توپیں اور بے شمار بندوقیں، ہزاروں زخمی اور ہزاروں مقتول میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ہزاروں عیسائی گرفتار ہو گئے۔ سینکڑوں چھوٹے بڑے افسر بھی قید ہوئے۔ ترک افسروں نے مال غنیمت، قیدی اور آسٹروی و جرمنی افسروں کے سر قسطنطنیہ بھیج دیئے۔

جب مضروب عیسائی بھاگ کر اپنے ملک میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ مٹھی بھر ترکوں نے عظیم الشان عیسائی لشکر کے ٹکڑے اڑا دیئے تو عام مایوسی چھا

---

[1] از تاریخ عالم اسلام جلد چہارم ص ۵۱۲

گئی۔ سارے ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ خوف و ہراس طاری ہوگیا۔ مرنے والوں اور قیدیوں کی وجہ سے گھر گھر ماتم ہونے لگا۔ غم کے بادل امنڈ آئے۔ شاعروں نے مرثیے کہے اور حسین عورتوں نے درد انگیز لہجہ میں گاتے۔

عیسائی نہتوں پر ظلم کرتے میں بہادر ہوتے ہوئے کمزوروں پر خوب زور دکھاتے تھے۔ لیکن جب بہادروں سے مقابلہ ہوتا تھا تو بھیڑیوں کے سامنے بندروں کی مثل آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ مارے جاتے تھے یا بھاگ آتے تھے۔

آسٹروی لشکر جب تک ایسے اسلامی علاقہ میں رہا۔ جہاں فوجیں نہ تھیں شہری لوگ تھے۔ جن کے پاس پورے ہتھیار نہ تھے۔ توپیں نہ تھیں۔ لڑائی کا ساز و سامان نہ تھا۔ اس وقت تک شیر رہے۔ نہتے مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے رہے۔ عورتوں کو مارتے مردوں کو قتل کرتے اور بچوں کو ذبح کرتے رہے۔ بستیوں کو آگ لگاتے، آبادیوں کو ویران بناتے۔ عمارتوں کو جلاتے اور گراتے رہے۔ یہاں تک کہ مسجدوں کو بھی نہ چھوڑا۔ انہیں بھی یا تو توڑ ڈالا یا جلا دیا اور جن مظلوموں نے مسجدوں میں پناہ لی۔ انہیں وہیں ذبح کر ڈالا یا جلا ڈالا۔ لیکن جب ترک لشکر سے مقابلہ ہوا تو کچھ بھی نہ کر سکے بے شمار مارے گئے۔ لاتعداد زخمی ہوئے اور ان گنت قید ہو گئے۔ نہ کسی سپاہی نے جیالا پن دکھایا۔ نہ کسی افسر نے بہادری دکھائی۔ سب ہی بزدل اور کم ہمت ثابت ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ظالم بہادر نہیں ہوتے۔ عیسائی ظلم و ستم کے خوگر تھے۔ بہادر کیسے ہوتے جب اس لشکر کی ہزیمت کی اطلاع جرمنی میں پہنچی تو ارکین سلطنت اور امرائے شہر کو بڑا تعجب ہوا۔ انہیں اس خبر کا یقین ہی نہ آیا۔ یقین نہ آنے کی وجہ بھی تھی۔ نہایت عظیم الشان لشکر بڑے ساز و سامان کے ساتھ مکمل تیاری کرنے کے بعد اچانک بھیجا گیا تھا۔ اس لشکر کی فتوحات کا اس لیے یقین تھا۔ کہ ترکوں نے کوئی تیاری نہیں کر رکھی تھی۔ نہ انہیں یہ خبر تھی کہ ان پر حملہ ہونے والا ہے۔ نوجوان سلطان تخت نشین ہوئے تھے۔ ان کا فوراً ہی مقابلہ کے لیے تیار ہو جانا مشکل تھا۔ اس لیے انہیں پورا پورا یقین تھا کہ جرمنی فتوحات کرتے ہوئے ہنگری کا وہ تمام علاقہ فتح کر لیں گے جو ترکوں کے قبضہ میں تھا۔ لیکن جب ان کے خیال میں خلاف ہزیمت کی خبر آئی تو

انہیں یقین نہیں تھا۔ مگر جب آخر کار اس لشکر کے معدودے سپاہی جرمنی میں واپس آئے اور انھوں نے وزیر جنگ سے شکست کے حالات بیان کیئے تو سب کو سخت صدمہ ہوا۔ کئی روز تک مغموم و متفکر رہے جب غم کے بادل چھٹے تو یہ فکر لاحق ہوا کہ میکسلین قیصر جرمن کے گوش گزار یہ خبر کیسے کریں۔

قیصر میکسلین نہایت مغلوب الغضب، بے اصول، متفنی اور ناقابل اعتبار شخص تھا۔ وہ وعدے ہزار کرتا تھا۔ لیکن پورا ایک بھی نہ کرتا تھا۔ ایسا بدقماش تھا کہ موقع کی تاک میں رہتا تھا۔ جب ترکوں کو غافل یا کسی طرف مصروف دیکھتا تو عثمانی علاقہ پر حملہ کر دیتا۔ مگر جب ترک حملہ کرتے اور وہ دب آتا تو عاجزی کر کے صلح کر لیتا۔ مگر جب کئی مرتبہ ترکوں سے لڑ چکا تھا۔ اور وہ ہر مرتبہ اسے ہزیمت ہوئی تھی۔ جب بھی اسے شکست ہوتی۔ وہ ارکین سلطنت اور فوجی افسروں پر ناراض ہوتا۔ انہیں سزائیں دیتا۔ قید کر دیتا۔ اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیتا۔ ان کی عورتوں اور لڑکیوں کو چکلہ میں بٹھا دیتا۔ یا وحشی سپاہیوں کے حوالہ کر دیتا۔ وہ خونخوار سپاہی ان کی عصمت دری کرتے اور ان کے ساتھ ایسی سفاکی سے پیش آتے کہ وہ سسک سسک کر مر جاتیں۔

یہ کس میں جرأت تھی کہ ایسے درندہ نما انسان سے ہزیمت کی خبر بیان کرتا۔ اور اپنی تباہی اور ہلاکی مول لیتا۔ لیکن یہ خبر چھپ بھی کیسے سکتی تھی۔ کسی نہ کسی طرح قیصر کو معلوم ہی ہوگیا۔ قیصر نے تصدیق کے لیے فوراً وزیر جنگ کو طلب کیا۔ وزیر کی روح نکل گئی۔ وہ رعب و خوف سے لرزتا ہوا اس کے سامنے پہنچا۔ قیصر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دریافت کیا۔ "یہ کیا شہرت ہے کہ ہمارے لشکر نے شکست کھائی۔

قیصر کی تیز نگاہیں وزیر کو اپنے دل میں تیر کی طرح اترتی معلوم ہوئیں۔ اس نے سر جھکا کر کہا۔ "سچ ہے جہاں پناہ۔"

قیصر کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس نے گرج کر کہا۔ یہ صحیح ہے۔

وزیر کانپ اٹھا۔ اس نے کہا۔ اے شہنشاہ! ہمارے بہادروں نے بڑی دلیری سے ترکوں کا مقابلہ کیا۔ بڑی جانبازی سے لڑے۔ لیکن ترکوں کی جماعت زیادہ تھی۔ اس لیے ان

کی بہادری کچھ کام نہ آئی۔"

قیصر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کہا "تو جھوٹا ہے۔ او ناپاک کتے۔ ہمیں سب حالات معلوم ہو گئے۔ ترکوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ ہمارے لشکر سے آدھے بھی نہ تھے۔ مگر وہ بہادری سے لڑے اور تیری فوج بزدلی سے بھاگ آئی۔"

وزیر:۔ شہنشاہ کو صحیح حالات پہنچے ہوں گے۔ مجھ سے بیان کرنے والوں نے غلط بیان کیا۔

قیصر:۔ اسی فوج پر تجھے ناز تھا تو کیسا وزیر جنگ ہے جب تجھے یہ بھی تمیز اور پہچان نہیں کہ بہادر کیسے ہوتے ہیں اور بزدل کیسے۔ تو نے جو سپاہی فوج میں بھرتی کیے اور جو افسر مقرر کیے۔ وہ سب نامرد اور تیری طرح بزدل تھے۔ یہ ہزیمت تیری حماقت کی وجہ سے ہوئی بتا۔ تیرے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

وزیر تھر تھر کانپ رہا تھا معلوم ہوتا تھا۔ اسے جاڑا چڑھا ہوا ہے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میں قیصر کو یقین دلاتا ہوں کہ لشکر میں نے بھرتی نہیں کیا تھا۔ بلکہ میرے پیش رو کا بھرتی کیا ہوا تھا۔ اس میں میرا قصور بالکل نہیں ہے۔"

قیصر نے گرج کر کہا۔ ذلیل، کمینے ہمارے سامنے زبان درازی کرتا ہے۔ اگر تیرا بھرتی کیا ہوا نہیں تھا۔ تو کیا تیرا یہ فرض نہیں تھا کہ تو اس لشکر کو روانہ کرنے سے پہلے اس کے سپاہیوں کا امتحان کرے۔"

وزیر اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ خاموش رہ گیا۔ قیصر نے کہا۔ "ہے تیرے پاس اس کا کوئی جواب۔"

وزیر:۔ یہ میرا قصور ہے اور میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔

قیصر نے دانت پیس کر کہا "معافی ------- اچھا ہم حکم دیتے ہیں۔ تیرا سر اڑا دیا جائے۔"

وزیر اس زور سے کانپا کہ اس کے دانت بجنے لگے۔ وہ قیصر کے قدموں پر گر پڑا اور رو رو کر معافی مانگنے لگا۔ لیکن قیصر میکسلین کو اس پر بالکل بھی رحم نہ آیا۔ جلاد نے حاضر ہو کر وزیر

کا سر قلم کر دیا۔ قیصر نے کہا "ہم حکم دیتے ہیں اس کی عورتیں اور بچے لشکریوں کے حوالہ کر دیئے جائیں۔ اور اس کا تمام مال و اسباب لوٹ کر خزانہ میں جمع کر دیا جائے۔ شراب، شراب،"

وہ پیچھے کی طرف گر گیا۔ فوراً خدام نے جام شراب اس کے سامنے پیش کیا۔ وہ شیر مادر کی طرح غٹ غٹ پی گیا۔ شراب پیتے ہی اس کے جگر میں درد اٹھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے جگر پکڑ لیا۔ اور شراب مانگنے لگا۔ غلام اسے شراب پلاتے رہے۔ شاہی طبیب طلب کیے گئے۔ انھوں نے آکر دیکھا۔ ان کی آنکھیں غمازی کرتے لگیں کہ وہ قیصر کی زندگی سے ناامید ہو گئے ہیں۔ وزیر کی لاش ہٹا دی گئی۔ قیصر کو زنان خانہ میں پہنچا دیا گیا۔ اس کا علاج شروع ہوا۔ لیکن جوں جوں اس کا علاج ہوتا رہا۔ اس کی حالت خراب ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ چند ہی روز کے بعد مر گیا۔ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ میکسلین کو شکست کا ایسا صدمہ ہوا۔ کہ وہ چند ہی روز کے بعد مر گیا۔ اس کی جگہ روڈلف تخت نشین ہوا۔

باب ۲۹

عجیب درخواست

آسٹروی فوج کی ہزیمت اور ترکوں کی فتح کی خبر قسطنطنیہ میں بھی پہنچ گئی۔ جس نے بھی سنا خوشی سے اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ ایک دوسرے کو مبارک دینے لگا۔ چند ہی روز بعد معلوم ہوا کہ آسٹروی فوج کے افسروں کے سر اور قیدی آ رہے ہیں۔ ترکوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ خونخوار درندے جنہوں نے سرحد کے مسلمانوں کو نہایت سفاکی اور وحشیانہ بربریت سے ذبح کیا تھا۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے آ رہے ہیں۔ بہت سے ترکوں کو جوش آ رہا تھا۔ وہ اس فکر میں لگ گئے تھے۔ کہ قیدی جب قسطنطنیہ میں داخل ہوں تو ان کے سر

پتھروں سے کچل ڈالیں گے۔

یہ بات آسٹریا کے سفیر کو معلوم ہو گئی۔ سلطان مراد خاں سوم کی رحم دلی کی وجہ سے آسٹریا کا سفیر قید یا نظر بند نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آزاد تھا۔ اور حسب دستور اس کے اخراجات خزانہ شاہی سے ادا کیے جا رہے تھے۔ اس نے ترکی وزیر اعظم محمد سقلی پاشا سے درخواست کی کہ عیسائی قیدیوں کی حفاظت کا انتظام کر دیا جائے۔ محمد سقلی پاشا نے اسے اطمینان دلایا اور کہا۔ یہ میں جانتا ہوں کہ ترکوں کو اپنے سرحدی بھائیوں کے قتل کیے جانے سے جوش ہے غصہ ہے۔ لیکن وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس سے ان کی شقاوت قلبی ظاہر ہو اور اسلام کے دامن کو دھبہ لگے۔

چند ہی روز بعد عیسائی قیدی آگئے۔ محمد سقلی پاشا نے اعلان کر دیا تھا کہ مسلمان محتاط رہیں۔ قیدیوں کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچائیں اور نہ انہیں برا بھلا کہیں۔ مسلمانوں نے اس حکم پر پورا عمل کیا۔ انھوں نے انہیں ایذا پہنچانا اور برا بھلا کہنا تو درکنار ان سے یہ بھی نہ کہا کہ تم نے ہمارے محبوب بھائیوں پر کس قدر مظالم کیے ہیں۔

جب قیدی قسطنطنیہ میں آگئے تو ایک روز سلطان اور سلطانہ صفیہ کے ایوان میں پہنچے۔ پری جمال ملکہ نے جوش محبت سے ان کا استقبال کیا۔ اس نے اس روز بہترین قسم کا لباس پہن رکھا تھا۔ دوپٹہ میں سنہری بیل لگی ہوئی تھی۔ اور سونے کے چاند تارے ٹکے ہوئے تھے۔ اس کا لباس جھلملا رہا تھا۔ جواہرات کے زیورات سے چہرہ جگمگا رہا تھا۔ غضب کی شعلہ رو بنی ہوئی تھی۔ سلطان نے محبت بھری نظروں سے اس پری رو کو دیکھ کر کہا۔ "ہم دیکھ رہے ہیں ملکہ عالم نے آج ہمارے استقبال میں دستور سے زیادہ جوش ظاہر کیا ہے۔ کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔

صفیہ نے ناز بھری حسین چتونوں سے دیکھ کر دل کش تبسم کے ساتھ کہا۔ "جی ہاں"

سلطان:۔ ہم سکتے ہیں کیا وجہ ہے؟

صفیہ:۔ ابھی معلوم ہو جائے گی۔ ذرا تشریف رکھیے۔

سلطان ایک صوفہ پر بیٹھ گئے۔ کنیزوں کی پلٹنیں وہاں سے کافی فاصلہ پر کھڑی تھیں۔

کچھ کنیزیں ادھر ادھر گھوم پھر رہی تھیں۔ حسب معمول تمام کنیزیں ایسا اچھا لباس اور ایسے قیمتی زیورات پہنے تھیں جیسا امیروں کی عورتیں پہنتی تھیں۔ اور چونکہ سب کمسن کمان ابرو، غنچہ دہن اور حسین و جمیل تھیں۔ اس لئے شبستان (محلسرائے)، پرستان معلوم ہو رہا تھا۔

سلطان کے بیٹھتے ہی چند نہایت خوب صورت کنیزیں ادا و ناز سے بل کھاتی ہوئی چاندی کے خوان لیے جن میں قہوہ تھا بڑھیں اور بڑے ادب و سلیقہ سے سلطان کے سامنے پیش کیا۔ سلطان نے بغیر ان ماہ رو کنیزوں کی طرف دیکھے قہوہ کی پیالی اٹھالی۔ اور صفیہ کی طرف دیکھا۔ صفیہ نے بھی پیالی اٹھالی۔ اور دونوں گھونٹ گھونٹ پینے لگے۔

قہوہ پی کر پیالیاں بڑھائیں۔ کنیزوں نے دل کش انداز سے لیں۔ اور واپس لوٹ گئیں۔

سلطان نے کہا۔ "جان مراد! بتاؤ۔ آج ہمارے استقبال میں زیادہ جوش کا اظہار کیوں کیا ہے؟"

صفیہ:۔ ہماری ایک درخواست ہے۔

سلطان:۔ درخواست؟ مراد صفیہ کی پیاری زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو حکم سمجھتے ہیں۔"

صفیہ نے دل ربا نگاہوں سے سلطان کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔"

سلطان:۔ کہیے! کیا حکم ہے۔؟

صفیہ: عرض یہ ہے کہ آسٹری اور جرمنی قیدی میدان جنگ سے گرفتار ہو کر آئے ہیں۔

سلطان نے ایسی نگاہوں سے جن سے پایا جاتا تھا کہ خلاف توقع یہ گفتگو چھڑ گئی ہے ملکہ کو دیکھ کر کہا۔ "ہاں آئے ہیں۔"

صفیہ:۔ وہ شاید عنقریب ہی دربار میں اعلیٰ حضرت کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

سلطان:۔ کل دربار ہے۔ اور اس دربار میں قیدی پیش ہوں گے۔

صفیہ:۔ ان قیدیوں کے متعلق کچھ ہم عرض کریں۔

سلطان :- کہو۔

صفیہ :- آپ کو معلوم ہے۔ ان سفاکوں نے مسلمانوں پر مظالم کیئے ہیں۔

سلطان :- معلوم ہے۔

صفیہ :- انہیں سزائے موت دی جائے۔

سلطان کو تعجب اور خوشی دونوں ایک ساتھ ہوئیں۔ انہوں نے کہا "ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ایک زمانہ تک عیسائی رہی ہو۔ عیسائی قیدیوں کی سفارش کرو گی"۔

صفیہ :- ہمیں ندامت اور افسوس ہے کہ ہم اس قوم میں پیدا ہوئیں جو بڑی سفاک اور ظالم ہے۔ جو عورتوں اور بچوں کو بھی ذبح کر ڈالتی ہے۔ لیکن خدا کا شکر ادا کرتی ہیں کہ اب اس قوم میں آگئی ہوں جو بڑی رحم دل اور نرم مزاج ہے۔ ہمیں ان وحشی عیسائی قیدیوں پر اس وقت سے غصہ ہے جب سے ہم ان کی بربریت کے انسانیت سوز واقعات سنے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے کیا ہے۔ اس کی سزا انہیں ضرور ملنی چاہیئے۔

سلطان :- اطمینان رکھو۔ انہیں سزا دی جائے گی۔

صفیہ نے محبت بھری نظروں سے سلطان کو دیکھ کر شوخی سے کہا۔ "شکریہ"۔

سلطان مسکرانے لگے۔ دوسرے روز دربار میں قیدی پیش کیئے گئے۔ سلطان نے ان کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔

۱۴:

باب ۱۴

سلطان کی رحمدلی

جرمن کے سفیر کو جب علم ہوا کہ باب عالی کے دربار سے قیدیوں کے قتل کا حکم صادر

ہو گیا ہے۔ تو اسے بڑا فکر ہوا۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ اس حکم میں اس سلطانہ صفیہ کا ہاتھ ہے جس کا عیسائی نام لیفوبے اور جو دختر وینس ہے۔ تو اسے اور بھی افسوس ہوا۔ اس نے اپنی حکومت کو ان واقعات کی اطلاع دی۔ چونکہ میکسلمین مر گیا تھا۔ اور روڈلف تخت نشین ہوا تھا۔ روڈلف کو اپنی قوم کی طرف سے یہ اطمینان نہیں ہوا تھا کہ اس کی بادشاہی کو سب قبول و منظور کر لیں گے۔ اس لیئے وہ ترکوں سے صلح کا خواہش مند تھا۔ اس نے سفیر کو جس طرح بھی ممکن ہو سلطان کو قیدیوں کا زرفدیہ لے کر رہا کرنے پر رضامند کیا جائے اور صلح کی بھی کوشش شروع کر دی جائے۔

سفیر کو سلطان کے حضور میں کچھ عرض کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ یہ بات تمام قلمرو میں مشہور ہو گئی تھی کہ سلطانہ صفیہ کا کہنا سلطان بہت مانتے ہیں۔ سلطانہ صفیہ ہی کے ایماء پر قیدیوں کے قتل کا حکم صادر ہوا تھا۔ اب اس حکم میں ترمیم کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

لیکن سفیر بڑا چالاک اور زمانہ شناس تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ محمد سقلی پاشا وزیر اعظم بہت بوڑھے اور زیرک ہیں۔ سلطان ان کا کہنا بھی بہت مانتے ہیں۔ وہ تحائف گراں بہا لے کر وزیر اعظم کی خدمت میں پہنچا۔ چونکہ جرمنی نے بلاوجہ جنگ شروع کر دی تھی۔ اور جرمنوں نے سفاکانہ بربریت کی تھی۔ اس لیئے یہ سفیر مقہور بارگاہ سلطانی تھا۔ ایسے لوگوں کی وقعت بالکل باقی نہ رہتی تھی۔ چنانچہ اس سفیر کو بھی لوگ نہایت تحقیر کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ بڑی مشکل سے اس کی رسائی وزیر اعظم تک ہوئی۔ اس نے وزیر کے سامنے تحائف پیش کیئے۔ محمد سقلی پاشا نے نرمی سے کہا۔ تم جانتے ہو کہ تمہاری قوم نے مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کیئے ہیں۔ سلطان تم سے اور تمہاری قوم سے سخت ناخوش ہیں۔ میری ساری قوم ہی تم سے بیزار ہے۔ میں تمہارا کوئی تحفہ قبول نہیں کر سکتا"۔

سفیر نے نہایت عاجزی سے کہا۔ "مجھے اس بات کا افسوس بھی ہے اور رنج بھی کہ میری قوم نے بڑی ہی سفاکی کی ہے۔ لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمان رحم اور اخلاق کے پیکر ہوتے ہیں۔ وہ درگزر کرنا جانتے ہیں۔ میں ایک عرض داشت لایا ہوں"۔

محمد سقلی پاشا: ۔کہو۔

سفیر: ۔سلطان نے قیدیوں کے قتل کا حکم صادر فرما دیا ہے۔ تاریخیں اس بات سے بھری پڑی ہیں کہ مسلمانوں نے بڑے بڑے دشمنوں کو معاف کر دیا ہے میری درخواست ہے کہ مہربانی کریں۔ قیدیوں کی جان بخشی کی سفارش فرمائیں۔ اور ان کا زرِ فدیہ لے کر رہا کرا دیں۔

محمد سقلی پاشا نے حیرت سے سفیر کو دیکھ کر کہا۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ملکہ بحر و بر حضرت علیہ سلطانہ صفیہ کے ایما پر قیدیوں کے قتل کا حکم سلطان نے صادر فرمایا ہے"۔

سفیر: ۔مجھے یہ علم ہے۔ لیکن میں اس بات کو بھی جانتا ہوں کہ سلطان المعظم ترکی کے وزیرِ اعظم کا کہنا بھی بہت مانتے ہیں۔

محمد سقلی پاشا: ۔یہ درست ہے۔ لیکن میں ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔

سفیر: ۔میں آپ کی انسانیت اور شرافت سے اپیل کرتا ہوں۔

محمد سقلی پاشا: ۔میں مجبور ہوں۔

سفیر: ۔خیال کیجئے۔ انسانی جانیں کس قدر قیمتی ہوتی ہیں۔

محمد سقلی پاشا دفعتاً برہم ہو گئے۔ انہوں نے کہا: "کیا وہ مسلمان انسان نہیں تھے جنہیں تمہاری قوم کے درندوں نے ذبح کیا"۔

سفیر سہم گیا۔ لیکن وہ تھا بڑا موقع شناس۔ اس نے فوراً ہی کہا: "یہ صحیح ہے کہ میری قوم نے درندگی کی انسانیت کو بٹہ لگایا۔ خدا نے انہیں ذلیل کر دیا۔ لیکن سوچئے اگر ان قیدیوں کو قتل کر دیا گیا تو دنیا کیا کہے گی۔ یہی تا کہ عیسائیوں نے مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کیے اور مسلمانوں نے قیدیوں سے انتقام لیا"۔

تیر نشانہ پر بیٹھا۔ محمد سقلی پاشا سوچنے لگے۔ انھوں نے سر اٹھا کر کہا: "اچھا ہم سفارش کریں گے"۔

سفیر خوش ہو گیا۔ اس نے شکریہ ادا کیا۔ اور پھر تحائف پیش کر کے کہا۔ "انہیں قبول کر کے مجھے شکر گزاری کا موقع دیجئے"۔

محمد سقلی پاشا: ۔نہیں میں تحائف قبول نہیں کر سکتا۔

سفیر چلا گیا۔ اسی روز وزیر اعظم سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عیسائی قیدیوں کی جان بخشی کی سفارش کی۔ سلطان خفا ہو گئے۔ انھوں نے کہا: "کیا عیسائیوں نے مسلمانوں کو ذبح نہیں کیا ہے؟"

محمد سقلی پاشا: ۔ضرور کیا ہے۔ انہوں نے بربریت اور درندگی کی ہے۔ ان کی سزا قتل ہے۔ لیکن خدا نے درگزر کا بھی حکم فرمایا ہے۔ انتقام لینے سے معاف کرنا بہتر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی طینت ہی یہ ہے کہ جب دشمن اس کے سامنے جھک جاتا ہے۔ عاجزی کرنے لگتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔

سلطان: ۔مگر ہم ان کے قتل کا حکم صادر کر چکے ہیں۔

محمد سقلی پاشا: ۔سلطان اپنا حکم واپس لے سکتے ہیں۔ بے رحموں اور سفاکوں کو انسانیت اور رحمدلی کی تعلیم دینے کے لیے معاف کرنا ضروری ہے۔

سلطان: ۔مگر ملکہ عالم شاید معافی پر تیار نہ ہوں۔

محمد سقلی پاشا: ۔اگر اعلیٰ حضرت ان سے فرمائیں گے۔ تو وہ ضرور تیار ہو جائیں گی۔

سلطان: ۔اچھا: ہم کل صبح حکم صادر کریں گے۔

سلطان نے رات کو ملکہ سے ذکر کیا۔ صفیہ بہت بگڑیں۔ انھوں نے کہا۔ "درندوں کو جب تک سزا نہ دی جائے گی، درندگی سے باز نہ آئیں گے۔ مسلمانوں کی جان بڑی قیمتی اور مسلمان کا خون بڑا بیش قیمت ہے"۔

سلطان نے انہیں سمجھایا۔ بہت دیر کے بعد وہ راضی ہوئیں۔ صبح کو سلطان نے حکم صادر کر دیا کہ قیدیوں کو زرِ فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام قیدیوں کا زرِ فدیہ سفیر نے داخل کر دیا اور وہ رہا کر دیئے گئے[1]۔

---

[1] از تاریخ عالم اسلام جلد چہارم صفحہ ۵۱۲

باب ۱۲

ہنگری کی نازنین

ترکی لشکر مقام کرد پا سے آسٹروی قیدیوں اور افسروں کے سر قسطنطنیہ روانہ کرنے کے بعد آہستہ آہستہ پیش قدمی کرنے لگا۔ اس لشکر کے تمام افسر نہایت قابل اور ہوشیار تھے۔ وہ نہایت اہتمام اور انتظام کے ساتھ بڑھ رہے تھے۔ احمد پاشا جو اس فوج کے افسر اعلیٰ تھے۔ بڑے دانش مند تھے۔ انھوں نے لشکر کو ہنگری کے علاقہ میں اس طرح پھیلا دیا تھا کہ ایک دستہ دوسرے سے چند ہی میل کے فاصلہ پر رہے۔ دور نہ جائے۔ تاکہ ضرورت کے وقت تمام لشکر پھر ایک جگہ جمع ہو سکے۔

ان دستوں نے ادھر ادھر پھیل کر پیش قدمی شروع کی۔ اکثر قلعوں میں جرمنی فوجیں موجود تھیں لیکن کرد پا کی ہزیمت سے عیسائیوں میں ترکوں کا کچھ ایسا رعب و خوف چھا گیا تھا کہ جب کسی قلعہ کی عیسائی فوج کو معلوم ہوتا کہ ترکی لشکر قریب آگیا ہے تو وہ از خود قلعہ اور قلعہ کی توپیں اور جنگی سامان چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ ترک آسانی سے بلا کسی مزاحمت کے قلعہ پر قبضہ کر لیتے تھے۔

روڈلف نے جرمن میں تخت نشین ہوتے ہی ترکوں کے یلغار کو روکنے کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ اس لشکر کے افسروں کو یہ ہدایت کی کہ لڑنا نہیں بلکہ ترکوں کی پیش قدمی کو روک دینا اور جنگ کو ٹالتے رہنا۔

اگرچہ یہ لشکر بھی حملہ آور ترکوں سے تعداد میں دوگنا تھا۔ مگر ترکوں کی فتوحات کی خبریں سن کر اس پر ہیبت چھا رہی تھی۔ اور جب اس لشکر کے افسروں کو معلوم ہوا کہ ترکوں نے اپنے دستے چاروں طرف پھیلا دیئے ہیں تو وہ سخت متفکر ہوئے۔ انہیں یہ بات تو مناسب نہیں معلوم ہوئی کہ

اپنی فوج بھی چاروں طرف پھیلا دیں۔ وہ ایک ہی جگہ رہے اور احمد پاشا کی طرف بڑھنے لگے۔

احمد پاشا نے آسٹروی اور جرمنی کی خبریں معلوم کرنے کے لیے اپنے جاسوس بھیج دیئے تھے۔ جاسوسوں نے ایک روز اطلاع دی کہ آسٹروی لشکر ہنگری کی سرحد پر آکر مقیم ہو گیا ہے۔ احمد پاشا نے اپنے لشکر کے بکھرے ہوئے دستوں کو اپنے پاس جمع ہونے کا حکم بھیج دیا۔

روڈلف نے ایک طرف تو ترکوں کو روکنے کے لیے لشکر بھیجا اور دوسری طرف ایک سفارت صلح کی درخواست کے ساتھ سلطان روم کی خدمت میں روانہ کی۔ اور اپنے اس سفیر کو جو قسطنطنیہ میں رہتا تھا۔ یہ ہدایت کی کہ جس طرح بھی ممکن ہو صلح کی کوشش کرے۔

جو دستے ہنگری کے ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک دستہ کے افسر نسیم بک تھے۔ انہوں نے بھی ایک قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا اور اس قلعہ کی حفاظت کا معقول انتظام کر کے ایک اور قلعہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک روز وہ ایک میدان میں مقیم تھے۔ انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہاں سے قریب چند ہی میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس شہر کا رئیس کرپس نامی ایک نوجوان ہے۔ اس نوجوان کی ایک بہن ہے۔ جس کا نام مرتھا ہے۔ وہ اس قدر حسین اور پری جمال ہے کہ اس کے حسن کی شہرت تمام یورپ میں ہے۔ صورت بھی ایسی دلکش پائی ہے کہ جو اس پری رو کو ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے۔ دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ جدید قیصر جرمنی روڈلف بھی اس نازنین پر فریفتہ ہے لیکن روڈلف کی شادی ہو چکی ہے اور اسے بطور داشتہ کے رکھنا چاہتا ہے۔ اس بات کو نہ تو مرتھا ہی منظور کرتی ہے۔ اور نہ اس کا بھائی کرپس قبول کرتا ہے۔

نسیم بک نے مرتھا کے افسانے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ البتہ شہر پر قبضہ کرنے کی انہیں دامن گیر ہوئی۔ انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ شہر میں فوج نہیں ہے۔ وہ پچاس جانباز دوں کو ساتھ لے کر عصر کی نماز کے بعد اپنے کیمپ سے چلے۔ شہر وہاں سے تین یا چار میل کے فاصلہ پر تھا۔ یہ سب لوگ گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کو دلکی چھوڑ دیا۔ بہت تھوڑے عرصہ میں انھوں نے کئی میل طے کر لیے۔ اب وہ شہر کے مضافات میں پہنچ گئے۔ یہ شہر انگوروں کے باغات سے گھرا ہوا تھا۔ راستہ کے دونوں طرف باغوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ نسیم بک اپنے رکابی سواروں سے

ایک فرلانگ کے قریب آگئے تھے۔ انھوں نے چلتے چلتے چیخ کی آواز سنی۔ وہ حیران ہوئے۔ پھر چیخ کی آواز آئی۔ وہ جلدی سے باغ کے اندر گھس گئے۔ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ انہیں چند عیسائی سوار نظر آئے جو ایک لڑکی کو اٹھا کر گھوڑے پر سوار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

نسیم بک نے یہ سمجھا کہ وہ سوار بحری ڈاکو ہیں جو کسی کو اس کی مرضی کے خلاف زبردستی اٹھا لے جانا چاہتے تھے۔ انہیں جوش آگیا۔ وہ بحری ڈاکوؤں سے ایسی ہی عداوت رکھتے تھے جیسی مور سانپ سے رکھتا ہے۔ انہوں نے کڑک کر کہا "خبردار"۔

ایک دم عیسائیوں اور لڑکی نے نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ لڑکی کو دو عیسائی پکڑے گھوڑے پر سوار کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ ایک دم تڑپی اور دونوں عیسائیوں کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نسیم بک کی طرف بھاگی۔ نسیم بک جلدی سے گھوڑے سے نیچے اتر گئے۔ لڑکی ان کی آغوش میں آگری۔ اس وقت اس کا چہرہ سرخ ہو کر بالکل گلاب کے پھول کی طرح ہو گیا تھا۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ اس نے شاید کوئی عطر لگا رکھا تھا۔ جس کی بھینی بھینی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

نسیم بک نے اس کی کمر کے ہاتھ پکڑ کر کہا کرتے ہوئے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ اب یہ درندے تمہارا کچھ نہیں کر سکتے"۔

عیسائیوں نے جلدی سے بندوقیں ہاتھوں میں لیں۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ فیر کریں۔ نسیم بک نے جلدی سے فیر کیا۔ ایک عیسائی کی کنپٹی میں گولی لگی۔ وہ چکرا کر گرا۔ اوروں پر ہیبت چھا گئی۔ وہ جلدی جلدی گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگ گئے۔

ابھی تک نسیم بک نے لڑکی کو اچھی طرح نہیں دیکھا تھا۔ اب جبکہ عیسائی سوار بھاگ گئے تو انہوں نے لڑکی کی طرف نظر کی۔ وہ نہایت حسین تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں بجلیاں گرا رہی تھیں۔

اس نے شیریں لہجہ میں کہا "آپ کا شکریہ! آپ نے مجھے بڑی مصیبت سے بچایا"۔

نسیم بک نے اس کے پھول سے رخساروں کو دیکھ کر کہا "تمہارا نام کیا ہے"؟

نازنین نے جواب دیا "میرا نام مرتھا ہے"۔

نسیم مرتھا کا نام سن کر چونکے۔ انھوں نے کہا "کیا تم کرلیس کی ہمشیرہ ہو؟"

مرتھا نے حیرت بھری نظروں سے نسیم بک کو دیکھ کر کہا "جی ہاں۔ مگر آپ مجھے کس طرح

جانتے ہو۔"

نسیم بک: "تمہیں کون نہیں جانتا۔ جب سارا یورپ غائبانہ تم سے واقف ہے تو میں کیوں واقف نہ ہوتا۔"

مرتھا: "اس وقت حضرت مسیح نے تمہیں میری مدد کے لیے بھیجدیا۔"

نسیم بک: "حضرت مسیح نے نہیں۔ خدا نے۔"

مرتھا نے دل فریب نگاہوں سے نسیم بک کو دیکھ کر کہا۔ "ہاں خدا نے"۔

اس وقت گولیاں چلنے کی آواز آئی۔ مرتھا نے تعجب خیز نظروں سے نسیم بک کی طرف دیکھا انہوں نے کہا۔ "تعجب نہ کرو۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان بھگوڑے عیسائیوں کا مقابلہ میرے ہمراہیوں سے ہو گیا ہے"۔

مرتھا کان لگا کر سننے لگی۔ گولیوں کی چند آوازوں کے ساتھ خوفناک چیخیں سنائی دیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔

باب

نسیم بک کی مروت

مرتھا نے حسین آنکھیں اٹھا کر نسیم بک کو دیکھا۔ ان کے سینہ میں تیر سا لگا۔ اس نے دریافت کیا "آپ کون ہیں؟"

نسیم بک: "میں ایک ترک ہوں۔"

مرتھا: "یہ بات تو آپ کے لباس سے ہی ظاہر ہے۔"

نسیم بک:۔ اور کیا پوچھتی ہو؟

مرتھا۔ آپ شاید اس لشکر کے سردار ہیں جو اس طرف بڑھا آ رہا ہے۔

نسیم بک: یہی بات ہے۔ یہ عیسائی سوار کیا بحری ڈاکو ہیں۔

مرتھا: نہیں۔

نسیم بک:۔ اور کون تھے؟

مرتھا:۔ یہ قیصر جرمنی روڈلف کے وہ خونخوار درندے تھے جو کسی کا بھی پاس آبرو نہیں کرتے۔

نسیم بک:۔ میں سمجھا۔ شاید روڈلف نے انہیں تمہیں زبردستی اٹھا لانے پر مقرر کیا تھا۔

مرتھا۔ جی ہاں۔

نسیم بک: لیکن تم روڈلف سے بھاگتی کیوں ہو۔ وہ آسٹریا اور جرمنی کا قیصر ہے تمہاری ہر آرزو پوری کر سکتا ہے۔

یہ کہہ کر انھوں نے حسین مرتھا کو دیکھا۔ اس کا چہرہ جوش اور غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "وہ بڑا بدکار ہے۔ میں اس کے پاس جانے سے مرجانا اچھا سمجھتی ہوں۔"

اس وقت کئی ترک سوار وہاں آ گئے۔ انہوں نے ان میں سے ایک شخص کو مخاطب ہو کر دریافت کیا۔ "ارشد! یہ گولیاں کیسی چل رہی تھیں۔"

ارشد ادھیڑ عمر کے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "ہم نے باغ میں گولی چلنے کی آواز سنی۔ ہم سب دوڑتے ہوئے۔ فوراً ہی چند عیسائی سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے باغ میں سے نکلے۔ ہمیں خوف ہوا کہ انہوں نے آپ کو دشمنوں کو تو گولی کا نشانہ نہیں بنایا۔ ہم سب ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان پر فیر کیئے۔ وہ گولیاں کھا کر گرے۔ دو آدمی بھاگ نکلے۔ ہم نے ان کا تعاقب کیا۔ ان میں سے ایک کو مار ڈالا۔ ایک بھاگ گیا۔ ہم فوراً واپس ہوئے اور آپ کو تلاش کرتے یہاں آ پہنچے۔"

نسیم بک:۔ اور لوگ کہاں ہیں؟

ارشد:۔ اس باغ کے دوسرے حصہ میں آپ کو تلاش کرنے لگے ہیں۔

نسیم بک: تم میں سے تو کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

ارشد۔ خدا کے فضل سے ہم سب سلامت رہے۔

نسیم بک:۔ اچھا تم سب کو جمع کر لاؤ۔

ارشد اور ان کے ساتھی چلے گئے۔ نسیم بک نے مرتھا سے دریافت کیا۔ "غالباً یہ باغ تمہارا ہے۔"

مرتھا:۔ جی میرے بھائی کا ہے۔

نسیم بک: تم یہاں تنہا آئی تھیں۔

مرتھا:۔ میں روزانہ تنہا ہی آیا کرتا ہوں۔ آج ہی آئی تھی۔

نسیم بک:۔ اچھا اب کوئی خطرہ نہیں رہا۔ اب تم جا سکتی ہو۔

مرتھا۔ کیا آپ میرے بھائی سے نہ ملیں گے۔

نسیم بک: تم شاید یہ نہیں جانتی ہو کہ ہم اس نواح کے علاقہ پر قبضہ کر رہے ہیں۔

مرتھا۔ میں جانتی ہوں۔

نسیم بک: میں کل مع لشکر کے تمہارے شہر میں آؤں گا۔

مرتھا:۔ آپ شہر میں چل کر بھائی جان سے ملتے۔ اور یہ اطمینان رکھیئے کہ شہر کے عیسائی کسی خاندان کے محسن کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکیں گے۔ میں اس کی ذمہ داری لیتی ہوں۔

نسیم بک:۔ مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے۔

مرتھا نے دل فریب لہجہ میں کہا۔ "تو چلئے۔"

نسیم بک انکار نہ کر سکے۔ تیار ہو گئے۔ مرتھا نے کہا۔ ایک ذرا ٹھہر جایئے۔ میں اپنا گھوڑا لے آؤں۔"

مرتھا چلی گئی اور تھوڑی دیر میں گھوڑے پر سوار ہو کر آئی۔ نسیم بک بھی سوار ہوئے۔ ارشد تمام سواروں کو جمع کر لائے۔ یہ سب لوگ آہستہ آہستہ چلے۔ باغ سے نکلے۔ شہر کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ یہ لوگ چل کر شہر میں داخل ہوئے۔ شہر کے عیسائی ترکوں کو دیکھتے ہی خوفزدہ ہو جاتے۔ مگر جب مرتھا کو ان کے ساتھ دیکھتے تو مطمئن سے نظر آنے لگتے۔

مرتھانے ان لوگوں کو ساتھ لے کر اپنے محل پر پہنچی۔ نہایت شاندار محل تھا۔ کئی سپاہی دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے۔ مرتھانے انہیں اشارہ کیا۔ وہ ترکوں کے گھوڑے پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ نسیم بک اور ان کے ہمراہی مرتھا کے ساتھ ہی گھوڑوں سے اترے۔ اور محل کے اندر داخل ہوئے۔ ایک طرف ایک بارک سی بنی ہوئی تھی۔ مرتھانے ترکوں کو وہاں کرسیوں پر بٹھایا اور نسیم بک کو ساتھ لے کر عمارت کے اندر داخل ہوئے۔ ایک خوش نما کمرہ میں انہیں بٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک نوجوان عیسائی فاخرہ لباس پہنے آیا۔ یہ مرتھا کا بھائی کرلیس تھا۔ وہ بڑے تپاک سے ان سے ملا۔ جب دونوں بیٹھ گئے۔ تو کرلیس نے کہا" میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری بہن کو روڈلف کے درندوں سے بچایا۔

نسیم بک:۔ یہ میرا انسانی فرض تھا۔

کرلیس:۔ مسلمان جن کی بابت ہمیں بتایا جاتا ہے کہ بڑے ظالم، سفاک اور لٹیرے ہیں۔ جب ان سے سابقہ پڑتا ہے تو وہ اس کے برعکس ثابت ہوتے ہیں۔ اور عیسائی جو رحم و مہربانی کے پیکر بتائے جاتے ہیں۔ خونخوار درندے بن جاتے ہیں۔

نسیم بک:۔ تمام عیسائی بھی ایک سے نہیں ہیں۔

کرلیس:۔ یہ ممکن ہے۔ لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔ اس بدبخت روڈلف کو دیکھو عمر سے پرے کھنچ گیا ہے۔ لیکن بدکاری کا یہ عالم ہے کہ بہت سی نوخیز لڑکیوں کی آبرو لے چکا ہے۔

نسیم بک:۔ مگر قوم نے ایسے بدکار اور بدمعاش شخص کو بادشاہ کیوں بنایا۔

کرلیس:۔ قوم میں امیروں کی چلتی ہے۔ امیر خود بدکار اور عیاش ہوتے ہیں۔ انہیں اپنی بدکاری پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک بدکار شخص ہی کو بادشاہ بنانا ضروری ہے۔

اسی وقت مرتھا لباس بدل کر آ گئی۔ وہ اور بھی شعلہ جوالہ معلوم ہونے لگی۔

نسیم بک نے کہا۔ مجھے آپ سے نیاز حاصل ہو گیا۔ اب اجازت دیجئے"

کرلیس:۔ مجھے معلوم ہے۔ آپ اس شہر پر قبضہ کرنے آئے ہیں۔ میں یہاں کا رئیس ہوں یہ شہر کی کنجیاں آپ کے حوالے کرتا ہوں"

اس نے کنجیاں میز پر رکھ دیں۔ نسیم بک نے کہا۔ میں واقعی شہر پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے آیا تھا لیکن آپ جیسے نیک دل انسان کا دل دکھانا نہیں چاہتا۔ مجھے یقین ہے۔ آپ سلطنت عثمانیہ کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے"

کرلیس:۔ میں آج سے اپنے آپ کو سلطنت عثمانیہ کی رعایا خیال کروں گا۔

نسیم بک:۔ تب کنجیاں اٹھا لو۔

کچھ دیر اور بیٹھ کر نسیم بک وہاں سے چلے آئے۔ اور اگلے روز شہر کے قریب جا کر مقیم ہو گئے۔ کرلیس نے کئی روز تک لشکر کی دعوت کی۔

باب

صلح

روڈلف قیصر جرمنی نے جب دیکھا کہ ترکوں کی پیش قدمی کسی طرح نہیں۔ تو اس نے ایک سفارت بیش قیمت تحائف دے کر صلح کی درخواست کے ساتھ سلطان کی خدمت میں قسطنطنیہ روانہ کی۔

جب یہ سفارت قسطنطنیہ میں پہنچی تو کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ سلطان سے اس کا تذکرہ کرے۔ سلطان قیصر جرمنی کا نام سنتے ہی بھڑک اٹھتے تھے۔ جرمنی سفیر تمام وزیروں سے ملے۔ ان سے سفارش کی درخواست کی مگر انہوں نے سفارش کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر یہ سفیر محمد صقلی پاشا وزیر اعظم سے ملے اور ان سے اپنی خواہش کی۔ انھوں نے نہایت نرمی سے کہا۔ "تم یورپ کے لوگوں کے دماغوں میں خلل ہے۔ تم ایسے خونخوار درندے ہو۔ جو صرف خون چاٹنا ہی جانتے ہو۔ سلطان نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ یا تو وہ اپنے یورپی مقبوضات سے دست بردار ہو کر وہاں کے مسلمانوں کو ان مقامات سے نکال کر ایشیا میں لا بسا دیں گے

یا جرمنی کی حکومت کو ختم کر دیں گے۔ ان سے صلح کے متعلق کچھ کہنا لاحاصل ہے۔"

سفیروں نے ہر چند عاجزی کی۔ بہت کچھ کہا سنا۔ لالچ بھی دینا چاہا۔ لیکن محمد سقلی پاشا نے توجہ ہی نہ کی۔ سفیروں نے یہ حالات قیصر روڈلف کو لکھ دیئے۔ ادھر محمد سقلی پاشا نے احمد پاشا سپہ سالار مہم جرمنی کو ہدایت کی کہ وہ جلد ہنگری کے علاقہ پر قبضہ کر کے آسٹریا میں گھس جائیں اور فتوحات کے پرچم اڑاتے ہوئے جرمنی کے پایہ تخت تک پہنچ جائیں۔

جوں ہی یہ حکم احمد پاشا کے پاس پہنچا۔ انہوں نے اپنے تمام ماتحت افسروں کے نام ہدائیتیں جاری کر دیں۔ سب نے تیزی سے پیش قدمی شروع کی۔ نسیم بک نے کرلیس سے کہا میرے لیے آگے بڑھنے کا حکم آ گیا ہے۔ اب کوئی ترک پیچھے نہیں رہ سکتا۔ مجھے بھی آگے بڑھنا ہے۔ میں مشکور ہوں کہ آپ نے میری بہت زیادہ مدارت کی۔ اب میں اجازت چاہتا ہوں۔"

کرلیس کو بڑا افسوس ہوا۔ اس نے کہا۔ جب تک تم سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ اس وقت تک میں یہ سمجھتا تھا کہ ترک وحشی اور خونخوار ہوتے ہیں۔ ہمیں عالم طفلی میں ہی تعلیم دیجاتی ہے۔ بڑے ہو کر ہمارے دماغوں میں یہ بات اور بھی گھر کر جاتی ہے۔ اور ہم ترکوں سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اب جبکہ تم سے ملاقات ہوئی۔ میل جول بڑھا تو معلوم ہوا کہ قطعی لغو اور جھوٹی باتیں ہمارے ذہن نشین کرائی جاتی ہیں۔ شاید اس وجہ سے کہ ہم مسلمانوں سے ربط ضبط بڑھائیں۔ ان کی خوبیوں سے واقف نہ ہوں۔ ان سے ڈرتے رہیں۔ ان سے مل جل نہ سکیں۔ ملکی مصلحت کی بنا پر ایسا کیا جاتا ہے۔ آپ جا رہے ہیں۔ ہم روک بھی نہیں سکتے لیکن ایک وعدہ لینا چاہتے ہیں۔

نسیم بک:۔ کیسا؟

کرلیس:۔ جب آپ اپنے وطن واپس جائیں تو یہاں ضرور آئیں۔ میں اور میری بہن مرتھا قسطنطنیہ دیکھنے کے بڑے آرزومند ہیں۔ اگر آپ گوارا کریں گے تو ہم دونوں آپ کے ساتھ چلیں گے۔

نسیم بک:۔ مجھے آپ دونوں کو ساتھ چلنے سے بڑی خوشی ہوگی۔

"کہاں لے چلنے کی سے خوشی ہوگی؟" مرتھا کی شیریں آواز آئی۔ وہ بنی سنوری مخشر بداماں

آ رہی تھی۔ آتے ہی نسیم بک کے پاس بیٹھ گئی۔ کرلیس نے کہا۔ "نسیم بک رخصت ہو رہے ہیں۔"

یہ سنتے ہی مرتھا کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے کہا۔ کیا یہ خفا ہو گئے ہیں ہم سے۔" کرلیس خفا نہیں ہوئے بلکہ بندگی اور بے چارگی والا مضمون ہے۔ ملازم ہیں۔ ان کے رسالہ کو پیش قدمی کرنے کا حکم ہے۔ انہیں آگے بڑھنا ضروری ہے۔

یا تو وہ بشاش اور مسکراتی ہوئی آئی تھی۔ یا افسردہ اور پریشان ہو گئی۔ اس نے کہا۔ "اس سے تو اچھا تھا کہ تم یہاں آتے ہی نہ نسیم بک۔"

نسیم بک:۔ میں اپنے اختیار سے نہیں آیا۔ قدرت لائی اور قدرت ہی لے جا رہی ہے بقول شخصے کہ ؎

نہ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں آپ دونوں سے رخصت ہو رہا ہوں۔ اگر میرا بس ہوتا تو ابھی میں رہ جاتا لیکن ہم مجاہد ہیں۔ جہاد کرنے گھر سے نکلے ہیں۔ ہمارے افسر کا حکم آگے بڑھنے کا آ گیا ہے اس لیے جانا ضروری ہے۔"

کرلیس:۔ مرتھا! انہوں نے پھر واپس آ کر مجھے اور تمہیں دونوں کو اپنے ہمراہ قسطنطنیہ لے چلنے کا وعدہ کر لیا ہے۔

مرتھا خاموش ہو گئی۔ خوشی سے اس کا چہرہ چمکنے لگا۔ اس نے بچوں کی سی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ سچ ہے۔"

نسیم بک نے اس حوروش کی حسین آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "ہاں! میں نے یہ وعدہ کیا ہے۔"

مرتھا:۔ مجھے قسطنطنیہ دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔

نسیم بک:۔ انشاءاللہ تم قسطنطنیہ ضرور دیکھو گی۔

اسی روز نسیم بک اپنا دستہ لے کر روانہ ہو گئے۔ وہ تمام دستے جو ہنگری کے ملک میں بکھر گئے تھے۔ احمد پاشا کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اب احمد پاشا تیزی سے بڑھے۔ انھوں نے ہنگری کے تمام ملک پر قبضہ کر کے آسٹریا پر دھاوا بول دیا۔ اگرچہ آسٹروی لشکر

نے قدم قدم پر ان کی مزاحمت کی لیکن وہ عیسائیوں کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے آسٹریا کا بڑا حصہ فتح کر لیا۔

روڈلف قیصر جرمنی یہ دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے دُوَلِ یورپ سے مدد کی درخواست کی لیکن ترکوں سے ٹکر لینے کو کوئی بھی سلطنت تیار نہ ہوئی۔ کسی میں اتنی جراُت اور طاقت ہی نہ تھی کہ ترکوں کا مقابلہ کرتی۔ سب کان دبا گئے۔

جب روڈلف نے دیکھا کہ کوئی اس کی مدد کو تیار نہیں۔ سب ترکوں سے ہچکتے اور دبتے ہیں۔ تو اس نے ایک سفارت اور قسطنطنیہ بھیجی اور محمد سقلی پاشا کو ایک خط لکھا جس میں نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ وہ کوشش کر کے صلح کرا دیں۔

محمد سقلی پاشا نے اس خط کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں کی۔ روڈلف نے کئی عاجزانہ خطوط اور لکھے۔ آخر وزیراعظم پگھل گئے۔ انھوں نے مناسب موقع دیکھ کر سلطان کے سامنے روڈلف کی درخواست پیش کی۔ سلطان برہم ہو گئے۔ انھوں نے کہا۔ "یہ وحشی انسان صلح چاہتے ہیں۔ خونخوار درندے کیا اس بات کو بھول گئے کہ انھوں نے بے گناہ مسلمانوں کو ذبح کیا ہے۔ انہیں انسانیت کا سبق دینا ہے۔ ابھی جنگ بند نہیں کی جا سکتی۔"

محمد سقلی پاشا کو پھر کچھ عرض کرنے کی جراُت نہ ہوئی۔ احمد پاشا برابر فتوحات کرتے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ آسٹریا کا دارالسلطنت خطرہ میں پڑ گیا۔ روڈلف نے پھر سفارت پر سفارش اور درخواستوں پر درخواستیں پہنچانی شروع کیں۔ محمد سقلی پاشا کی بہت کچھ خوشامد کی۔ بوڑھے وزیراعظم کو اس عاجزی پر بڑا رحم آیا۔ پھر انھوں نے سلطان سے سفارش کی۔ سلطان نے کہا۔ "آسٹریا فتح ہونے کے بعد۔ جرمنی سامنے ہے۔ اس حکومت کو جو بار بار مسلمانوں کو تکلیف پہنچاتی ہے ختم ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔"

محمد سقلی پاشا نے عرض کیا۔ "دشمن زیر ہو گیا ہے۔ عاجزی کر رہا ہے۔ اس کی درخواست قبول کر لیجئے۔ اسے بہت کچھ سبق مل چکا ہے۔ اب وہ کبھی مسلمانوں کو ستانے کی جراُت

---

۱ از تاریخ آلِ عثمان جلد اول

نہ کرے گا۔"

سلطان:۔ تم ان عیسائی کی طینت سے واقف نہیں ہو۔ یہ مسلمانوں سے قلبی عداوت رکھتے ہیں مسلمانوں کو پیس ڈالتے اور جب دب جاتے ہیں تو عاجزی کرنے لگتے ہیں۔

محمد سقلی پاشا:۔ خدا کا شکر ہے کہ ظلم و ستم کی ابتدا، عیسائیوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے نہیں۔ دنیا انہیں ہی سفاک اور ظالم کہتی ہے۔ خدا نے مسلمانوں کو درگزر کرنے کا حکم دیا ہے۔ روڈلف کو معاف کر دیجئے۔

سلطان:۔ ہم معاف کرنے کو تیار ہیں۔ اگر وہ یہ اقرار کر لے کہ آئندہ کبھی کسی مسلمان کو نہ ستائے گا۔ اور مسلمانوں سے کبھی جنگ نہ کرے گا۔

محمد سقلی پاشا:۔ اس سے حلف اٹھوا کر یہ اقرار کرا لیا جائے گا۔

سلطان:۔ اچھا! اس سے اقرار کرا لو۔

محمد سقلی پاشا:۔ کیا عارضی طور پر جنگ بند کر دی؟

سلطان:۔ ہاں! محاذ جنگ پر فرمان بھیج دو کہ پیش قدمی ملتوی کر دیں۔

محمد سقلی پاشا نے اسی وقت احمد پاشا کے نام حکم صادر کر دیا کہ عارضی طور پر جنگ ملتوی کر دی جائے۔ اور روڈلف کو لکھا کہ وہ حلف اٹھا کر اقرار کرے کہ آئندہ کسی مسلمان کو نہ ستائے گا۔ حکومت عثمانیہ کا وفادار رہے گا۔ باب عالی کے مخالفوں سے کبھی ساز نہ کرے گا۔ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کبھی ہتھیار نہ اٹھائے گا۔

روڈلف سخت عاجز آ گیا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ پرجوش مسلمان اس کی قلمرو پر قبضہ کرتے بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ اس کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ اس کا شیرازہ منتشر ہو گیا تھا۔ اس میں مقابلہ کی قوت باقی نہ رہی تھی۔ اس نے حلف نامہ لکھ کر روانہ کر دیا۔ محمد سقلی پاشا نے یہ حلف نامہ سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے کہا۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ روڈلف اپنے اقرار پر قائم نہ رہے گا۔ لیکن ہم خدا کے فرمان کے بموجب کہ اگر تم معاف کر دو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ اسے معاف کرتے ہیں۔"

چنانچہ یکم جنوری ۱۵۷۷ء کو آٹھ سال کے لیے صلح ہو گئی۔ قیصر کے پیہم اصرار اور

عاجزی پر صلح ہوئی

باب ۱۴

خصوصی مراعات

اب ہمیں کچھ حالات وینس کے بیان کرنے ہیں۔ خصوصاً لیفو کے والد اسٹیفن کے۔ اسٹیفن کو اپنی بیٹی لیفو سے بڑی محبت تھی۔ جب بحری ڈاکو ڈریسن اسے چرا لایا اور صبح کو اس چوری کا حال اسٹیفن کو معلوم ہوا تو اسے بڑا صدمہ ہوا۔ اسے کسی طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس کی پری زاد بیٹی کو بحری ڈاکو چرا کر لے گئے ہیں۔ اس وقت حکومت وینس کا بیڑا بھی اچھا اور مضبوط تھا۔ اگرچہ ایسا نہیں تھا کہ بحری قزاقوں کے بیڑہ کا مقابلہ کر سکتا مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ ان کے مقابلہ سے بھاگ آتا۔

اسٹیفن بڑا امیر کبیر تھا۔ اس کی رسائی حکومت تک تھی۔ اس نے حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور حکمران سے لیفو کے چرا لے جانے کا حال بیان کیا۔ لیفو کو وینس کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ حکمران نے اظہار ہمدردی کیا اور اس نے فوراً امیر البحر کو طلب کر کے قزاقوں کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ امیر البحر نے کئی جہاز روانہ کیے۔ ان میں بحری فوج بھیجی اور کافی توپیں اور سامان حرب بار کر دیا۔ بحری بیڑہ بڑے کروفر سے روانہ ہوا۔

اِدھر یہ بیڑا روانہ ہوا۔ اُدھر تمام وینس میں بحری ڈاکوؤں کے لیفو کو چرا لے جانے

لے از تاریخ عالم اسلام جلد چہارم صفحہ ۵۱۵

کی خبر مشہور ہو گئی۔ اسٹیفن کے عزیز اور دولت مند، آشنا اور شناسا جوق در جوق اس سے اظہار ہمدردی کرنے کے لیے آنے لگے۔ چند روز کے بعد وہ جہاز جو ڈاکوؤں کے پیچھے لیفو کو چھڑانے کے لیے گئے تھے۔ واپس آ گئے۔ ان جہازوں کے افسروں نے بیان کیا کہ تحقیقات سے یہ پتہ چلا ہے کہ ڈریسن ڈاکو لیفو کو چرا کر لے گیا تھا۔ لیکن ابھی وہ اپنے مستقر پر نہیں پہنچا تھا۔ بحر روم ہی میں تھا کہ ایک بڑے ترکی جہاز سے اس کا مقابلہ ہو گیا۔ ڈریسن اور تمام ڈاکو مارے گئے۔ ترک لیفو کو گرفتار کر کے قسطنطنیہ لے گئے۔

اسٹیفن کو اور بھی رنج ہوا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ڈاکو حریص زر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی بیٹی کے فدیہ میں جس قدر زر ڈاکو مطلب کریں گے۔ ادا کر کے چھڑا لے گا۔ لیکن اب اس کی یہ امید بھی جاتی رہی۔ وینس کے بادشاہ نے اپنے اس سفیر کو جو قسطنطنیہ میں رہتا تھا۔ اور باب عالی کے دربار میں شرکت کیا کرتا تھا۔ لکھا کہ اسٹیفن کی حسین و کافر ادا لڑکی لیفو کو ڈاکو چرا کر لے گئے تھے معلوم ہوا ہے کہ ترک ڈاکوؤں کو قتل کر کے اس مہ پارہ کو قسطنطنیہ لے گئے ہیں۔ اس کے فدیہ میں جس قدر دولت ترک طلب کریں گے۔ وہ ادا کرے اور اسے واپس لے کر حفاظت سے کسی بڑے جہاز میں سوار کرا کر یہاں بھیج دو۔"

سفیر نے چند مہینوں کے بعد اطلاع دی کہ لیفو حفستان (محل سرائے شاہی) میں داخل ہو گئی ہے۔ اور ترکی شاہی محلسرا کا یہ قانون ہے کہ جو لڑکی یا عورت وہاں داخل ہو جاتی ہے وہ واپس نہیں آ سکتی۔ باب عالی سے اس کے متعلق عرض کرنا بے سود ہے۔"

اگرچہ اسٹیفن کو اس سے کچھ ملال ہوا۔ لیکن یہ خوشی بھی ہوئی کہ شاید اس کی بیٹی ترکی شاہی حرم سرائے میں کوئی عہدہ حاصل کر لے۔ جس سے اس کی سلطان تک رسائی ہو سکے۔ اسے فوراً اپنی قوم کے فلاح و بہبود کا خیال آ گیا۔ اس نے سوچا۔ اگر لیفو نے سلطان تک رسائی حاصل کر لی تو ممکن ہے حکومت وینس کو سلطنتِ عثمانیہ میں بعض خصوصی مراعات مل جائیں۔ وینس کے بادشاہ کو بھی یہی خیال ہوا۔ چنانچہ بادشاہ نے سفیر کو لکھا کہ لیفو کے حالات معلوم کر کے لکھتا رہے۔ سفیر جو حالات اسے معلوم ہوتے لکھتا رہتا۔

ایک روز سفیر نے اپنے بادشاہ کو یہ اطلاع دی کہ لیفو پر شاہزادہ مراد فریفتہ ہو گئے

ہیں۔اب لیفو کے لیے دو ہی باتیں ممکن ہیں۔ یا تو وہ مسلمان ہو کر شاہزادہ سے شادی کر لے یا اگر مسلمان نہ ہو تو کنیز بنا کر کسی شاہزادی کو دے دی جائے۔اس خبر کو سن کر وینس کا بادشاہ اور اسٹیفن دونوں بہت خوش ہوئے۔اسٹیفن نے کہا: "میں جانتا تھا کہ میری بیٹی ایسی خوب صورت ہے کہ سلطان بادشاہ زادہ کو اپنی طرف مائل کر لے گی۔ آخر وہی ہوا۔اب اس کی عقلمندی یہی ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ اگر وہ مسلمان ہو کر شاہزادہ کے نکاح میں آگئی تو جب شاہزادہ مراد سلطان ہوں گے تو وہ سلطنتِ عثمانیہ کی ملکہ بن جائے گی۔کس قدر خوشی کا وقت ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ فرطِ مسرت سے جھوم گیا۔اس وقت تمام یورپ کے عیسائی اس فکر میں رہتے تھے کہ ان کی حسین و مہ جبین لڑکیاں خفستان (شاہی محلسرا) میں داخل ہو کر کچھ اقتدار حاصل کر لیں تاکہ وہ اپنی قوم اور اپنے ملک کو فائدہ پہنچا سکیں۔ایک عیسائی مورخ کو عیسائیوں کی یہ بات سخت ناگوار گزری ہے۔چنانچہ اس نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ "عیسائی بے حس اور بے غیرت ہو گئے تھے کہ اپنی پری جمال بیٹیوں کو برائے نام قیمت لے کر ترکوں کے ہاتھ اس امید پر فروخت کر دیتے تھے کہ وہ عثمانی قصر میں داخل ہو کر کوئی اقتدار حاصل کر لیں تاکہ اپنی قوم اور ملک کو فائدہ پہنچا سکیں۔وہ دنیاوی فائدہ کو مدنظر رکھتے تھے۔ مذہب سے کوئی سروکار نہ تھا۔انہیں اس بات کا ذرہ بھی افسوس نہیں ہوتا تھا کہ ان کی بیٹیاں مسلمان ہو جاتی تھیں اور مسلمان ہو کر عیسائیوں کے بجائے مسلمانوں کی طرف داری کرتی تھیں۔"

چند ہی روز کے بعد سفیر نے اطلاع دی کہ لیفو نے عقلمندی کی۔ وہ مسلمان ہو گئی ہے۔اس کا اسلامی نام صفیہ رکھا گیا۔اور شاہزادے مراد سے اس کی شادی ہو گئی۔ اسٹیفن کو یہ خبر سن کر اس قدر خوشی ہوئی کہ اس نے ایک عام اور پر تکلف دعوت کی۔ گویا اس نے اپنی بیٹی کی شادی کی ہے۔تمام عیسائیوں نے اسے مبارک باد دی۔

جب شاہزادہ مراد تخت نشین ہوئے اور لیفو سلطنتِ عثمانیہ کی ملکہ بن گئی تو یورپ کے اکثر بادشاہوں نے اسٹیفن کو مبارک باد دی۔ اسٹیفن بھی خوشی سے پھول گیا۔کچھ عرصہ کے بعد وینس کے بادشاہ اسانے اسٹیفن سے مل کر ایک سفارت سلطان روم کی خدمت میں وینس

حکومت وینس کے لیے خصوصی مراعات حاصل کرنے کے لیے روانہ کی۔اس سفارت کے ساتھ سلطان اور لیفو (سلطانہ صفیہ) کے لیے نہایت قیمتی تحائف بھیجے۔

یہ سفارت اول محمد سقلی پاشا وزیراعظم سے ملی۔اور ان کے توسل سے سلطان کے حضور میں باریاب ہوئی۔تحائف پیش کیے اور مراعات کی غرض داشت بھی حضور میں گزاری۔سلطان نے تحائف قبول کر لیے۔سفیروں کو شاہی مہمان خانہ میں لے جانے کا حکم دیا۔اور خود وہ عرض داشت لے کر خفستان میں داخل ہوئے۔اور سلطانہ صفیہ کے پاس پہنچے۔

سلطان صفیہ نہایت ہی بیش قیمت پوشاک پہنا کرتی تھی۔اس کا لباس ایسا اچھا ہوتا تھا کہ اس کے حسن میں اور چار چاند لگ جاتے تھے۔حقیقت یہ ہے کہ سلطانہ صفیہ تھی ہی بہت حسین۔ وہ سادہ لباس میں بھی پری معلوم ہوتی تھی اور جب اچھا لباس اور اچھے زیورات پہن لیتی تو رشکِ حور معلوم ہونے لگتی تھی۔اسے لباس میں خوشبو بسانے کا بھی بڑا شوق تھا۔وہ جس جگہ ہوتی تھی خوشبو سے وہ جگہ معطر ہو جاتی تھی۔

اس نے حسبِ عادت بڑے تپاک سے سلطان کا خیر مقدم کیا۔سلطان کو دیکھ کر اس کے چہرہ پر سرخی جھلک آتی تھی اور آنکھوں میں دل کش چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ سلطان نے کہا۔"بتاؤ جانے پاس کیا ہے؟"

صفیہ نے دل ربا نگاہوں سے سلطان کو دیکھ کر قدرے شوخی کے انداز میں کہا۔"ہم غیب دان نہیں ہیں۔"

سلطان نے وینس کے بادشاہ کی عرض داشت جیب سے نکال کر ملکہ کے سامنے کر کے کہا: "لو پڑھو۔" یہ عرض داشت ترکی زبان میں تھی۔اگرچہ سلطان یورپ کی بہت سی زبانیں جانتے تھے۔ترکی ان کی مادری زبان تھی۔عربی اور فارسی میں بھی روانی کے ساتھ گفتگو کر لیتے تھے۔ لیکن حکم یہ تھا کہ جو عرض داشتیں کسی ملک سے آئیں وہ ترکی زبان میں ہوں۔غیر ملکی زبانوں کی عرض داشتوں پر وہ توجہ نہ کرتے تھے۔

سلطانہ صفیہ نے بھی ترکی زبان اس قدر حاصل کر لی تھی کہ وہ بے تکلف اس زبان میں گفتگو کر لیتی تھیں اور لکھ پڑھ لیتی تھیں۔انھوں نے بڑھ کر مسکراتے ہوئے سلطان کو دیکھ کر

کہا ”پڑھ لیا۔“

سلطان :۔ تمہارے والد کیا چاہتے ہیں۔

صفیہ :۔ جو وہ چاہتے ہیں۔ اس عرض داشت میں لکھا ہے۔

سلطان :۔ تمہاری کیا منشا رہے ؟

صفیہ :۔ جو اعلیٰ حضرت کی منشا رہے۔

سلطان :۔ ہم تمہاری زبان سے سننا چاہتے ہیں۔

صفیہ : میری گزارش یہ ہے کہ یہ عرض داشت منظور کر لی جائے۔

سلطان :۔ ہم منظور کرتے ہیں۔

صفیہ نے دل کش انداز سے حسین نگاہوں سے سلطان کو دیکھ کر کہا۔ ”جلالت مآب کا شکریہ۔“

سلطان نے دوسرے روز سفیروں کو بلا کر عرض داشت کے منظور ہونے کی اطلاع دے دی۔ سلطان نے حکومت وینس کو جو مراعات[1] عطا کیں۔ وہ یہ تھیں۔

۱ :۔ اہل وینس کو قلمرو عثمانیہ میں تجارت کی عام آزادی ہوگی۔

۲ :۔ وینس کی تجارتی مال پر جو قلمرو عثمانیہ میں آئے گا۔ کوئی محصول نہ لیا جائے۔

۳ :۔ وینس کا جو تجارتی مال قسطنطنیہ لایا جا رہا ہو اور اسے بحری عیسائی قزاق لوٹ لیں تو گورنمنٹ عثمانیہ اس مال کی مالیت خزانہ عامرہ سے ادا کرے گی۔

۴ :۔ جو دوسری عیسائی سلطنتیں بھی حکومت وینس کا جھنڈا اپنے جہازوں پر لگا کر تجارت کریں گی۔ انہیں بھی تجارت کی اجازت دے دی جائے گی۔“

یہ ایسی مراعات تھیں جو اس وقت سے پہلے کسی ترکی سلطان نے کسی سلطنت کو ابتدائے آفرینش سے آج تک بھی دی ہیں۔ اس سے سلطنتِ عثمانیہ کو کئی نقصان پہنچے۔ ایک تو یہ کہ حکومت وینس نے اپنے تجارتی مال پر جو محصول دیتی تھی۔ وہ بند ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ

[1] از تاریخ عالم اسلام جلد چہارم ص ۱۳۱

دوسری حکومتوں نے حکومت وینس کو اس کا محصول کا جو وہ اپنے مال پر سلطنت عثمانیہ کو ادا کرتیں۔ نصف ادا کر کے اس کا جھنڈا اپنے جہازوں پر لگا کر تجارت شروع کر دی۔ ان ملکوں سے جو تجارتی مال پر محصول کی آمدنی تھی۔ وہ جاتی رہی۔ تیسرا نقصان یہ پہنچا کہ وینس سے جو جہاز تجارت کا مال لے کر بحر روم کے راستہ سے آتا تھا۔ اسے بحری ڈاکو لوٹ لیتے تھے۔ ان ڈاکوؤں سے ان جہازوں کو بچانے کے لیے عثمانی بیڑہ کو بحرہ روم میں ہر وقت نقل و حرکت کرنی پڑی۔ جس سے اخراجات بہت بڑھ گئے۔

لیکن سلطان نے یہ تمام نقصانات لغو یعنی سلطانہ صفیہ کی خوشنودی خاطر کے لیے برداشت کیے۔ تمام مسلمان مورخ سلطان کے اس غیر دانشمندانہ مراعات عطا کرنے سے ناراض ہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ محبت میں نفع اور نقصان کا خیال نہیں ہوا کرتا۔ وہاں تو محبوب کی خوشی مدنظر رہتی ہے۔

باب

حکومت انگلستان کی درخواست

سلطان نے جو وینس کو خوش کرنے کے لیے حکومت وینس کو جو مراعات عطا کیں۔ ان سے اس چھوٹی سی سلطنت کو بڑا بھاری فائدہ پہنچا۔ ایک تو یہ کہ تجارتی جہاز کی حفاظت کے لیے جنگی جہاز بھی بھیجا جاتا تھا۔ جس سے تجارت کے مال پر بہت زیادہ خرچ بڑھ جاتا تھا۔ سلطان کے یہ وعدہ کر لینے پر کہ اگر بحری ڈاکو وینس کے تجارتی جہاز کو لوٹ لیں گے تو گورنمنٹ عثمانیہ اس کی قیمت ادا کرے گی۔ وینس کے تجارتی جہاز کے ساتھ جنگی جہاز کی

روانگی بند کردی گئی تھی۔ دوسرے تجارتی مال پر حکومت عثمانیہ جو ٹیکس لیتی تھی وہ منسوخ کر دیا گیا تھا۔ تیسرے بلا روک ٹوک تجارت کی عام اجازت ہو گئی تھی۔ چوتھے غیر ممالک کے تاجر جو وینس کا جھنڈا اپنے جہازوں پر لگا لیتے تھے۔ انہیں بھی قلمروِ عثمانیہ میں تجارت کی آزادی تھی۔ ایسے تاجر حکومت وینس کو جھنڈا لگانے کے صلہ میں کافی دولت دینے لگے تھے۔

وینس کی ایک پری رخسار کی بدولت حکومت وینس ہی کو نہیں بلکہ وینس کے تاجروں کو بھی کافی فائدہ پہنچا۔ سلطانہ صفیہ یعنی بفو کے باپ اسٹیفن کو سب تاجروں زیادہ نفع رہا۔ کیوں کہ اس آمدنی کا کچھ حصہ اسے مفت ملنے لگا۔ اسے بڑی خوشی ہوئی کہ اس کی بیٹی پارس پتھر ثابت ہوئی۔

ان حالات اور واقعات کو سن کر یورپ کے ہر بادشاہ اور ہر ملک کے باشندوں کے مونہوں میں پانی بھر آیا۔ انہوں نے فتنہ روزگار حسین و جمیل لڑکیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قسطنطنیہ بھیجنی شروع کر دیں۔ جو جہاز آتا اس میں دس بیس تو خیز اور پری چہرہ لڑکیاں ضرور آتیں۔ کھیپوں پہ کھیپیں آنے لگیں۔ اور گل رخان یورپ سے قسطنطنیہ کے کوچہ و بازار بھر گئے۔ ان لڑکیوں میں سے بعض نے تو آوارگی اختیار کر لی۔ بعض پاشاؤں کی محل سرا میں داخل ہونے کے لیے ملازمت کی متلاشی ہوئیں۔ بعض پاشاؤں کے ہاتھ برائے نام قیمت لے کر فروخت کر دی گئیں۔

ان لڑکیوں کو لانے والوں کا مطلب یہ تھا کہ ان کے ملک کی لڑکی ایسا اقتدار حاصل کرے۔ جیسا بفو نے کر لیا ہے۔ تاکہ اس کی وجہ سے ان کے ملک کو بھی ویسا ہی فائدہ پہنچے جیسا وینس کو پہنچا ہے۔

تعجب اور حیرت تو یہ ہے کہ اہل یورپ نے ننگ و ناموس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ملک کی حسین لڑکیوں کو اپنے حرص و آز کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ اس زمانہ میں انگلستان کی فرماں روا ملکہ الزبتھ تھی۔ اگرچہ جہازوں کے بیڑے پہلے سے بھی تھے۔ بحری فوج بھی تھی لیکن معمولی جہاز ران تھے۔ کوئی زبردست بیڑہ نہیں تھا۔ پھر بھی انگریز غیر ممالک میں تجارت کرتے تھے۔ چنانچہ جب ملکہ الزبتھ نے دیکھا کہ وینس کی ایک حسینہ کی بدولت وینس سلطنت عثمانیہ سے

بڑی مراعات حاصل ہو گئی ہیں تو اس نے باب عالی کی خدمت میں ایک درخواست بھیجی جس کا ماحصل یہ تھا کہ انگریزی قوم کو بھی انگریزی جھنڈا کے نیچے تجارت اور جہاز رانی کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ یہ درخواست محمد سقلی پاشا وزیر اعظم کے ذریعہ سے کی گئی تھی۔ انگریزی سفیر نے یہ کوشش کی کہ اس درخواست کا علم دوسری سلطنتوں کے سفیروں کو نہ ہو۔ کیوں کہ اس وقت عام طور پر اہل یورپ انگریزوں سے کھٹکتے رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ نہایت چالاک ہیں جب کہیں پنجے جما لیتے ہیں تو پھر اکھاڑنا نہیں جانتے۔

لیکن یہ درخواست چھپی نہ رہ سکی۔ رفتہ رفتہ دوسرے سفیروں کو معلوم ہوا۔ چنانچہ فرانس اور وینس کے سفیروں نے سخت مخالفت کی۔ اس کی مخالفت کی زیادہ تر وجہ یہ تھی۔ کہ ان دونوں ممالک کے فرانس اور وینس کے سفیروں ہو گئی تھی کہ ان کے جھنڈے کسی ملک کے تجارتی جہازوں پہ لگا کر تجارت کر سکتے تھے۔ چونکہ اس سلطانی رعایت سے ان دونوں سلطنتوں کو بڑا فائدہ پہنچ رہا تھا۔ اب تیسری سلطنت برطانیہ کو بھی یہ رعایت ملنے سے ان دونوں سلطنتوں کو نقصان پہنچتا تھا۔ اس لیے ان دونوں سلطنتوں کے سفیروں نے سخت مخالفت شروع کر دی تھی۔ اور یہ کوشش کرنے لگے تھے کہ محمد سقلی پاشا وزیر اعظم ملکہ الزبتھ کی درخواست سلطان المعظم کے حضور میں پیش نہ کریں۔

لیکن محمد سقلی پاشا کے نزدیک تمام عیسائی یکساں تھے۔ اس لیے انھوں نے ملکہ کی درخواست ایک روز دربار میں سلطان مراد خاں سوم کے حضور میں پیش کر دی۔ وینس اور فرانس کے سفیروں نے سلطان سے عرض کیا کہ "جو مراعات باب عالی نے دو سلطنتوں وینس اور فرانس کو عطا کی ہیں اگر وہی مراعات دوسری حکومتوں کو بھی عطا ہوئیں تو ان مراعات کی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہے گی۔ اس لیے ان مراعات کو عام نہیں کرنا چاہیئے۔"

ایلزبتھ ملکۂ انگلستان کے سفیر نے کہا۔ "تاجدارِ عثمانیہ کی نگاہوں میں تمام قومیں اور ساری سلطنتیں برابر ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ دربارِ عثمانیہ سے کسی خاص حکومت کو خصوصی تعلقات کی بنا پر خصوصی مراعات عطا ہو جائیں۔ لیکن ہم اس رعایت کے طالب ہیں جو دو حکومتوں وینس اور فرانس کو حاصل ہو چکی ہیں۔ ہماری درخواست یہ ہے کہ انگریزی قوم کو بھی انگریزی

جھنڈا کے نیچے تجارت اور جہاز رانی کی اجازت عطا فرمائی فرمائیے"۔

سلطان کی تینوں سفیروں کی عرض داشتیں سن کر فرمایا۔ "ہم نے تمہاری درخواستیں سنیں۔ ہم یہ بات علی الاعلان کہے دیتے ہیں۔ کہ باب عالی کے دروازے ان تمام قوموں اور سلطنتوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں جو اس کی حمایت حفاظت میں آنا چاہیں۔ ہم ایلزبتھ ملکہ انگلستان کی درخواست منظور کرتے ہیں"۔

انگریزی سفیر کو سلطان المعظم کے اس حکم سے بڑی مسرت ہوئی۔ وہ دونوں ہاتھ سینہ پر لگا کر رکوع سے زیادہ جھک گیا اور سلطان کا شکریہ ادا کیا۔ سلطان نے کہا "ہم جانتے ہیں کہ حکومت انگلستان کمزور ہے۔ لیکن ہم کمزوروں کی مدد کیا کرتے ہیں۔ ملکہ سے کہہ دینا کہ سلطنت عثمانیہ اس کی ہر ممکن مدد کرنے کو تیار رہے گی"۔

انگریزی سفیر پھر اظہار شکر گزاری کے لیے جھکا۔ اور اس نے پھر شکریہ ادا کیا۔

باب ۴۶

ملکہ انگلستان کی عرضداشت

جس زمانہ کے واقعات ہم قلمبند کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں یورپ میں عیسائیوں کی مذہبی چپقلش شروع ہو گئی تھی۔ یوں تو حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھا لینے کے بعد ہی سے عیسائیوں میں کئی فرقے ہو گئے تھے۔ اور ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ فرقے اور

۱؎ از تاریخ عالم اسلام جلد چہارم صفحہ ۵۱۸۔

بڑھ گئے تھے۔ ان فرقوں میں بڑا فرقہ رومن کیتھولک تھا۔ یہ فرقہ دنیا بھر میں پھیلا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک اور فرقہ پیدا ہوا۔ یہ فرقہ پراٹسٹنٹ تھا۔ اس فرقہ والے رومن کیتھولک والوں کو بت پرست کہتے تھے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ کیتھولک گرجوں میں حضرت مریم، حضرت عیسیٰ اور دوسرے سینٹوں اور ولیوں کی تصویریں اور مجسمے اور عیسائی ان کے احترام ان کے سامنے جھکتے اور انہیں سجدہ تک کرتے ہیں۔ ان سے دعائیں مانگتے ہیں پراٹسٹنٹ گرجوں میں نہ کوئی تصویر ہوتی ہے۔ نہ مجسمہ ہے کہتے ہیں۔ پراٹسٹنٹ فرقہ کی تحریک مسلمانوں کی توحید دیکھ کر ہوئی۔ ان دونوں فرقوں یعنی کیتھولک اور پراٹسٹنٹ میں بڑی دشمنی پیدا ہو گئی تھی۔ پراٹسٹنٹ والوں نے ہزاروں کیتھولک والوں کو بری طرح ذبح کر ڈالا۔ یہ آگ ملک ملک میں بھڑک اٹھی۔

سولہویں صدی عیسوی میں ملک اسپین میں کیتھولک فرقہ تھا۔ اسپین کا بادشاہ فلپ تھا۔ وہ بھی کیتھولک فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی سلطنت بڑی قوی تھی۔ بحری بیڑہ نہایت مضبوط تھا۔ اور انگلستان والے پراٹسٹنٹ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انگلستان کی ملکہ ایلزبتھ تھی۔ وہ پراٹسٹنٹ تھی۔ اس کی حکومت کچھ زیادہ قوی نہ تھی۔ اور بحری بیڑا تو برائے نام ہی تھا۔

ان دونوں ملکوں یعنی اسپین اور انگلستان میں مذہبی مناقشہ شروع ہو گیا اور وہ روز بروز ترقی کرنے لگا۔ آخر اس قدر بڑھا کہ اس نے جنگ شر صورت اختیار کر لی۔ فلپ نے جو اسپین کا بادشاہ تھا۔ ایلزبتھ ملکہ انگلستان کو جنگی دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ اور ملکہ انگلستان کو مرعوب کرنے کے لیے اسپین بیڑہ انگلستان پر حملہ کی تیاری کرنے لگا۔

ایلزبتھ کو فلپ کی تیاری کی خبر سن کر بڑی پریشانی ہوئی۔ اس نے یورپ کی سلطنتوں پر نظر ڈالی۔ اس زمانہ میں اسپین کا بحری بیڑہ اس قدر قوی تھا کہ کسی عیسائی سلطنت کو اسپین سے ٹکر لینے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ہر حکومت ڈرتی تھی کہ اسپینی بحری بیڑہ جس ملک پر بھی حملہ کر دے گا۔ اسے فتح کیے بغیر واپس نہ لوٹے گا۔ آخر ملکہ انگلستان کی نظر عثمانی تاجدار پر پڑی۔ اس زمانہ میں ترکوں کا بحری

بیڑہ اس قدر شاندار اور قوی تھا کہ اسپین جیسے کئی بیڑوں کو تباہ کرسکتا تھا۔ ایلزبتھ نے سل
مراد خاں سوم سے مدد لینے کا ارادہ کیا۔ لیکن ملکہ کو سلطان سے براہ راست خط وکتا
کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس نے نہایت عاجزی سے محمد سقلی پاشا وزیر اعظم سلطنت عث
سے درخواست کی۔ کہ وہ سلطان کو انگلستان کی مدد پر آمادہ کریں۔

وہ زمانہ ترکوں کے عروج کا تھا۔ یورپ کے معمولی حکمران تو عثمانی وزیر اعظم سے خط و
کتابت کرتے ڈرتے تھے خیال کرتے تھے کہ کہیں وزیر اعظم کی شان میں کوئی لفظ خلاف ادب
تحریر نہ ہو جائے۔ اور بڑے بڑے بادشاہ سلطان کو کچھ لکھتے۔ سوئے ادب کی وجہ سے
ہچکچاتے تھے۔ یہ خیال کرتے تھے کہ کہیں سلطان ان کی تحریر کو ادب و شان کے خلاف سمجھ کر
ناخوش نہ ہو جائیں۔ اس لیے وہ عثمانی وزیر اعظم کو مخاطب کرتے تھے۔

کیا خدا کی شان ہے کہ ترکوں کا اس قدر عروج تھا کہ یورپ کے بڑے سے بڑا حکمران
سلطان کو کچھ لکھتے ڈرتا تھا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ترک خدا پرست تھے۔ نماز پڑھتے
تھے۔ خدا کو یاد کرتے تھے۔ خدا ان پر مہربان تھا۔ دنیا بھر میں ان کی عزت و وقعت تھی۔

ایک جرمن مورخ نے اپنی تاریخ کی انتالیسویں جلد میں وہ تمام خطوط درج کیے ہیں جو
ایلزبتھ ملکہ، انگلستان نے عثمانی وزیر اعظم اور سلطان المعظم کو لکھے پہلا خط ۱۵ نومبر ۱۵۸۶ء
کو مقام ونڈسر سے لکھا گیا۔ یہ خط لاطینی زبان میں تھا۔ محمد سقلی پاشا وزیر اعظم کے نام لکھا تھا
اس خط میں لکھا تھا۔

فلپ شاہ اسپین کے دماغ میں دنیا بھر میں حکومت کرنے کا خبط سمایا ہے۔ اس نے
بحری بیڑہ کو ترقی دینی شروع کر دی ہے۔ اس نے سب سے پہلے انگلستان پر حملہ کرنے
کا ارادہ کیا ہے۔ براہ کرم کوشش کیجیے کہ اس وقت سلطان المعظم ہماری مدد کریں۔ اگر وہ
ہماری مدد پر آمادہ ہو جائیں تو فلپ کا دماغ درست ہو جائے اور اسے انگلستان پر حملہ کرنا
تو کیا اس کی طرف دیکھنے کی جرأت بھی جرات نہ ہو۔"

محمد سقلی پاشا نے اس کا جواب نہایت اختصار کے ساتھ یہ دیا کہ میں موقع دیکھ کر بارگاہ
عالی کی خدمت میں آپ کی درخواست پیش کر دوں گا۔ لیکن اچھا ہو کہ آپ بھی سلطان المعظم

کی خدمت میں ایک درخواست روانہ کر دیں۔"

اس زمانہ میں آمد و رفت کی وہ سہولتیں نہ تھیں جو اس زمانہ میں ہیں۔ انگلستان سے
قسطنطنیہ تک آنے جانے میں بڑا وقت لگتا تھا۔ پھر یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ باہر سے آنے
والوں کو وزیر اعظم کی خدمت میں فوراً ہی باریابی ہو جائے۔ کئی کئی مہینے انتظار کرنا پڑتا تھا۔
چنانچہ ملکہ انگلستان کا خط عرصہ دراز کے بعد محمد سقلی پاشا کے پاس پہنچا تھا۔ اور انہوں نے
اس کا جواب دیا تھا۔

اس خط کے جانے اور جواب آنے میں ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ ملکہ الزبتھ نے ۹ نومبر
۱۵۷۷ء کو سلطان المعظم کے نام عرض داشت لکھی۔ اس میں لکھا "عالی جاہ! اسپین کا بادشاہ
فلپ جو بت پرست ہے۔ آئین بت پرستی کو ترویج دینے کے لیے انگلستان پر حملہ کرنا چاہتا
ہے۔ اسلام بت پرستی کی اجازت نہیں دیتا۔ شاہ فلپ کا یہ بھی ناپاک ارادہ ہے کہ رفتہ رفتہ
تمام یورپ پر قبضہ کر لے اور سارا یورپ ہڑپ کر لینے کے بعد اس کی قوت بڑھ جائے تو سلطنت
عثمانیہ سے بھی ٹکر لے۔ اگرچہ یہ اس کی خام خیالی ہے لیکن فخر و غرور نے اسے اندھا کر دیا ہے
براہ کرم آپ اپنے خوفناک بحری بیڑہ کو میری مدد کے لیے بھیج دیجیے۔"

یہ عرض داشت ملکہ الزبتھ نے اپنے چند معتمدوں کے ہاتھ قسطنطنیہ روانہ کی۔ اور
انہیں ہدایت کر دی کہ وہ اس عرض داشت کو سفیر انگلستان کے حوالہ کریں اور سفیر خود پیش
کرے۔ ملکہ کے معتمد اس عرض داشت کو لے کر روانہ ہو گئے۔

بیڑہ اس قدر شاندار اور قوی تھا کہ اسپین جیسے کئی بیڑوں کو تباہ کر سکتا تھا۔ ایلزبتھ نے سلطان مراد خاں سوم سے مدد لینے کا ارادہ کیا۔ لیکن ملکہ کو سلطان سے براہ راست خط و کتابت کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس نے نہایت عاجزی سے محمد سقلی پاشا وزیر اعظم سلطنت عثمانیہ سے درخواست کی۔ کہ وہ سلطان کو انگلستان کی مدد پر آمادہ کریں۔

وہ زمانہ ترکوں کے عروج کا تھا۔ یورپ کے معمولی حکمران تو عثمانی وزیر اعظم سے خط و کتابت کرتے ڈرتے تھے خیال کرتے تھے کہ کہیں وزیر اعظم کی شان میں کوئی لفظ خلاف ادب تحریر نہ ہو جائے۔ اور بڑے بڑے بادشاہ سلطان کو کچھ لکھتے۔ سوئے ادب کی وجہ سے ہچکچاتے تھے۔ یہ خیال کرتے تھے کہ کہیں سلطان ان کی تحریر کو ادب و شان کے خلاف سمجھ کر ناخوش نہ ہو جائیں۔ اس لیے وہ عثمانی وزیر اعظم کو مخاطب کرتے تھے۔

کیا خدا کی شان ہے کہ ترکوں کا اس قدر عروج تھا کہ یورپ کے بڑے سے بڑا حکمران سلطان کو کچھ لکھتے ڈرتا تھا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ترک خدا پرست تھے۔ نماز پڑھتے تھے۔ خدا کو یاد کرتے تھے۔ خدا ان پر مہربان تھا۔ دنیا بھر میں ان کی عزت و وقعت تھی۔

ایک جرمن مورخ نے اپنی تاریخ کی اتالیسویں جلد میں وہ تمام خطوط درج کیے ہیں جو ایلزبتھ ملکہ انگلستان نے عثمانی وزیر اعظم اور سلطان المعظم کو لکھے۔ پہلا خط ۱۵ نومبر ۱۵۸۶ء کو مقام ونڈسر سے لکھا گیا۔ یہ خط لاطینی زبان میں تھا۔ محمد سقلی پاشا وزیر اعظم کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں لکھا تھا۔

فلپ شاہ اسپین کے دماغ میں دنیا بھر میں حکومت کرنے کا خبط سما گیا ہے۔ اس نے بحری بیڑہ کو ترقی دینی شروع کر دی ہے۔ اس نے سب سے پہلے انگلستان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ براہ کرم کوشش کیجیے کہ اس وقت سلطان المعظم ہماری مدد کریں۔ اگر وہ ہماری مدد پر آمادہ ہو جائیں تو فلپ کا دماغ درست ہو جائے اور اسے انگلستان پر حملہ کرنا تو کیا اس کی طرف دیکھنے کی جرأت بھی جرات نہ ہو۔"

محمد سقلی پاشا نے اس کا جواب نہایت اختصار کے ساتھ یہ دیا کہ میں موقع دیکھ کر بارگاہ عالی کی خدمت میں آپ کی درخواست پیش کر دوں گا۔ لیکن اچھا ہو کہ آپ بھی سلطان المعظم

کی خدمت میں ایک درخواست روانہ کر دیں۔"

اس زمانہ میں آمد و رفت کی وہ سہولتیں نہ تھیں جو اس زمانہ میں ہیں۔ انگلستان سے قسطنطنیہ تک آنے جانے میں بڑا وقت لگتا تھا۔ پھر یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ باہر سے آنے والوں کو وزیر اعظم کی خدمت میں فوراً ہی باریابی ہو جائے۔ کئی کئی مہینے انتظار کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ملکہ انگلستان کا خط عرصہ دراز کے بعد محمد سقلی پاشا کے پاس پہنچا تھا۔ اور انہوں نے اس کا جواب دیا تھا۔

اس خط کے جانے اور جواب آنے میں ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ ملکہ الزبتھ نے ۹ نومبر ۱۵۷۷ء کو سلطان المعظم کے نام عرض داشت لکھی۔ اس میں لکھا۔ "عالی جاہ! اسپین کا بادشاہ فلپ جو بت پرست ہے۔ آئین بت پرستی کو ترویج دینے کے لیے انگلستان پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اسلام بت پرستی کی اجازت نہیں دیتا۔ شاہ فلپ کا یہ بھی ناپاک ارادہ ہے کہ رفتہ رفتہ تمام یورپ پر قبضہ کر لے اور سارا یورپ ہڑپ کر لینے کے بعد اس کی قوت بڑھ جائے تو سلطنت عثمانیہ سے بھی ٹکر لے۔ اگرچہ یہ اس کی خام خیالی ہے لیکن فخر و غرور نے اسے اندھا کر دیا ہے براہ کرم آپ اپنے خوفناک بحری بیڑہ کو میری مدد کے لیے بھیج دیجیے۔"

یہ عرض داشت ملکہ الزبتھ نے اپنے چند معتمدوں کے ہاتھ قسطنطنیہ روانہ کی۔ اور انہیں ہدایت کر دی کہ وہ اس عرض داشت کو سفیر انگلستان کے حوالہ کریں اور سفیر خود پیش کرے۔ ملکہ کے معتمد اس عرض داشت کو لے کر روانہ ہو گئے۔

باب

سلطانی فرمان

ملکہ ایلزبتھ نے جو سفارت روانہ کی۔ وہ قسطنطنیہ پہنچ گئی اور اپنے ہم قوم سفیر انگلستان کے پاس جاکر مقیم ہوئی۔ دو چار روز کے بعد سفیر انہیں ساتھ لے کر محمد سقلی پاشا وزیر اعظم کے پاس گیا۔ سفیروں نے وزیر اعظم سے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ اور یہ درخواست کی کہ انہیں سلطان کے حضور میں پیش کر دیا جائے۔ محمد سقلی پاشا نے ان سے وعدہ کر لیا۔ اور کہا "میں عنقریب تمہیں سلطان کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ لیکن یہ ہدایت کیے دیتا ہوں کہ سلطنتِ عثمانیہ کا یہ قانون ہے کہ پہلی ملاقات میں کوئی سفیر اپنی عرض داشت پیش نہیں کر سکتا۔ قاعدہ یہ ہے کہ پہلی ملاقات ہوتے ہی تم شاہی مہمان ہو جاؤ گے۔ اب یا تو دوسری ملاقات کے وقت تمہیں عرض معروض کی اجازت ہو جائے گی۔ یا پھر تیسری ملاقات کا انتظار کرنا ہوگا۔"

سفیروں نے کہا "ہم نے سب سمجھ لیا ہے۔ اگرچہ ہمیں جلدی ہے۔ خوف ہے کہیں شاہ اسپین اچانک حملہ نہ کر دے۔ لیکن ہم عثمانی دربار کے قانون کی پابندی کریں گے۔"

محمد سقلی پاشا: "میں بہت جلد تمہاری ملاقات کا انتظام کر دوں گا۔ انگریزی سفیروں نے وزیر اعظم کا شکریہ ادا کیا اور چلے گئے۔ چند ہی روز بعد محمد سقلی پاشا نے سفیروں کو سلطان کے حضور میں پیش کیا۔ سفیروں نے نہایت ادب سے سلطان کو سلام کیا اور ان کے تخت کو بوسہ دیا۔ محمد سقلی پاشا نے سلطان سے عرض کیا "یہ ایلزبتھ ملکہ انگلستان کے سفیر ہیں۔"

سلطان: کس لیے آئے ہیں؟

محمد سقلی پاشا: اسپین کا بادشاہ فلپ انگلستان پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ ملکہ ایلزبتھ نے مدد کی درخواست کی ہے۔

سلطان: ہم درخواست سنیں گے۔ آج سے یہ سفیر شاہی مہمان ہیں۔ دوسرے موقع

پر انہیں درخواست پیش کرنی چاہیئے۔

سفیر سلام کر کے ہٹ گئے۔ اسی روز مہتمم مہمانان نے انگلستان کے سفیر کے پاس ایک رقم انگریزوں سفیروں کے اخراجات کے لیے بھجوا دی۔ یہاں یہ بات بھی بیان کر دینی نامناسب نہ ہوگی کہ دوسری سلطنتوں کے سفیر بھی باب عالی کے دربار میں رہتے تھے۔ سب کے اخراجات دولتِ عثمانیہ کے خزانہ سے ادا کیے جاتے تھے۔

دربار ختم ہونے کے بعد جب سلطان مراد خان سوم خفستان یعنی شاہی محل سرا میں گئے تو کمان ابرو، ماہ پیکر اور کافر ادا کنیزوں نے ان کا استقبال کیا۔ وہ سیدھے صفیہ سلطانہ کے پاس پہنچے۔ سلطانہ حور جمال کنیزوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی۔ سلطان کو دیکھتے ہی کنیزیں دو طرف پرا باندھ کھڑی ہو گئیں اور حور وش صفیہ ادا و ناز سے بل کھاتی ہوئی، شوخی سے مسکراتی اٹھی۔ سلطان کو دیکھتے ہی اس کے چہرہ پر سرخی دوڑ جاتی تھی اور آنکھوں میں تیز چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "کا آنا مبارک ہو۔"

سلطان: جانتی ہو۔ اس وقت ہم کہاں سے آئے ہیں؟

صفیہ: جانتی ہوں۔ آپ دربار سے تشریف لا رہے ہیں۔

سلطان: یہ بھی جانتی ہو۔ آج دربار میں نئی کیا بات پیش آئی۔

صفیہ: نہیں! ہمیں غیب کا علم نہیں ہے۔

سلطان: پھر بت بننے کا دعویٰ کیا؟

صفیہ نے ناز بھری چتوں سے دیکھ کر کہا۔ "توبہ کیجیے! ہم بت نہیں ہیں۔"

سلطان: بت کب کہتے ہیں کہ وہ بت ہیں۔ لوگ انہیں بت بنا دیتے ہیں۔

صفیہ: یہ لوگوں کا قصور ہے۔ اچھا فرمائیے۔ آج دربار میں کیا نئی بات پیش آئی؟

سلطان: انگلستان کی ملکہ ایلزبتھ کے سفیر آئے ہیں۔

صفیہ: کس لیے۔

سلطان: مدد مانگنے۔

صفیہ: انگلستان پر کس نے چڑھائی کر دی؟

سلطان :- ابھی کی نہیں۔ البتہ کرنے والا ہے۔ اسپین کا بادشاہ فلپ چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔"

صفیہ :- اوہ ہم سمجھ گئیں۔ فلپ کیتھولک ہے اور ایلزبتھ پراٹسٹنٹ۔ ان دونوں میں مذہبی مناقشہ ہو گیا ہو گا۔ اور اس مناقشہ نے جنگ کی صورت اختیار کر لی ہے۔

سلطان :- یہی ہوا ہے۔

صفیہ :- پھر سلطان کا کیا ارادہ ہے؟

سلطان :- ہم ملکہ صفیہ سے سننا چاہتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

صفیہ :- کمزوروں کی مدد کرنا بہادری ہے۔

سلطان :- خدا کا شکر ہے جو ہم نے طے کیا ہے۔ وہی تمہارا بھی خیال ہوا ہے۔ ہم انگلستان کی ملکہ کی مدد کریں گے۔

صفیہ :- نیک خیال ہے سلطان کا۔

صفیہ کے حکم سے سلطان کے سامنے قہوہ پیش کیا گیا۔ ایک نہایت ہی حسین و خوبرو کنیز نے قہوہ پیش کیا۔ سلطان قہوہ پی کر تشریف لے گئے۔

چند روز کے بعد پھر دربار ہوا۔ دربار کی کچھ کاروائی ہونے کے بعد محمد سقلی پاشا وزیر اعظم نے انگلستان کی ملکہ ایلزبتھ کے سفیروں کو سلطان کے سامنے پیش کیا۔ سفیروں نے پھر نہایت ادب سے سلام کر کے تخت کو بوسہ دیا۔ اور ملکہ کی عرضی کی۔ اس عرضی کا مضمون بھی قریب قریب وہی تھا۔ جو پہلے عریضہ کا تھا۔ محمد سقلی پاشا نے یہ عرضی پڑھ کر سلطان کو سنائی۔ جب عرضی ختم ہو گئی تو انگلستان کا وہ سفیر جو باب عالی کے دربار میں رہتا تھا۔ کھڑا ہو گیا۔ اس نے عرض کیا۔ "میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

سلطان نے عرض لہ

سفیر نے کہا :- عالی جاہ! اسپین کے بادشاہ فلپ نے تمام بت پرست فرمانرواؤں کو متفق و متحد کر لیا ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ سلطنت انگلستان کو تباہ کرے۔ انگلستان کی ملکہ کو ہزیمت دے۔ اگر وہ اپنے اس منحوس ارادہ میں کامیاب ہو گیا تو عثمان قلمرو پر بھی

حملہ کرے گا۔

اس کے دماغ میں یہ خبط پیدا ہو گیا ہے کہ ساری دنیا کا بادشاہ بن جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسپین کا بحری بیڑہ بہت زبردست ہے۔ انگلستان کا بیڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے ملکہ انگلستان نے باب عالی سے مدد طلب کی ہے جہاں پناہ کو ایک کمزور کی مدد کرنی چاہیئے۔ اگر حضور والا اپنی عظیم الشان سلطنت کی کل مہیب اور خوفناک بحری طاقت انگلستان کی مدد کے لیے روانہ کرنا چاہیئے تو سترانشی جہاز ہی بت پرست بادشاہ اسپین کی سرکوبی کے لیے روانہ فرما دیں۔"

جب انگلستان کا سفیر اپنی معروضات پیش کر کے خاموش ہوا۔ تو فرانس کا سفیر کھڑا ہوا۔ اس نے عرض کیا۔ "میں بھی اپنے بادشاہ ہنری سوم والئ فرانس کا ایک عریضہ پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

سلطان :- اجازت ہے پیش کرو۔

سفیر نے ہنری سوم کا عریضہ پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا۔

فلپ کے دماغ میں دنیا بھر پر حکومت کرنے کا خبط سوار ہے۔ اس نے بہت سے فرمانرواؤں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیا ہے۔ اول وہ انگلستان سے ٹکرانا چاہتا ہے۔ اگر اس نے انگلستان فتح کر لیا تو پھر فرانس پر حملہ کرے گا۔ اور فرانس پر قبضہ کرنے کے بعد باب عالی سے لڑے گا۔ میری درخواست ہے کہ اس فتنہ کو شروع میں ہی کچل دیا جائے۔"

جب فرانس کا سفیر بھی اپنی عرض داشت ختم کر چکا تو سلطان نے نگاہیں اٹھا کر درباریوں کی طرف دیکھا۔ سب سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ تمام دربار میں سناٹا طاری تھا۔ انگلستان کے سفیروں کے دل فیصلہ سننے کے انتظار میں دھڑک رہے تھے۔ سلطان نے کہا۔ سلطنتِ عثمانیہ کا یہ دستور رہا ہے کہ اس نے ہمیشہ کمزور کی مدد کی مدد کی ہے۔ اور دنیا میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے اپنی قوت کو حرکت دی ہے۔ ہم نے ملکہ ایلزبتھ کی درخواست منظور کی۔ ہم انگلستان کی ضرور مدد کریں گے۔ وزیر جنگ سنیں۔"

انگریزی سفیر یہ مژدہ سن کر باغ باغ ہو گئے۔ وزیر جنگ فوجی وردی پہنے ہوئے تھے۔

وہ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔ "عالم پناہ میں سن رہا ہوں۔"

سلطان:۔ ہم انگلستان کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ترکی جہاز لڑائی پر جانے کے لیے تیار ہیں؟

وزیر جنگ:۔ ترکی بحری بیڑہ ہر وقت تیار رہتا ہے۔ لیکن میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سلطان:۔ عرض کرو۔

وزیر جنگ:۔ اس وقت یورپ کے عیسائیوں میں جنگ کی ٹھن گئی ہے۔ یہ عیسائی وہ ہیں جو سلطنت عثمانیہ کو زک پہنچانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی وقت آئے تو باب عالی کو مدد کی ضرورت پڑے تو انگلستان، فرانس یا کوئی دوسری عیسائی سلطنت ہرگز سلطان روم کی مدد نہ کریں۔

سلطان نے مسکرا کر کہا: "تم نے بات درست کہی۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ عیسائی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔ لیکن مسلمان کی طینت کمزوروں کی مدد کرنا ہے۔ ہم انگلستان کی مدد ضرور کریں گے۔"

وزیر جنگ:۔ بحری بیڑا تیار ہے۔ اعلیٰ حضرت کے حکم کی تعمیل ہو گی۔

سلطان:۔ تیس جہاز انگلستان کی مدد کے لیے بھیجے جائیں۔ امیر البحر اس مہم پر نامزد کیے جاتے ہیں۔ انگلستان تک جانے آنے کے اخراجات سلطنت عثمانیہ برداشت کرے گی۔

وزیر جنگ نے جھک کر اظہار اطاعت کیا۔ انگلستان اور فرانس کے سفیروں نے تخت کو بوسہ دے کر شکریہ ادا کیا۔

باب

شاندار فتح

امیر البحر تیس ترکی جہازوں کا زبردست بیڑہ لے کر انگلستان کی طرف روانہ ہوئے۔ سفیر انگلستان نے اس بیڑہ کی روانگی کی اطلاع ملکہ ایلزبتھ کی خدمت میں بیڑہ کی روانگی سے بہت پہلے کر دی تھی۔ جب یہ اطلاع انگلستان میں پہنچی تو انگریزوں کو عام طور پر خوشی ہوئی۔ اراکین سلطنت نے جوش اور مسرت سے کہا "عثمانی بیڑہ ہماری مدد کے لیے آرہا ہے۔ اب اگر سارے یورپ کا بھی بحری بیڑہ ہمارے مقابلہ پر آجائے تو کچھ پروا نہیں ہے۔"

ترکی بیڑہ کے استقبال کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ انگلش چینل میں بڑی چہل پہل نظر آنے لگی۔ چند ہی روز میں ترکی بحری بیڑہ بڑی شان کے ساتھ انگلش چینل میں داخل ہوا۔ تمام انگریزی جہازوں نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ بندرگاہ کے پلیٹ فارم پر انگریز مردوں، عورتوں اور بچوں کا بڑا اژدحام تھا۔ یہ سب اچھے اچھے کپڑے پہن کر ترکوں اور ترکی جہازوں کو دیکھنے کیلئے آئے تھے۔ جوں ہی ترکی جہاز ان کے سامنے پہنچے۔ انہوں نے ہتھیلیاں بجا کر، شور کر کے، اچھل کر رومال ہلا کر ان کا استقبال کیا۔

ترکوں جہازوں نے لنگر ڈالے۔ انگلستان کے تمام وزیروں اور امیروں نے ترکی جہازوں میں جا کر ترکوں کے آنے کا شکریہ ادا کیا۔ ملکہ الزبتھ بھی ایک جہاز میں سوار ہو کر آگئیں۔ سنان رئیس ان کے پاس پہنچے۔ ملکہ نے ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

ترکی سپاہیوں، ملاحوں اور کپتانوں کی بڑی مدارات کی گئی۔ چند روز کے بعد انگریزی بیڑہ بھی کیل کانٹے سے لیس ہو گیا۔ ترکی اور انگریزی جہازوں پر توپیں نصب کی گئیں۔ جنگی سامان لادا گیا۔ انگریزی فوج انگریزی جہازوں میں سوار ہوئی۔ انگریزی بحری بیڑہ امیر البحر ڈریک

اور امیر البحر ریلی کی سرکردگی میں ترکوں کے ساتھ ہوا۔ ان متفقہ بحری بیڑوں کو رخصت کرنے کے لیے تمام انگلینڈ امنڈ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ ان بیڑوں کو رخصت کیا۔

یہ خبر انگلستان میں آچکی تھی کہ اسپین اور پرتگالیوں کا متحدہ بیڑہ انگلستان کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ ترکی امیر البحر سنان رئیس نے یہ رائے دی کہ دشمن کے بیڑوں کا مقابلہ آگے بڑھ کر کرنا چاہیئے۔ انگریزی بحری افسروں نے ہی اس بات کو پسند کیا۔ چنانچہ یہ دونوں بیڑے تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آگے ترکوں کا بیڑہ تھا اور پیچھے انگریزوں کا۔

جب یہ دونوں بیڑے ارماڈہ کے مقام پر پہنچے تو اسپینی اور پرتگالی بیڑوں کا سامنا ہو گیا۔ فلپ شاہ اسپین نے عقل مندی کی کہ پرتگالی بیڑہ کو ترکی بیڑہ کے سامنے کر دیا۔ سورج تیز چمک رہا تھا اور ہوا ساکن تھی۔ چوں کہ جہاز ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس لیے سمندر میں بڑی بڑی لہریں اٹھ رہی تھیں۔

دفعتہً پرتگالی جہازوں سے توپیں سر ہوئیں۔ گولے شعلوں کی طرح لپکے اور خوفناک گرج کے ساتھ ساتھ سمندر میں جا پڑے۔ ان گولوں سے سمندر میں زلزلہ آگیا۔ تمام ترکی جہاز ڈگمگانے لگے۔ ترکی امیر البحر دیکھ رہے تھے۔ جب پرتگالیوں نے کئی فیر کر لیے۔ تب انہوں نے توپیں داغنے کا حکم دیا۔ ترکی توپوں کی نالیں سیدھی ہو گئیں۔ اور خوفناک گرج کے ساتھ انہوں نے گولے اگلے۔ یہ گولے پرتگالی جہازوں کے بہت ہی قریب پانی میں جا کر پھٹے۔ تمام جہاز ایک دم کانپ اٹھے۔

اب ترک جہاز قدم قدم آگے بڑھنے لگے۔ دھوئیں کا سائبان چھا گیا۔ فریقین گولے برسا رہے تھے۔ گرج کے ساتھ آگ برس رہی تھی۔ پرتگالی جہازوں نے بھی پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ جبکہ دونوں بیڑے ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کئی گولے ترکوں جہازوں کی اونچی دیواروں پر آکر پڑے۔ اور دیوار کا حصہ دور تک گرا گئے۔ ترک جہاز کو غصہ آگیا۔ انھوں نے تاک کر گولے پھینکے۔ ان میں سے کئی گولے تو سمندر میں گر پڑے۔ کئی جہازوں سے ٹکرا کر دیواریں توڑ گئے۔ اور دو گولے اگلے جہاز کے صحن میں جا کر پھٹے۔ وہاں سینکڑوں بحری پرتگالی سپاہی کھڑے تھے۔ جوں ہی گولے پھٹے ان کے چیتھڑے اڑ گئے۔ لوگوں میں سراسیمگی پیدا ہو گئی۔

وہ ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ اس وقت دو گولے اور آکر پھٹے۔ ان گولوں سے بھی سپاہیوں کو نقصان پہنچا۔ ادھر جہاز میں آگ لگ گئی۔ پرتگالی سپاہی اور ملاح جہاز میں سے سمندر میں کود پڑے۔ اور دوسرے جہاز کی طرف پناہ لینے کے لیے تیرتے ہوئے بڑھے۔ اتفاق سے ایک گولہ شکستہ جہاز کے دوسری طرف ان لوگوں پر جا پڑا جو جانیں بچانے کے لیے تیر رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ غرق ہو گئے۔ مضروب جہاز میں ایک دم آگ بھڑک اٹھی۔ اس میں گولہ بارود کافی تھا۔ جب آگ میگزین میں پہنچی تو ایک دم شعلے بھڑک اٹھے اور گولے زناٹے کے ساتھ چل کر دوسرے جہازوں پر جا پڑے۔ اس سے کئی جہازوں میں اور آگ لگ گئی۔ امیر البحر نے دیکھا۔ انہوں نے اپنے جہازوں کو تیزی سے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ترکی جہاز عقاب کی طرح جھپٹے اور انہوں نے تیزی کے گولے برسانے شروع کیے۔ یہ گولے پرتگالی جہازوں پر جا جا کر پھٹے۔ ہر گولے نے ہر جہاز میں بھاری نقصان کیا۔ کئی جہازوں کے پیندوں میں اتنے بڑے بڑے سوراخ ہو گئے۔ کہ ان کی مرمت دشوار ہو گئی۔ پانی ابل پڑا۔ کئی جہازوں میں آگ بھڑک اٹھی۔ پرتگالی سپاہیوں میں چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ ان کا وہ جہاز جس میں پہلے آگ لگی تھی۔ جل کر ڈوب گیا۔ اور کئی جہاز جلنے اور چکر کھانے لگے۔

ترکی جہاز برابر گولہ باری کر رہے تھے۔ ان گولوں سے سخت نقصان پہنچ رہا۔ اسپینی بیڑا پرتگالی بیڑہ کی مدد کے لیے بڑھا۔ انگریزی اور چند ترکی جہازوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ اسے آگے بڑھنے یا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس عرصہ میں پرتگالی بیڑہ پر ترکی بیڑہ نے زبردست حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ کئی جہازوں میں شعلے بھڑک اٹھے۔ کئی جہاز جن میں سوراخ ہو گئے تھے۔ پانی زیادہ بھر جانے کی وجہ سے ڈوبنے لگے۔ یہاں تک کہ ترکوں نے پرتگالی بیڑہ کو بالکل تباہ کر دیا۔ پرتگالیوں کے بے شمار سپاہی مارے گئے۔ بچے کھچے سمندر میں کود کر بڑی مشکل سے اسپینی جہازوں پر پہنچے۔

اسپین کے امیر البحر نے پرتگالی بحری بیڑہ کا حشر دیکھ لیا تھا۔ اسے ترکوں کا مقابلہ

از تاریخ عالم اسلام جلد چہارم ص ۵۲۰

کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس نے کہا: "میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ ترکوں کے بیڑہ کا مقابلہ دنیا کا کوئی بیڑہ بھی نہیں کرسکتا۔ آخر وہی ہوا۔ پرتگال کا بیڑہ کاملاً تباہ ہوگیا۔ اسپین کے بیڑہ میں مقابلہ کی قوت نہیں ہے۔"

چنانچہ وہ اسی وقت اپنا بیڑہ لے کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ شاہ اسپین کو زبردست ہزیمت ہوئی۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر سلطان مراد خان سوم ملکہ ایلزبتھ کی مدد نہ کرتے تو عین ممکن تھا کہ فلپ انگلستان پر قبضہ کر لیتا۔ ترکی بحری بیڑہ فتح کا جھنڈا لہراتا واپس آگیا۔ انگریز عموماً اور ملکہ ایلزبتھ خصوصاً ترکوں کے بہت مشکور ہوئے۔ چنانچہ ملکہ ایلزبتھ نے ۲۰ نومبر ۱۵۸۸ء کو مقام ونڈسر سے سلطان المعظم کی خدمت میں ایک خط جس میں سلطان کے مدد دینے کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ پرتگالی بیڑہ کی تباہی کی اور اسپینی بیڑہ کی ہزیمت کی اطلاع دی تھی۔ اور یہ درخواست کی تھی کہ اسپین پر حملہ کر کے سلطنتِ اسپین کو تہ و بالا کر دیا جائے۔

باب

مسرت

جس روز امیر البحر اپنا بحری بیڑہ لے کر اسپین پر فتح حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔ اسی روز نسیم بک آسٹریا اور ہنگری کا معقول انتظام کرنے کے بعد آگئے۔ یہ دونوں افسر فاتح تھے۔ ترکوں نے دونوں کا استقبال بڑی شان سے کیا۔

احمد پاشا جرمنی سے صلح ہو جانے کے بعد واپس آگئے تھے۔ لیکن وہ نسیم بک کو اس نواح کے علاقہ کے انتظام کے لیے چھوڑ آئے تھے۔ نسیم بک نے وہاں پورا عملی دخل اور پورا

انتظام کر لیا۔ انہوں نے باب عالی کو اطلاع دی۔ سلطان روم نے انہیں قسطنطنیہ میں واپس طلب کر لیا۔ اور ان کی جگہ ایک اور افسر کو بھیج دیا۔

نسیم بک نے کرپس اور مرتھا سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ جب وہ قسطنطنیہ واپس جائیں گے۔ تب ان دونوں کو ساتھ لے چلیں گے۔ چنانچہ واپسی کے وقت انہوں نے انہیں ساتھ لیا۔ دونوں بہن بھائی بڑی خوشی سے ان کے ساتھ ہو لیے۔

جب ان کا جہاز شاخ زریں میں داخل ہوا تو کرپس اور مرتھا نے اس خوش نما مقام کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ سامنے شہر کا خوبصورت منظر تھا۔ دونوں اسے دیکھ کر بڑے محظوظ ہوئے۔

مرتھا: "کیسا خوش نما منظر ہے۔ میں نے آج تک ایسا دل فریب مقام نہیں دیکھا۔"

نسیم بک نے مرتھا کو دیکھا۔ اس وقت اس نے نہایت ہی عمدہ لباس پہن رکھا تھا۔ وہ بڑی حسین معلوم ہو رہی تھی۔ انہوں نے اس کی دلکش آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: "دنیا بھر میں یہ مقام اور یہ شہر خوب صورت ہیں۔ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں۔ اندر سے شہر دیکھ کر تم اور بھی خوش ہو گی۔"

مرتھا: "شاہی محلات بھی دیکھنے کے قابل ہوں گے۔"

نسیم بک: "خفستان یعنی شاہی محلسرا ایک علیحدہ دنیا ہے۔ بلکہ یہ کہیئے کہ وہ دنیا کی جنت ہے جو اس دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ باہر نہیں آسکتا۔ نہ اس میں داخلہ آسان ہے۔"

اس وقت جہاز لنگر انداز ہو گیا۔ نسیم بک جہاز سے اترے۔ ان کا اور کرپس کا سب سامان اتار لیا گیا۔ اور وہ فوجی گاڑیوں میں سامان بار کرا کر ایک گاڑی میں تینوں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو اس کی وسعت اور خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مرتھا کی موہنی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ وہ بڑی حیران اور خوش ہو رہی ہے۔

نسیم بک انہیں اپنے مکان میں لے آئے۔ نہایت عالیشان مقام تھا۔ اس مکان اور اس کے ساز و سامان کو دیکھ کر مرتھا حیران رہ گئی۔ اس نے "اوئی یہ مکان ہے یا شہر کا ایک حصہ۔"

نسیم بک نے پیار کی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔"یہ میرا چھوٹا سا مکان ہے۔بڑے بڑے افسروں اور وزیروں کے مکانات اس سے کہیں بڑے اور شاندار ہوتے ہیں۔کاش تمہیں اس مکان کے مکین بھی پسند آجائے"۔

مرتھا نے شوخ نگاہوں سے نسیم بک کو دیکھ کر کہا۔"خدا کا شکر ہے۔تب یہ مکان تمہاری نذر ہے"۔

مرتھا شرما گئی۔وہ دونوں بہن بھائی وہاں مقیم ہوئے۔نسیم بک نے ان دونوں کی ایسی خدمت کی اور ایسے اخلاق سے ان کے ساتھ پیش آئے کہ چند ہی روز کے بعد دونوں مسلمان ہوگئے۔نسیم بک کو اس سے بڑی خوشی ہوئی۔ایک روز انہوں نے کرپس سے مرتھا کے لیے درخواست کی۔کرپس نے کہا۔"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔لیکن مرتھا اپنی مرضی کی مختار ہے۔وہ فیصلہ خود کرے گی۔اس سے کہو"۔

نسیم بک اس سے کچھ کہتے ہچکچاتے تھے۔مگر ایک دن ہمت پڑ ہی گئی۔انہوں نے کہا۔"فاطمہ (مرتھا کا اسلامی نام فاطمہ رکھا گیا تھا) میں کسی تمہید کے عرض کرتا ہوں۔کہ مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔میں تمہاری نظر لطف کا امیدوار ہوں"۔

مرتھا نے شوخی سے کہا۔"یہ تو برا ہوا۔ہم کیا مہربانی کر سکتے ہیں"۔

نسیم بک:"تم میری شریک حیات بن جاؤ"۔

مرتھا:ہم سوچیں گے۔

چند روز بعد نسیم بک اور مرتھا کی شادی ہوگئی۔

ایک روز مراد خاں سوم سلطانہ صفیہ کے پاس بیٹھے تھے۔دفعتہً سلطان کو کوئی بات یاد آگئی۔سلطانہ صفیہ نے دیکھ لیا۔انہوں نے کہا۔"سلطان کو کیا بات یاد آگئی"

سلطان:تم تو کہتی تھیں کہ ہم بت نہیں ہیں۔

صفیہ نے مسکرا کر کہا۔"بت تو بے جان ہوتے ہیں"۔

سلطان:ٹھیک کہا۔مگر تم نے ہمارے دل کی بات کیسے معلوم کرلی۔؟

صفیہ:۔قیافہ سے۔فرمایئے۔کیا بات یاد آگئی ہے؟

سلطان:ملکہ ایلزبتھ نے لکھا ہے کہ سلطنت اسپین پر حملہ کرکے اسے نیست و نابود کردیا جائے۔

صفیہ۔یہ مناسب نہیں ہے۔مرتے کو مارنا بہادری نہیں ہے۔فلپ کو سبق مل چکا ہے۔

سلطان:تم بڑی ہوش مند ہے۔یہ باتیں تم نے کہاں سے سیکھیں۔

صفیہ:۔اس محل میں آکر۔کلفہ سلطانہ (شاہزادی) اور باش قادن آفندی سے۔جو آج کل والدہ سلطانہ (نور بانو حیات) ہیں۔ہمیں سب کچھ سکھایا۔

سلطان:ہم خدا کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں دنیا ہی میں ایسی حور عطا فرمائی۔جو بے مثل حسینہ ہے اور جس کے صاف و شفاف سینہ میں ایسا دل ہے جس میں اسلامی جذبہ ہے اور ایسا دماغ ہے جس میں مآل اندیشی بھری ہوئی ہے۔

صفیہ نے بڑی بڑی آنکھیں شرما کر ہوش ربا نظروں سے سلطان کو دیکھا۔اور شرما گئیں

سلطان نے کہا۔"تمہاری ہر ادا بڑی پیاری ہے"۔

صفیہ اور بھی شرما گئیں۔بالکل نئی دلہن کی طرح۔سلطان نے اسپین پر لشکر کشی نہیں کی۔یہ ہے دختر وینس لبفو کی وہ داستان جسے لکھتے ہوئے عیسائی مورخوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔کیونکہ وینس کی یہ حور مسلمان ہوکر پر جوش مسلمان ہوگئی۔اس نے اگرچہ عیسائیت کی آغوش میں پرورش پائی تھی۔لیکن مسلمان ہونے کے بعد اسے عیسائیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہا تھا۔

ختم شد

کتبہ:میاں کفایت اللہ

نوشہرہ ورکاں (گوجرانوالہ) 19/2/91